صلوٰۃ المصطفیٰ ﷺ

مؤلفہ

مولانا محمد علی جانباز حفظہ اللہ تعالیٰ

ناشر مکتبہ جامعہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)
ناصر روڈ سیالکوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

صلاۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلفہ

مولانا محمد علی جانباز حفظہ اللہ تعالیٰ

ناشر مکتبہ جامعہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)
ناصر روڈ سیالکوٹ

المكتبة الرحمانية
۹۹-... بے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
نمبر.....1[illegible]065

جملہ حقوق محفوظ ہیں

25212
ع21ص

نام کتاب : صلوٰۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
مؤلفہ : شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز
طبع : چہارم
تعداد : ۱۱۰۰
قیمت :
سن اشاعت: ۲۰۰۶ء
کمپوزنگ : العرفان کمپوزرز گوجرانوالہ

ناشر: ادارۂ جامعہ رحمانیہ (رجسٹرڈ) ✆ 4591911

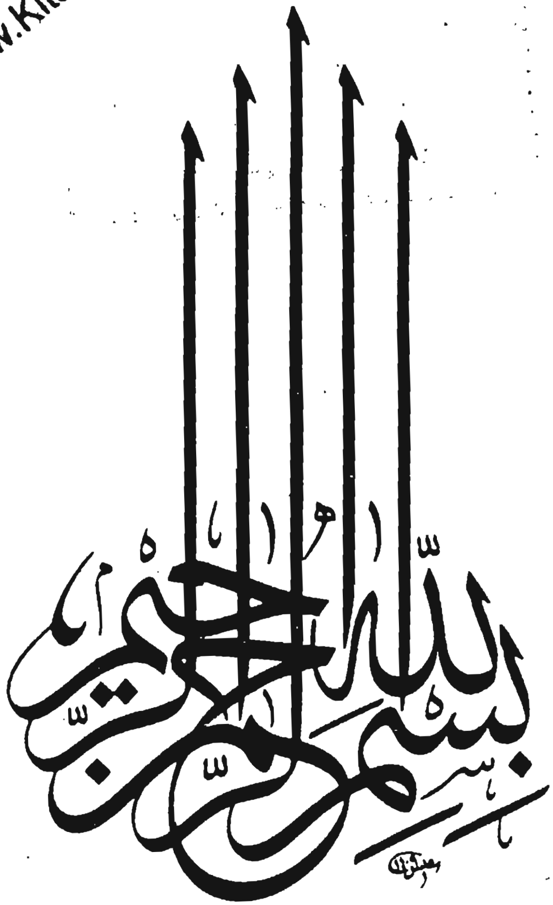
بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ
إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ
إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ○ وَ الۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ○
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ الۡاَنۡبِیَآءِ وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ ○
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ ○ اَمَّا بَعۡدُ:

نماز اسلام کا دوسرا بڑا اہم رکن ہے، جو تمام عبادات اور نیکیوں کی جڑ ہے اور اصل الاصول ہے۔ یہ اسلام کا وہ فریضہ ہے جس سے کوئی مسلمان متنفس، جب تک اس میں کچھ بھی ہوش وحواس باقی ہے، کسی حالت میں بھی سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید میں سو سے زیادہ مرتبہ اس کی تعریف، اس کی بجا آوری کا حکم اور اس کی تاکید آئی ہے۔ اس کے ادا کرنے میں سستی اور کاہلی نفاق کی علامت اور اس کا ترک، کفر کی نشانی بتائی گئی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"بندے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔" (مسلم)

مطلب یہ ہے کہ نماز دین اسلام کا ایسا شِعار ہے اور حقیقت ایمان سے اس کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ اسے چھوڑ دینے کے بعد آدمی اسلام سے نکل کر کفر کی حد میں پہنچ جاتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> "ہمارے اور اسلام قبول کرنے والے عام لوگوں کے درمیان نماز کا عہد و میثاق ہے۔ (یعنی ہر اسلام لانے والے سے ہم نماز کا عہد لیتے ہیں۔ جو ایمان کی خاص نشانی اور اسلام کا شِعار ہے) پس جو کوئی نماز چھوڑ دے تو گویا اس نے اسلام کی راہ چھوڑ کر کافرانہ طریقہ اختیار کر لیا۔" (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

'فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْمِلَّةِ'. (ترغیب' منذوی)

"جس نے دانستہ اور عمداً نماز چھوڑ دی تو وہ ہماری ملت سے خارج ہو گیا۔"

ان احادیث میں ترک نماز کو کفر یا ملت سے خروج اسی بناء پر فرمایا گیا ہے کہ نماز ایمان کی ایسی اہم نشانی اور اسلام کا ایسا خاص الخاص شعار ہے کہ اس کا چھوڑ دینا اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کو اللہ' رسول اور اسلام سے کوئی تعلق نہیں رہا اور اس نے اپنے آپ کو ملت اسلامیہ سے الگ کر لیا ہے تو ایسے شخص کا حشر بموجب حدیث فرعون' ہامان اور نمرود جیسے دشمنان خدا کے ساتھ ہو گا۔

رسول اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں بے نماز ہونا تو درکنار' اگر کوئی بلا جماعت نماز پڑھتا تو وہ بھی نادم وشرمندہ ہوتا اور اپنے اسلام میں ایک بڑی کمی محسوس کرتا اور اس کے ازالہ کی پوری کوشش کرتا' مگر آج تارک صلوٰۃ شرمندہ ہونے کی بجائے الٹا نمازیوں پر اعتراض کرتا ہے اور استہزاء کرتا ہے اور پھر مزید برآں یہ کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی رکھتا ہے اور اسلام کا دم بھی بھرتا ہے۔

ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

نماز کے دراصل دو حصے ہیں' جن پر لکھنے کی کچھ ضرورت تھی۔ پہلا حصہ فضائل وترغیب سے متعلق ہے اور دوسرا حصہ احکام ومسائل کا ہے۔ کتبِ احادیث میں اس موضوع پر بہت سا مواد موجود ہے۔ اسی طرح ائمۂ دین کی بعض کتابیں بھی انہی دونوں موضوعات پر مختص کی گئی ہیں۔

جہاں تک نماز کے پہلے حصہ کا تعلق ہے۔ اس پر آج سے کئی سال پہلے جناب محترم حاجی شیخ ظہور الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریص وترغیب پر اس عاجز نے

''اہمیت نماز'' کے نام پر تین سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ایک کتاب لکھ دی ہے۔ اس کتاب کے دو ایڈیشن چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔ (محترم حاجی ظہور الٰہی صاحب، حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی تھے۔ ۱۹۹۵ء میں آپ نے ریاض، سعودی عرب میں وفات پائی اور حضرت علامہ شہید کی طرح جنت البقیع میں دفن ہوئے) پہلا ایڈیشن ۱۹۷۱ء میں محترم حاجی صاحب ہی کے مصارف پر طبع ہوا اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۶ء میں محترم جناب حاجی شیخ سراج دین صاحب کے خرچ پر طبع ہو کر ہدیہ قارئین ہوا۔ جن جن حضرات کے ہاتھ یہ کتاب پہنچی ان کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ بفضل الٰہی کتاب بہت پسند کی گئی اور سارے ملک کے کئی شہروں اور قصبوں سے کتاب کی نفع رسانی اور مقبولیت کے متعلق دوستوں کے بے شمار خطوط موصول ہوئے ہیں۔ جن کا یہاں درج کرنا محض نمائش ہوگا۔

نماز کا دوسرا حصہ جس کا تعلق مسائل واحکام سے ہے۔ اس پر اگرچہ بازار سے کئی کتابیں ملتی ہیں، لیکن ان میں نماز کو سنت کے مطابق پیش کرنے کا کما حقہ اہتمام نہیں کیا گیا۔ بدیں وجہ دوستوں کا اصرار تھا کہ جس طرح نماز کے فضائل وترغیب پر ''اہمیت نماز'' لکھی گئی ہے۔ اسی طرح ایک کتاب ایسی بھی ہونی چاہیئے جس میں نماز کے جملہ مسائل سننِ صحیحہ کے مطابق تحریر کئے گئے ہوں۔ چنانچہ دوستوں کی خواہش پر بتوفیقِ الٰہی ''صلوٰۃ المصطفیٰ'' لکھ کر ہدیہ قارئین کر دی ہے۔ اس میں طہارت ونماز کے تمام مسائل پوری تفصیل کے ساتھ جمع کر دیئے گئے ہیں اور مسائل میں استشہاد بھی براہ راست احادیث سے کیا گیا ہے۔ سنتِ صحیحہ سے اس باب میں جو چیزیں ثابت ہیں، قاری کو اس کتاب میں مل سکتی ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کی عادات واوضاع جمع کئے گئے ہیں۔

اس کتاب میں فرائض کے علاوہ سنن، نوافل مثلاً صلوٰۃ استسقاء، نماز سورج و چاند گرہن، نماز جنازہ اور استخارہ وغیرہ کی مفصل کیفیات درج کی گئی ہیں اور یہ بھی تحریر کیا گیا ہے کہ مذکورہ نمازوں میں کہاں کہاں کن کن ادعیہ کا پڑھنا مسنون ہے اس کے سب دلائل مع حوالہ جات درج ہیں۔

پھر مزید اس میں یہ خوبی پیدا کی گئی ہے کہ اختلافی مسائل کو احادیث صحیحہ کے علاوہ خود مشاہیر علمائے احناف کے اقوال و فتاوی سے بھی مزین کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ سنت رسول ﷺ سے محبت رکھنے والے میرے پیارے مسلمان بھائی اور بہنیں اسے پڑھ کر اپنی نمازیں سنت کے مطابق ادا کریں گے۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اسے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

آخر میں میں اپنے شاگرد عزیز مولانا محمد یونس صاحب مرجالوی کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں، جنھوں نے اس کتاب کی تسوید و ترتیب اور متعلقہ کتب کے حوالہ جات کی تلاش و جستجو میں میرے ساتھ تعاون کیا اور کتاب قارئین تک پہنچانے میں بڑی محنت کی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری یہ کوشش قبول فرمائے اور اس کتاب کو ہمارے لیے ذخیرہ آخرت اور ذریعہ نجات بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

طالب دعا
محمد علی جانباز
جامعہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)، ناصر روڈ، سیالکوٹ
یکم مارچ ۱۹۸۶ء

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ
پیش لفظ	۳
فہرست مضامین	۸
طہارت و پاکیزگی کی اہمیت	۲۱
طہارت و نظافت کا اہتمام کرنے والے اللہ کے محبوب ہیں	۲۱
طہارت آدھا ایمان ہے	۲۲
جسمانی طہارت سے باطن کی صفائی	۲۲
پانی کے احکام	۲۳
سمندر اور دریا کا پانی	۲۳
وہ پانی جس میں کوئی پاک چیز (جیسے آٹا صابن وغیرہ) مل جائے	۲۳
وہ پانی جس میں کوئی نجاست گر جائے	۲۴
مستعمل پانی	۲۴
جھوٹا پانی	۲۴
انسان کا جھوٹا پانی	۲۴
حلال جانوروں کا جھوٹا پانی	۲۵
خچر، گدھے، جنگلی جانوروں اور شکاری پرندوں کا جھوٹا پانی	۲۵
بلی کا جھوٹا پانی	۲۵
کتے کا جھوٹا پانی	۲۶
قضائے حاجت کے آداب	۲۶
مناسب جگہ کا انتخاب اور پردے کا اہتمام	۲۷
اللہ تعالیٰ کے نام کی عزت کرنا	۲۷
بیت الخلاء میں ذکر الٰہی اور گفتگو سے اجتناب	۲۸
قضائے حاجت کے وقت منہ کس طرف کرنا چاہیے	۲۸
ناگزیر حوائج میں بھی حیا سے کام لینا چاہیے	۲۹
بل میں پیشاب کرنے کی ممانعت	۲۹
غسل خانے میں پیشاب کرنا منع ہے	۳۰
لعنت کا سبب بننے والی باتیں	۳۰
کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ممانعت	۳۱
بہتے یا ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا منع ہے	۳۲
پیشاب سے پرہیز نہ کرنا عذاب قبر کا سبب ہے	۳۲
قضائے حاجت کے مقام پر جانے کی دعا	۳۳
بوقت ضرورت برتن میں پیشاب کرنا	۳۳
استنجاء کے آداب و احکام	۳۴
استنجاء کس چیز سے کرنا چاہیے	۳۴
استنجاء بائیں ہاتھ سے کرنا چاہیے	۳۵
کن چیزوں سے استنجاء کرنا منع ہے	۳۵
استنجاء کے بعد زمین پر ہاتھ ملنا	۳۶
قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد کی دعائیں	۳۶

مضامین	صفحہ
نجاستوں کی صفائی کا بیان	۳۷
نیند سے بیدار ہوکر ہاتھوں کی صفائی	۳۷
زمین کی طہارت وصفائی	۳۷
حیض آلود کپڑے اور بدن کی صفائی	۳۷
تر منی کا دھونا ضروری ہے	۳۸
خشک منی کا کھرچنا جائز ہے	۳۸
مذی اور ودی کی صفائی	۳۸
شیر خوار بچے کے پیشاب کا مسئلہ	۳۸
نجاست آلود جوتے کی صفائی	۳۹
مردہ جانوروں کی کھال	۳۹
تیل، گھی یا اس قسم کی دوسری چیزیں	۳۹
خصالِ فطرت	۴۰
حجامت بنوانا	۴۰
مونچھیں ترشوانا	۴۱
داڑھی بڑھانا	۴۱
بغلوں کے بال اتارنا	۴۱
ناخن کاٹنا	۴۱
زیر ناف بال اتارنا	۴۱
غسلِ جنابت کے احکام ومسائل	۴۲
غسل جنابت میں دیر کرنے کی ممانعت	۴۳
غسل جنابت میں سخت احتیاط چاہیے	۴۳
مردوں کی طرح عورت بھی محتلم ہوتی ہے	۴۴
غسل جنابت میں عورت کے سر کے بالوں کا مسئلہ	۴۴
حائضہ عورت اور جنبی کے لیے قرآن پڑھنے کی ممانعت	۴۴
جنبی کے لیے مسجد میں داخل ہونا منع ہے	۴۵
غسل کے وقت پردے کا اہتمام	۴۵
حمام میں غسل	۴۶
غسل کا طریقہ	۴۷
جنبی آدمی سے اختلاط	۴۸
حالتِ حیض میں جماع کی حرمت	۴۸
مذی سے غسل واجب نہیں ہوتا	۵۰
منی	۵۰
مذی	۵۰
ودی	۵۰
حیض، استحاضہ اور نفاس کا حکم	۵۱
حیض	۵۱
مدتِ حیض	۵۱
اِستحاضہ	۵۲
نِفاس	۵۲
مسنون یا مستحب غسل	۵۳
جمعہ کے لیے غسل	۵۳
غسل جمعہ کا اجر وثواب	۵۴
میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا	۵۴
عیدین کے موقع پر غسل	۵۵
غسلِ اِحرام	۵۵
مکہ مکرمہ میں داخلہ کے وقت غسل	۵۵

مضامین صفحہ

وقوف عرفات کے لیے غسل ۵۵
مسلمان ہونے پر غسل ۵۶
مسواک کا بیان ۵۶
مسواک کی اہمیت وفضیلت ۵۶
مسواک رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے ۵۶
وصیت جبرائیل علیہ السلام ۵۷
مسواک کے خاص اوقات اور مواقع ۵۸
نیند سے بیداری کے بعد ۵۸
نمازِ تہجد سے پہلے ۵۸
تلاوت قرآن کے وقت ۵۹
گھر میں داخل ہوتے وقت ۵۹
جس کے دانت نہ ہوں ۶۰
مسواک کرنا سنت انبیاء ہے ۶۰
نماز کا درجہ بڑھانے میں مسواک کا اثر ۶۰
بیداری کے بعد ہاتھ دھونا ۶۱
شیطان کا ناک پر رات گزارنا ۶۲
وضو کا بیان ۶۲
وضو کی فضیلت وبرکت ۶۲
وضو آدھا ایمان ہے ۶۳
وضو کی نگہداشت مومن ہی کر سکتا ہے ۶۴
وضو سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ۶۴
وضو گناہوں کی صفائی اور معافی کا ذریعہ ہے ۶۵
میدان حشر میں نورانی چہرے ۶۵

مضامین صفحہ

مومن کا زیور ۶۶
خشک ایڑھیوں کے لیے عذاب ۶۶
ناقص وضو کے برے اثرات ۶۷
کامل وضو کرنے کی تاکید اور اسے ادھورا چھوڑنے کی وعید ۶۸
ناپسندیدگی کے باوجود وضو سے بلندیٔ درجات ۶۸
وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ۶۹
وضو سے قبل دعائیں ۷۰
وضو کا مسنون طریقہ ۷۰
وضو کے بعد اذکار ۷۱
تحیۃ الوضو کی فضیلت ۷۳
سنت کے مطابق وضو کی فضیلت ۷۳
تین بار سے زیادہ پانی کا استعمال ممنوع ہے ۷۳
وضو کے پانی میں اسراف منع ہے ۷۴
وضو کے بعد تولیہ یا رومال کا استعمال ۷۴
ایک وضو سے کئی نمازیں جائز ہیں ۷۵
بے وضو نماز نہیں ہوتی ۷۵
ان چیزوں کا بیان جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ۷۶
بول وبراز اور جنابت سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ۷۶
مذی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ۷۶

مضامین	صفحہ
ہوا خارج ہونے سے	۷۷
شک سے وضو نہیں ٹوٹتا	۷۷
نیند سے وضو	۷۷
بے ہوشی	۷۸
شرمگاہ چھونا	۷۸
نکسیر اور قے	۷۸
ان چیزوں کا بیان جن سے وضو نہیں ٹوٹتا	۷۹
عورت کو چھونا	۷۹
قہقہہ	۷۹
وہ چیزیں جن کے لیے وضو ضروری ہے	۷۹
ان چیزوں کا بیان جن کے لیے وضو کرنا اچھا ہے	۸۰
قرآن پڑھتے اور ذکر الٰہی کرتے وقت	۸۰
سونے سے پہلے	۸۰
جنابت کی حالت میں	۸۱
غسل سے پیشتر	۸۱
ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنا	۸۱
معذور کے وضو کا حکم	۸۱
جرابوں اور موزوں پر مسح	۸۳
موزوں پر مسح خدا کے حکم سے ہے	۸۳
موزوں پر مسح تواتر سے ثابت ہے	۸۳
جرابوں پر مسح اور شرائط فقہاء	۸۵
آثارِ صحابہ ؓ	۸۷
باریک جرابوں پر مسح کا ثبوت	۸۸

مضامین	صفحہ
جرابیں بھی موزے ہی ہیں	۸۸
لفظ ’’جورب‘‘ کی لغوی تحقیق	۸۸
خلاصہ	۸۹
موزوں اور جرابوں پر مسح کا طریقہ	۹۰
موزوں اور جرابوں پر مسح کرنے کی شرائط	۹۰
مسح کی مدت	۹۱
مدت کا شمار کہاں سے ہوتا ہے؟	۹۱
مسح کو توڑنے والی چیزیں	۹۱
تیمم کا بیان	۹۲
تیمم کی ابتداء اور اس کا حکم	۹۴
تیمم وضو اور غسل جنابت دونوں کے لیے مشروع ہے	۹۶
جب تک پانی نہ ملے تیمم جائز ہے	۹۶
نماز کے بعد پانی ملے تو اعادہ ضروری نہیں	۹۷
احتلام کی صورت میں تیمم	۹۸
تیمم کا مسنون طریقہ	۹۸
وہ کام جن سے تیمم ختم ہو جاتا ہے	۹۹
ایک تیمم سے کئی نمازیں	۹۹
تیمم کی حکمت	۹۹
نماز کی عظمت واہمیت	۱۰۰
نماز دین کا ستون ہے	۱۰۰
اس دین میں خیر نہیں جس دین میں نماز نہیں	۱۰۱
نماز چھوڑنا اسلام کی راہ چھوڑنا ہے	۱۰۱

مضامین	صفحہ
قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا	١٠١
کفر اور اسلام میں نماز حد فاصل ہے	١٠٢
بے نماز کفار کا ساتھی ہے	١٠٢
نماز پڑھو، مشرک نہ بنو	١٠٣
ایمان کے بعد پہلا مطالبہ	١٠٣
نماز سے گناہ دور ہوتے ہیں	١٠٤
نماز، اللہ اور بندے کے درمیان عہد ہے	١٠٤
نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے	١٠٥
نماز ہر بھلائی کی چابی ہے	١٠٥
نماز غم وفکر کا علاج اور تسکین قلب کا باعث ہے	١٠٥
حکام کے نام حضرت عمرؓ کا فرمان	١٠٥
نماز کے متعلق حضور ﷺ کی آخری وصیت	١٠٦
نماز عصر چھوڑنا اعمال کی بربادی کا سبب ہے	١٠٦
نماز عصر چھوڑنے کا نقصان	١٠٦
فرضیت نماز	١٠٧
اوقات نماز کا بیان	١٠٧
وقت کی پابندی	١٠٨
اللہ کے نزدیک محبوب عمل	١٠٨
تین چیزوں میں تاخیر درست نہیں	١٠٨
اول وقت نماز پڑھنے کی فضیلت	١٠٨
اول وقت نماز پڑھنا بہترین عمل ہے	١٠٩

مضامین	صفحہ
اول وقت نماز مال ومنال اور اہل وعیال سے بہتر ہے	١٠٩
نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کا پسندیدہ وقت	١٠٩
آنحضرت ﷺ ہمیشہ اول وقت نماز پڑھتے رہے	١١٠
اوقاتِ نماز	١١٠
نمازِ فجر کا وقت	١١٣
ایک شبہ کا ازالہ	١١٤
نمازِ ظہر کا وقت	١١٥
گرمیوں میں نماز ظہر کو ٹھنڈا کرنا	١١٥
نمازِ عصر کا وقت	١١٦
آنحضرت ﷺ کا معمول	١١٦
نماز میں بلاوجہ تاخیر نفاق کی علامت ہے	١١٦
نمازِ مغرب کا وقت	١١٧
نمازِ عشاء کا وقت	١١٨
عشاء سے پہلے سونا اور بعد میں باتیں کرنا منع ہے	١١٨
نماز کے مکروہ اوقات	١١٨
بیت اللہ میں ہر وقت نماز جائز ہے	١١٩
اذان واقامت کے احکام ومسائل	١٢٠
کلماتِ اذان	١٢٢
فجر کی اذان میں	١٢٣
اذان میں ترجیع	١٢٣

مضامین صفحہ

احناف کا عجب رویہ ۱۲۴
اکہری تکبیر ۱۲۶
اقامت کے کلمات ۱۲۶
اذان کا جواب ۱۲۷
اذان کے جواب کی فضیلت ۱۲۷
اقامت کا جواب ۱۲۸
اذان کے بعد کی دعائیں اور ان کی فضیلت ۱۲۸
نزولِ رحمت ۱۲۸
اذان کی پہلی دعا ۱۲۸
حصولِ شفاعت کا ذریعہ ۱۲۹
وسیلہ کیا ہے؟ ۱۲۹
فضیلہ ۱۲۹
مقامِ محمود ۱۳۰
دعوتِ تامہ ۱۳۰
دعائے اذان کے الفاظ میں اضافہ ۱۳۰
اذان کی دوسری دعا ۱۳۰
مغرب کی اذان کی دعا ۱۳۱
اذان اور مؤذن کی فضیلت ۱۳۱
موذن کے ایمان کی گواہی ۱۳۱
اذان دینے سے جنت واجب ہو جاتی ہے ۱۳۲
قیامت کے دن مؤذن کا امتیازی نشان ۱۳۲
اذان سے شیطان بھاگتا ہے ۱۳۲
اذان' آفات وعذاب سے بچاؤ اور نزولِ رحمت کا باعث ہے ۱۳۳

مضامین صفحہ

اذان پر قرعہ اندازی ۱۳۳
اذان کے مسائل وآداب ۱۳۳
موذن خوش الحان اور بلند آواز ہونا چاہیے ۱۳۳
اذان کے الفاظ ترتیل وروانی کے ساتھ ادا کرنے چاہئیں ۱۳۳
عورت اذان نہ کہے ۱۳۴
اذان باوضو کہنی چاہیے ۱۳۴
اذان بلند مقام پر کہنی چاہیے ۱۳۴
اذان وقت مقررہ پر کہنی چاہیے ۱۳۴
مؤذن ہی اقامت کہے ۱۳۴
اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں رکھنا ۱۳۵
اذان کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا ۱۳۵
اذان اور اقامت کے درمیان دعا قبول ہوتی ہے ۱۳۵
اذان کے بعد مسجد سے نکلنا نفاق کی علامت ہے ۱۳۵
سفر میں اذان وتکبیر ۱۳۵
وباء اور حوادث کے وقت اذان ۱۳۶
موذن اجرت لینے والا نہ ہو ۱۳۶
اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام ۱۳۶
اذان اور اقامت کے درمیان وقفہ ۱۳۷
اقامت اور نماز کے درمیان وقفہ ۱۳۷
مساجد کا بیان ۱۳۸
مسجد اسلامی تہذیب وثقافت کا محور ہے ۱۳۸

مضامین	صفحہ
مسجد کو سادہ بنانے اور سادہ رکھنے کا حکم	۱۳۹
مسجد بنانے کا اجر وثواب	۱۴۰
اللہ کی پسندیدہ جگہ	۱۴۰
دنیا کی بہترین جگہ	۱۴۱
مسجد کی خبر گیری اور اس سے تعلق ایمان کی نشانی ہے	۱۴۱
مساجد کو آباد کرنا ایمان والوں کا کام ہے	۱۴۲
نور کامل کی بشارت	۱۴۲
مسجد کو جانے والا عرش کے سایہ میں	۱۴۲
مسجد میں آنے والے اللہ کے مہمان ہیں	۱۴۳
مسجد میں جانا ظل الٰہی کے حصول کا سبب ہے	۱۴۳
مسجد کی طرف باوضو چلنے سے درجات کی بلندی اور گناہوں کی معافی	۱۴۴
مسجد کی قربت	۱۴۴
مسجد میں دور سے آنے والے کا درجہ	۱۴۴
مسجد کی طرف جانے والے کا اللہ ضامن ہے	۱۴۶
مسجد کے آداب واحکام	۱۴۷
مسجد کی طرف جاتے وقت کی دعا	۱۴۷
مسجد میں داخلے کی دعا	۱۴۸
تحیۃ المسجد	۱۴۸
سفر سے واپسی پر مسجد کی حاضری	۱۴۹
ان امور کا بیان جن کا کرنا مسجد میں جائز ہے	۱۴۹
مسجدوں میں صفائی اور خوشبو کا حکم	۱۴۹
مسجد میں سونا	۱۴۹
مسجد میں جائز قسم کی بات چیت	۱۵۰
مسجد میں کھانا پینا	۱۵۱
ضرورت کے وقت سوال کرنا	۱۵۱
مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا	۱۵۱
مسجد میں کون سے کام ممنوع ہیں	۱۵۲
گندگی اور بدبو پھیلانا	۱۵۲
گم شدہ چیزوں کی تلاش	۱۵۲
خرید وفروخت	۱۵۳
فضول قسم کے اشعار	۱۵۳
بلند آواز سے بولنا یا قرآن پڑھنا	۱۵۳
حدود نافذ کرنا	۱۵۴
مسجد میں تھوکنا	۱۵۴
جمعہ کے دن حلقہ بنا کر بیٹھنا	۱۵۴
قبرستان اور حمام کو مسجد بنانا منع ہے	۱۵۴
مسجد سے نکلنے کی دعا	۱۵۵
رسول اکرم ﷺ کی نماز	۱۵۵
آنحضرت ﷺ کی نماز کے اہم نکات	۱۵۶
نماز کی تفصیلی کیفیت کا بیان	۱۵۷
استقبال قبلہ	۱۵۷
استقبال قبلہ کے دیگر مسائل وآداب	۱۵۸
سترہ کا بیان	۱۵۸

مضامین	صفحہ
نمازی کے آگے سے گزرنا کبیرہ گناہ ہے	۱۵۹
سترہ سے متعلق دیگر مسائل	۱۵۹
نیت کرنے کا شرعی طریقہ	۱۵۹
تکبیر اولیٰ	۱۶۰
طریقۂ نماز میں مرد وزن برابر ہیں	۱۶۱
رفع الیدین کے لیے ہاتھ کب اٹھائے جائیں	۱۶۲
سینے پر ہاتھ باندھنا	۱۶۲
حدیث وائل ؓ کے متعلق علمائے احناف کی رائے	۱۶۳
نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایات اور ان کی اصلیت	۱۶۴
مطلق ہاتھ باندھنے کی حکمت	۱۶۶
سینے پر ہاتھ رکھنے کی حکمت	۱۶۶
دعائے استفتاح	۱۶۷
تعوذ	۱۶۸
سورۂ فاتحہ	۱۶۸
آمین	۱۶۹
آمین کا ماخذ اور معنی	۱۶۹
سابقہ امتوں میں آمین کا رواج	۱۶۹
قراءت فاتحہ کے بعد آمین	۱۷۰
آمین دعا پر مہر ہے	۱۷۰
آمین سے گناہ معاف ہوتے ہیں	۱۷۱
آمین کہنے والے اللہ کے محبوب ہیں	۱۷۱
یہودی آمین سے چڑتے ہیں	۱۷۱
بلند آواز سے آمین کہنا	۱۷۲
امام اور مقتدی دونوں آمین کہیں	۱۷۲
رسول اکرم ﷺ بلند آواز سے آمین کہتے تھے	۱۷۴
آخری صف میں آمین کی آواز	۱۷۴
آمین کی آواز سے مسجد نبویؐ میں گونج	۱۷۴
آمین کی آواز بیت الحرام میں	۱۷۵
حضرت ابو ہریرہ ؓ کی امام کو ہدایت	۱۷۵
عبد اللہ بن عمر ؓ کی لوگوں کو ترغیب	۱۷۵
حضرت علی ؓ کی شہادت	۱۷۵
علمائے احناف کی شہادت	۱۷۵
امام ابن ہمامؒ	۱۷۶
مولانا عبد الحیؒ کا انصاف	۱۷۶
مولانا سراج احمدؒ	۱۷۶
شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ کا اظہار حق	۱۷۶
امام ابن امیر الحاجؒ	۱۷۷
شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا ارشاد	۱۷۷
بسم اللہ آہستہ اور بلند آواز سے پڑھنا	۱۷۷
بسم اللہ آہستہ پڑھنا افضل ہے	۱۷۹
علمائے اہلِ حدیث	۱۸۴
نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ	۱۸۵
امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں	۱۸۹

مضامین	صفحہ
علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں	۱۸۹
مولانا عبدالرحیم حنفی	۱۸۹
مولانا ابوحفص کبیرؒ	۱۹۰
شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	۱۹۰
شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ	۱۹۰
مولانا عبدالحی لکھنویؒ	۱۹۰
سورۂ فاتحہ کے بعد قراءت قرآن	۱۹۱
نمازوں میں مسنون قراءت	۱۹۲
نمازِ فجر میں قراءت	۱۹۲
جمعہ کے دن نمازِ فجر میں قراءت	۱۹۴
ظہر اور عصر میں قراءت	۱۹۴
نمازِ مغرب میں قراءت	۱۹۵
جمعرات کی نمازِ مغرب میں قراءت	۱۹۶
نمازِ عشاء میں قراءت	۱۹۶
مختلف نمازوں میں آپ کی قراءت	۱۹۷
جمعہ اور عیدین کی نماز میں قراءت	۱۹۸
رات کی نمازوں میں بلند آواز کی قراءت' اور دن کی نمازوں میں پوشیدہ قراءت کی حکمت	۱۹۹
قرآن کی بعض آیات کے جواب دینا	۲۰۰
سورۂ فاتحہ اور قراءت کے اختتام پر سکتہ	۲۰۴
سکتات صرف پہلی رکعت میں ہیں	۲۰۵
رکوع کا بیان	۲۰۶
رکوع وسجود کی فرضیت	۲۰۶
نماز کا چور بدترین چور ہے	۲۰۷
رکوع وسجود اچھی طرح ادا نہ کرنے سے نماز نہیں ہوتی	۲۰۷
رکوع وسجود میں پیٹھ برابر کرنے کی تاکید	۲۰۷
رکوع وسجدہ میں طمانیت ضروری ہے	۲۰۸
رکوع وسجدہ سے درجات کی بلندی اور گناہوں کی معافی	۲۰۸
رکوع کی ہیئت وکیفیت	۲۰۸
رکوع وسجود میں قرآن پڑھنے کی ممانعت	۲۰۹
رکوع کے اذکار	۲۰۹
رکوع کی پہلی دعا	۲۰۹
دوسری دعا	۲۱۰
تیسری دعا	۲۱۰
چوتھی دعا	۲۱۰
پانچویں دعا	۲۱۱
چھٹی دعا	۲۱۱
رفع الیدین کا بیان	۲۱۲
نماز کی حقیقت	۲۱۲
رفع الیدین کی مناسبت تکبیر سے	۲۱۲
رفع الیدین نماز کی زیب وزینت ہے	۲۱۳
رفع الیدین سے نماز کی تکمیل	۲۱۴
رفع الیدین کا اجر وثواب	۲۱۴
رفع الیدین کی کیفیت اور طریقہ	۲۱۴
ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں	۲۱۵

مضامین	صفحہ
کن جگہوں پر رفع الیدین سنت ہے	۲۱۵
اس کا ثبوت سنت سے	۲۱۵
رفع الیدین پر اکابر صحابہ ؓ کا اتفاق	۲۱۹
رفع الیدین کرنے والے تابعین کرام	۲۲۰
امام شافعیؒ کا فرمان	۲۲۰
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا تارک رفع الیدین کی ملاقات سے انکار	۲۲۱
تارک رفع الیدین کو سزا	۲۲۱
شیخ محی الدین ابن عربی کا ارشاد	۲۲۲
امام زہریؒ وحسن بصریؒ کا فرمان	۲۲۲
تارکین رفع الیدین علماء سے بعض صحابہ کی عورتیں زیادہ عالم ہیں	۲۲۲
شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا فرمان	۲۲۳
علامہ مجدالدین فیروز آبادیؒ کا فرمان	۲۲۳
شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ارشاد	۲۲۴
علماء احناف اور مسئلہ رفع الیدین	۲۲۴
عصام بن یوسفؒ	۲۲۵
ابو جعفر احمد بن اسحاقؒ	۲۲۵
مولانا عبدالحیؒ	۲۲۶
علامہ سندھیؒ	۲۲۶
قاضی ثناء اللہؒ	۲۲۷
مولانا انور شاہؒ	۲۲۸
مولانا رشید احمد گنگوہی	۲۲۹
احادیث رفع الیدین متواتر ہیں	۲۲۹

مضامین	صفحہ
قومہ	۲۳۱
قومہ کی دعائیں	۲۳۲
رکوع کے بعد سینے پر ہاتھ باندھنا	۲۳۴
سجدہ کی فضیلت	۲۳۶
سجدے سے شیطان روتا ہے	۲۳۸
سجدے سے درجات میں بلندی اور گناہوں سے معافی	۲۳۸
سجدے کی حالت اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے	۲۳۸
سجدہ کی دعائیں	۲۳۹
سجدہ میں جانے اور سجدہ سے اٹھنے کی ہیئت	۲۴۰
سجدہ کے آداب	۲۴۱
بازوؤں کا پہلوؤں سے دور رکھنا اور کہنیوں کا اٹھانا	۲۴۱
ہاتھوں کی انگلیوں کا آپس میں ملانا	۲۴۱
ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ رخ رکھنا	۲۴۱
پیٹ کا رانوں سے دور رکھنا	۲۴۲
دونوں ہاتھوں کا کندھوں یا کانوں کے برابر رکھنا	۲۴۲
سجدہ کے اعضاء	۲۴۲
سجدہ میں ناک کو زمین پر لگانا	۲۴۳
جلسہ اور اس کی مسنون دعائیں	۲۴۳
دوسرا سجدہ	۲۴۴
جلسہ استراحت	۲۴۴

مضامین صفحہ

اٹھنے کی کیفیت ۲۴۵
اقعاء الکلب کی تشریح ۲۴۵
دوسری رکعت ۲۴۶
تعوذ پڑھنا ۲۴۷
تشہد ۲۴۷
تشہد کی تعلیم کا اہتمام ۲۴۸
تشہد میں انگشت شہادت کا اٹھانا ۲۴۹
پہلے تشہد میں درود شریف پڑھنا ۲۵۰
آخری تشہد ۲۵۲
درود ۲۵۳
آخری تشہد کی دعائیں ۲۵۴
یدالاستغفار ۲۵۷
سجدۂ سہو کا بیان ۲۵۹
سجدۂ سہو کا وقت ۲۶۰
سجدۂ سہو شیطان کیلئے رسوائی کا باعث ہے ۲۶۰
سجدۂ سہو کا طریقہ ۲۶۰
سجدۂ سہو کی مختلف صورتیں ۲۶۱
سجدۂ سہو کے دیگر آداب و مسائل ۲۶۲
سلام پر نماز کا اختتام ۲۶۲
سلام پھیرنے کا طریقہ ۲۶۳
دوطرف سلام پھیرنا ۲۶۳
سلام کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کرنا ۲۶۴
امام کس طرف سے پھر کر بیٹھے ۲۶۴
سلام کے بعد اذکار مسنونہ کا بیان ۲۶۵

مضامین صفحہ

آیت الکرسی ۲۶۸
نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے ۲۷۱
ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ۲۷۲
امام اور مقتدیوں کا اجتماعی رنگ میں دعا کرنا ۲۷۲
نماز باجماعت کا بیان ۲۷۳
جماعت کی تاکید و فضیلت ۲۷۳
نماز باجماعت کی غیر معمولی اہمیت ۲۷۳
ترکِ جماعت گمراہی اور منافقت ہے ۲۷۴
تارکِ جماعت لوگوں کے گھروں کو جلانے کا ارادہ ۲۷۵
تارکِ جماعت پر شیطان کا غلبہ و تسلط ۲۷۶
بغیر عذر کے تارکِ جماعت کی نماز نہیں ۲۷۶
مرض الموت میں آنحضرت ﷺ کا نماز باجماعت کا اہتمام ۲۷۷
دربار رسالت سے نابینے کو ترک جماعت کی ممانعت ۲۷۸
باجماعت نماز سے درجوں میں اضافہ ۲۷۸
نماز باجماعت سے تہجد کا ثواب ۲۷۹
دوزخ اور نفاق سے نجات کے دو پروانے ۲۷۹
جماعت کی نیت پر جماعت کا پورا ثواب ۲۷۹
مسجد اور جماعت کی پابندی کس وقت ضروری نہیں ۲۸۰
عورت کا مسجد میں جانا ۲۸۰

مضامین	صفحہ
صف بندی کے مسائل کا بیان	۲۸۱
صفیں درست رکھو ورنہ دلوں میں کدورت	۲۸۱
پیدا ہوگی	۲۸۲
صف درست نہ رکھنے والے کو کوڑوں کی سزا	۲۸۲
رسول اللہ ﷺ صفوں کی درستی کا خیال رکھتے تھے	۲۸۲
صفوں میں مل کر کھڑے ہونے کا حکم	۲۸۳
متفرق صف میں شیطان کا داخلہ	۲۸۳
صف میں خالی جگہ رکھنے والے پر رسول اللہ ﷺ کی بددعا	۲۸۳
صف میں صحابہ کرام کے کھڑے ہونے کا طریقہ	۲۸۴
صف میں خالی جگہ پر کرنے پر ثواب	۲۸۴
صفوں کی ترتیب	۲۸۴
عقلمند اور علم والے امام کے قریب کھڑے ہوں	۲۸۵
پہلے اگلی صفیں مکمل کی جائیں	۲۸۶
صف اول کی فضیلت کا بیان	۲۸۶
پہلی صف میں کھڑے ہونے والوں کے	۲۸۷
لیے فرشتوں کی دعائے رحمت	۲۸۷
پہلی صف فرشتوں کی صف ہے	۲۸۷
پہلی صف کے لیے قرعہ اندازی	۲۸۷
پہلی صف میں کھڑے ہونے والے پہلے جنت میں داخل ہوں گے	۲۸۷
عمداً پہلی صف سے کترانے والوں کا دوزخ میں داخلہ	۲۸۷
صف کے دائیں طرف کھڑے ہونے کی فضیلت	۲۸۸
صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنا	۲۸۸
امام کو درمیان میں کھڑا ہونا چاہیے	۲۸۸
اکیلا مقتدی امام کے دائیں جانب کھڑا ہو	۲۸۹
امام نظر نہ آئے تو بھی اس کی اقتداء جائز ہے	۲۸۹
امامت کا بیان	۲۹۰
امام کا انتخاب	۲۹۰
امامت کی ترتیب	۲۹۰
عورت کی امامت	۲۹۱
مردوں کی امامت صرف عورتوں کے لیے	۲۹۱
امام سے ناراضگی	۲۹۲
جبراً امام بن جانا	۲۹۲
امام کو مقتدیوں کا خیال رکھنا	۲۹۳
مقتدیوں کا لحاظ نہ رکھنے پر آپ ﷺ کی ناراضگی	۲۹۳
سنت کے مطابق نماز نہ پڑھنے والے أئمہ کو وعید	۲۹۴
مقتدیوں کے احکام کا بیان	۲۹۵
مقتدی کے مختلف حالات	۲۹۵

مضامین صفحہ

مقتدیوں کو خاص ہدایت ۲۹۵
امام سے سبقت کرنے کی سزا ۲۹۶
امام کی اقتداء ضروری ہے ۲۹۶
مقتدیوں کے لیے امام کی اقتداء کا طریقہ ۲۹۷
رکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوتی ۲۹۷
پانچ نمازیں اور ان کی رکعات کا بیان ۲۹۸
سنت رکعات کی تعداد اور فضائل ۲۹۸
فجر کی سنتوں کی فضیلت واہمیت ۲۹۹
صبح کی سنتیں اگر رہ جائیں تو کب پڑھے ۳۰۰
صبح کی سنتوں کے بعد دائیں جانب لیٹنا ۳۰۰
صبح کی سنتوں کے بعد کی دعا ۳۰۱
فجر کی سنتوں میں آپ ﷺ کی قراءت ۳۰۱
ظہر سے پہلے چار رکعت سنت کی فضیلت واہمیت ۳۰۱
عصر سے پہلے چار رکعت کی ترغیب ۳۰۲
مغرب کے بعد کثرت نوافل ۳۰۲
مغرب سے پہلے دو نفل ۳۰۳
عشاء کے بعد کی سنتیں ۳۰۳
جمعہ کے بعد کی سنتیں ۳۰۳
سنت ونوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے ۳۰۳
نماز کے فوت ہونے اور اس کی قضا کا بیان ۳۰۴
بھولنے اور سو جانے والوں کی نماز ۳۰۴
کئی ایک نمازیں فوت ہو جائیں تو ان کے پڑھنے کا بیان ۳۰۵
نماز تہجد کا بیان ۳۰۵
نمازِ تہجد ۳۰۶
نمازِ تہجد کی ترغیب احادیث میں ۳۰۷
میاں بیوی کا تہجد کے لیے اٹھنا ۳۰۸
نیند سے اٹھنے کے بعد یہ دعا پڑھیں ۳۰۸
نمازِ تہجد کی رکعات ۳۰۹
نمازِ تہجد پڑھنے کا طریقہ ۳۰۹
نمازِ تہجد کا وقت ۳۰۹
نماز وتر کا بیان ۳۱۰
نماز وتر کی تاکید ۳۱۰
نماز وتر کا وقت ۳۱۰
وتر پڑھنے کا طریقہ ۳۱۱
مسئلہ نقض الوتر ۳۱۲
وتروں کے بعد دو نفل ۳۱۲
بیٹھ کر نماز پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے ۳۱۳
وتروں کی قضا ۳۱۳
وتروں میں قراءت ۳۱۴
دُعائے قنوت ۳۱۴
وتروں کے بعد کی دعا ۳۱۵
رکوع کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھنا ۳۱۶
قنوتِ نازلہ ۳۱۶
پہلی دعا ۳۱۸

مضامین	صفحہ
دوسری دعا	۳۱۹
تیسری دعا	۳۱۹
چوتھی دعا	۳۱۹
نمازِ تراویح	۳۲۰
نماز تراویح گیارہ رکعت ہی سنت ہے	۳۲۰
حضرت عمرؓ کا حکم	۳۲۲
تراویح اور تہجد ایک ہی چیز ہے	۳۲۳
گیارہ رکعت تراویح پر تمام صحابہؓ کا اجماع	۳۲۳
شیخ ابن ہمام حنفیؒ کا فیصلہ	۳۲۴
ملا علی قاری	۳۲۴
نماز چاشت یا اشراق کا بیان	۳۲۵
بدن کی سلامتی کا صدقہ	۳۲۵
نبی اکرم ﷺ کی خصوصی وصیت	۳۲۶
اشراق پڑھنے کا افضل طریقہ	۳۲۶
رکعات کی تعداد	۳۲۷
تحیۃ المسجد	۳۲۷
تحیۃ الوضو	۳۲۸
نوافل سفر	۳۲۸
نمازِ تسبیح	۳۲۸
نمازِ تسبیح پڑھنے کا طریقہ	۳۲۹
نمازِ توبہ	۳۳۰
نمازِ حاجت	۳۳۱
نماز کا طریقہ	۳۳۱
نمازِ استخارہ	۳۳۲
استخارہ کا طریقہ	۳۳۳
نمازِ عیدین کا بیان	۳۳۵
عیدین کے دن مسنون کام	۳۳۵
عیدین کی نماز کا وقت	۳۳۵
تکبیرات عید	۳۳۶
تکبیرات عید کے الفاظ	۳۳۶
نماز عیدین پڑھنے کا طریقہ	۳۳۶
عیدین کی نماز میں قراءت	۳۳۷
نماز عیدین سے پہلے یا بعد کوئی نماز نہیں	۳۳۷
عیدگاہ کی آمد و رفت میں راستہ کی تبدیلی	۳۳۷
قربانی کا وقت	۳۳۷
نمازِ عیدین میں خواتین کی شرکت	۳۳۸
بارش کی وجہ سے عید کی نماز مسجد میں	۳۳۸
سورج اور چاند گرہن کی نماز کا بیان	۳۳۹
نماز کا طریقہ	۳۴۰
نمازِ استسقاء کا بیان	۳۴۱
نمازِ استسقاء پڑھنے کا طریقہ	۳۴۱
نماز استسقاء کی خصوصیت	۳۴۴
نمازِ قصر کا بیان	۳۴۵
سنت اور نفل کا حکم	۳۴۶
سفر کیسا ہونا چاہیے	۳۴۷
سفر میں قصر افضل ہے یا اتمام	۳۴۷
قصر کی مسافت	۳۴۸

مضامین	صفحہ
مدتِ سفر	۳۴۸
سفر میں نمازِ تہجد	۳۵۰
سواری پر نفل پڑھنا	۳۵۰
سفر میں جمع بین الصلوٰتین	۳۵۱
نمازِ جمعہ کا بیان	۳۵۱
نمازِ جمعہ کی فرضیت	۳۵۱
کن لوگوں پر نمازِ جمعہ فرض نہیں	۳۵۲
نمازِ جمعہ سے قیام وصیام کا ثواب	۳۵۲
جمعہ کے دن قبولیت کی ایک خاص گھڑی	۳۵۲
تارکِ جمعہ منافق ہے	۳۵۳
ترکِ جمعہ سے دل پر مہر	۳۵۳
جمعہ چھوڑنے پر گھر جلانے کا ارادہ	۳۵۳
نمازِ جمعہ کے لیے مخصوص لباس	۳۵۴
دیہات میں جمعہ	۳۵۵
نمازِ جمعہ کا وقت	۳۵۶
جمعہ کے لیے حاضرین کی تعداد	۳۵۶
جمعہ کی اذان	۳۵۷
نماز جمعہ کے لیے اول وقت جانے پر قربانی کا ثواب	۳۵۷
مسجد میں پہنچ کر کسی کو تکلیف نہ دینا	۳۵۸
دوران خطبہ بولنا منع ہے	۳۵۸
جمعہ میں گوٹھ مار کر بیٹھنا منع ہے	۳۵۹
دورانِ خطبہ دو رکعت کا ثبوت	۳۵۹
جمعہ پڑھنے کا طریقہ	۳۶۰
خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہیے	۳۶۰
خطبہ جمعہ مختصر اور جامع ہونا چاہیے	۳۶۰
جمعہ اور عیدین کا اجتماع	۳۶۱
بارش کے دِن نماز جمعہ	۳۶۱
کتنی رکعات سے جمعہ مل جاتا ہے	۳۶۲
بیماری، موت اور نماز جنازہ کا بیان	۳۶۲
لمبی عمر کی فضیلت	۳۶۳
بیماری مومن کے لیے رحمت اور گناہوں کا کفارہ ہے	۳۶۴
بیماری سے درجات بلند ہوتے ہیں	۳۶۴
روزِ قیامت تندرست لوگوں کی خواہش	۳۶۵
بیماری میں زمانہ تندرستی کے اعمال کا پورا ثواب	۳۶۵
مریض کی عیادت اور تسلی وہمدردی کا بیان	۳۶۶
باغِ بہشت کی سیر	۳۶۶
جنت میں گھر	۳۶۷
مریض کو تسلی دینی چاہیے	۳۶۷
عیادت کی دعاؤں کا بیان	۳۶۷
بیمار اپنی بیماری کی حالت میں کیا دعا پڑھے	۳۷۰
موت کی دعا وتمنا منع ہے	۳۷۰
ان کاموں کا بیان جو جانکنی کے وقت کرنے چاہئیں	۳۷۱
کلمۂ توحید کی تلقین	۳۷۱
سورۂ یٰسین کی تلاوت	۳۷۲

مضامین	صفحہ
جان کنی کے وقت دعا	۳۷۳
موت کے بعد آنکھوں کا بند کرنا اور دعا	۳۷۳
میت کو قبلہ رخ لٹانا	۳۷۴
میت کو چادر سے ڈھانپ دینا	۳۷۵
میت کا بوسہ لینے کی رخصت	۳۷۵
میت کے لیے مغفرت کی دعا اور انا للہ کا تکرار	۳۷۵
میت کے رشتہ داروں اور جاننے والوں کو اطلاع	۳۷۶
میت کے قرض کی ادائیگی	۳۷۷
میت پر رونا پیٹنا منع ہے	۳۷۷
عورت کا اپنے خاوند اور دوسرے رشتہ داروں کی موت پر سوگ	۳۷۸
میت کو اچھے الفاظ سے یاد کرنا اور برائیوں کے ذکر سے اجتناب	۳۷۸
میت کی تجہیز وتکفین میں جلدی کرنی چاہیے	۳۷۹
غسلِ میت کا بیان	۳۸۰
میت کے غسل دینے کا مسنون طریقہ	۳۸۰
مردوں کے کفن مسنون کا بیان	۳۸۲
مردوں کو کفنانے کا طریقہ	۳۸۲
عورتوں کے کفن مسنون کا بیان	۳۸۳
عورتوں کے کفنانے کا طریقہ	۳۸۳
نمازِ جنازہ کا بیان	۳۸۴
نمازِ جنازہ میں میت کے لیے خلوص کے ساتھ دعا کرنے کا حکم	۳۸۴
نمازِ جنازہ میں کثرت تعداد سے بخشش کی امید	۳۸۴
نمازِ جنازہ پڑھنے کا مسنون طریقہ	۳۸۵
نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ	۳۸۵
نمازِ جنازہ کی دعائیں	۳۸۶
نمازِ جنازہ کی پہلی دعا	۳۸۶
نمازِ جنازہ کی دوسری دعا	۳۸۷
نمازِ جنازہ کی تیسری دعا	۳۸۸
نمازِ جنازہ کی چوتھی دعا	۳۸۸
نمازِ جنازہ کی پانچویں دعا	۳۸۹
نابالغ بچے کی دعائے جنازہ	۳۹۰
نمازِ جنازہ کے بعد دعا	۳۹۰
میت کو دفن کرنے کا بیان	۳۹۱
مردے کو قبر میں کتنے آدمی داخل کریں	۳۹۱
میت کو دفن کرنے کا وقت	۳۹۱
میت کو قبر میں کس طرف سے اتارنا چاہیے	۳۹۲
میت کو قبر میں رکھنے کا طریقہ	۳۹۲
میت کو قبر میں اتارنے اور رکھنے کے وقت دعا	۳۹۲
میت کے کفن کی گرہیں کھولنا	۳۹۲
لحد کو بند کرنے کے لیے کچی اینٹوں کا استعمال	۳۹۳
قبر میں مٹی ڈالنا	۳۹۳

مضامین	صفحہ
قبر کی بلندی اور شکل	۳۹۳
قبر پر پانی کا چھڑکاؤ	۳۹۳
قبر پر نشان رکھنا	۳۹۳
دفن کے بعد میت کے لیے دعا	۳۹۴
قبر کو پختہ بنانے کی ممانعت	۳۹۴
زیارتِ قبور کا بیان	۳۹۴
زیارتِ قبور کی پہلی دعا	۳۹۵
زیارتِ قبور کی دوسری دعا	۳۹۵
زیارتِ قبور کی تیسری دعا	۳۹۶
زیارتِ قبور کی چوتھی دعا	۳۹۶
شہید کی نمازِ جنازہ	۳۹۷
حد میں مارے جانے والے کی نمازِ جنازہ	۳۹۷
دعا کے آداب وشرائط	۳۹۷
آدابِ دعا	۳۹۸
خاص اوقات کی دعاؤں کا بیان	**۳۹۹**
کھانا شروع کرنے کی دعا	۳۹۹
کھانے سے فارغ ہونے کی دعا	۴۰۰
نیا چاند دیکھنے کی دعا	۴۰۰
صحبت کے وقت کی دعا	۴۰۱
شب زفاف کی دعا	۴۰۱
سجدۂ تلاوت کی دعا	۴۰۱
روزہ افطار کرنے کی دعا	۴۰۱
چھینک آنے کے وقت کی دعا	۴۰۲
بادل اور بجلی چمکنے کے وقت کی دعا	۴۰۳
آندھی کے وقت کی دعا	۴۰۳
آئینہ دیکھنے کے وقت کی دعا	۴۰۳
نیا کپڑا پہننے کے وقت کی دعا	۴۰۴
سونے کے وقت کی دعا	۴۰۴
سو کر اٹھتے وقت کی دعا	۴۰۴
نیند نہ آنے کی شکایت کی دعا	۴۰۵
نیند میں ڈر جانے کی دعا	۴۰۵
بازار میں داخل ہونے کی دعا	۴۰۵
دنیا وآخرت کی بہتری کے لیے دعا	۴۰۶
ادائیگی قرض کی دعا	۴۰۶
کشائش رزق کی دعا	۴۰۷
کشائش رزق کی دوسری دعا	۴۰۷
بے چینی اور بے قراری کے وقت کی دعا	۴۰۷
مصائب ومشکلات کے وقت کی دعا	۴۰۸
مصائب ومشکلات کے وقت کی دوسری دعا	۴۰۸
تھکاوٹ دور کرنے کی دعا	۴۰۸

منصبِ رسالت پر سرفراز ہونے کے بعد رسالت اور فریضۂ تبلیغ کی انجام دہی پر متوجہ کرنے کے لیے نبی ﷺ پر سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی اس میں درسِ توحید کے بعد اولین ہدایت یہ ہے کہ طہارت کا کامل اہتمام کیجئے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ④﴾ (المدثر)

''اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھا کر۔''

ثیاب، ثوب کی جمع ہے۔ جس کے معنی لباس کے ہیں۔ مگر یہاں ثیاب سے مراد محض کپڑے ہی نہیں ہیں، بلکہ جسم، لباس، روح غرض پوری شخصیت مراد ہے۔ عربی میں ''طاہر الثوب'' اس شخص کو کہتے ہیں جو ہر طرح کے عیوب اور گندگیوں سے پاک ہو، قرآن کی ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے لباس، جسم اور قلب وروح کو ہر طرح کی گندگیوں سے پاک وصاف رکھو، قلب وروح کی گندگیوں سے مراد تو کفر وشرک کے باطل عقائد وخیالات اور اخلاقی معائب ہیں اور جسم ولباس کی گندگیوں سے مراد وہ محسوس نجاستیں ہیں جن سے ہر طبع سلیم کراہت کرتی ہے اور جن کا نجس ہونا محسوس ہے یا جن پر شریعت نے نجس ہونے کا حکم لگایا ہے۔

طہارت ونظافت کا اہتمام کرنیوالے اللہ کے محبوب ہیں:

طہارت کی اہمیت کے پیشِ نظر قرآن نے جگہ جگہ اس کی ترغیب دی ہے اور دو مقامات پر تو اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کو اپنا محبوب قرار دیا ہے، جو طہارت ونظافت کا پورا پورا اہتمام کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾﴾ (البقرۃ)

”یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک وصاف رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔“

دوسری جگہ پر قبا میں بسنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کرتے ہوئے قرآن کریم نے ان کے اس وصف کو خاص اہمیت کے ساتھ ذکر کیا ہے:

﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۱۰۸﴾ (التوبة)

”اس میں ایسے لوگ ہیں جو بڑے پاکیزگی پسند ہیں اور اللہ ایسے بندوں سے محبت رکھتے ہیں جو خوب پاک وصاف رہتے ہیں۔“

طہارت آدھا ایمان ہے:

رسول پاک ﷺ خود تو طہارت ونظافت کی بے نظیر مثال تھے ہی۔ امت کو بھی آپ ﷺ نے طہارت کی انتہائی تاکید فرمائی اور طرح طرح سے اس کی اہمیت واضح فرما کر پاک وصاف رہنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

”اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ“. (مسلم: ج۱، ص۱۱۸)

”طہارت آدھا ایمان ہے۔“

جسمانی طہارت سے باطن کی صفائی: ظاہر کی پاکی اور باطن کی پاکیزگی کا آپس میں بہت گہرا ربط ہے۔ جو شخص شریعت کے مطابق ہمیشہ اپنے جسم کو پاک رکھتا ہے۔ ایک عرصہ کے بعد اس کا باطن بھی پاک وصاف اور منور ہو جاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

”طهروا هذه الأجساد طهركم الله“. (مجمع الزوائد ج۱، ص۲۲۶)

”اپنے جسموں کو پاک وصاف رکھا کرو، اللہ تعالیٰ (تمہارے باطن کو بھی) صاف کر دے گا۔“

الغرض قرآن وسنت میں وضاحت کے ساتھ پاک ہونے کے طریقے بتائے گئے ہیں اور رسول پاک ﷺ نے خود عمل کر کے سمجھانے اور ذہن نشین

کرانے کا حق ادا کر دیا ہے۔ پس ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ ان احکام کو جانے‘ اور یاد کرے اور ان کے مطابق اپنے ظاہر و باطن کو پاک کرے۔

پانی کے اَحکام

مطلق پانی سب کے نزدیک پاک ہے۔ اس سے مراد عام پانی ہے خواہ وہ زمین سے نکلے یا آسمان سے برسے۔ مختلف صورتوں کے لحاظ سے پانی کی پانچ قسمیں ہو سکتی ہیں۔ پاک یا ناپاک ہونے کے لحاظ سے ہم اس کا حکم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

سمندر اور دریا کا پانی:

اس پانی کا حکم بھی مطلق پانی ہی کا ہے‘ اس لیے یہ پاک ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا۔ اے اللہ کے رسول! ہم لوگ سمندر کا سفر کرتے ہیں۔ ہمارے پاس تھوڑا سا پانی ہوتا ہے۔ جسے اگر ہم وضو کے لیے استعمال کر لیں تو پیاسے رہ جائیں۔ کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ فرمایا: ”وہ پاک ہے اور اس کا مُردہ (مچھلی) حلال ہے۔“

(ابوداود: ص ۱۱‘ ترمذی ج ۱‘ ص ۱۱)

وہ پانی جس میں کوئی پاک چیز (جیسے آٹا‘ صابن) مل جائے:

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک ایسے برتن سے غسل کیا جس میں گوندھے ہوئے آٹے کا اثر تھا۔
(نسائی ج ۱‘ ص ۳۰)

وہ پانی جس میں کوئی نجاست گر جائے:

اس پانی کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ نجاست سے اس کے رنگ، بو یا مزے میں سے کوئی چیز بدل جائے، اس صورت میں اس کے ناپاک ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ (بدایۃ المجتہد: ج۱، ص۱۸، نیل الاوطار: ج۱، ص۲۶)

دوسرے یہ کہ نجاست سے اس کے رنگ، بو یا مزے میں سے کوئی چیز تبدیل نہ ہو۔ اس صورت میں اگر پانی کم ہے تو ناپاک ہے، اور اگر زیادہ ہے تو پاک ہے کم پانی وہ ہے جو دو بڑے مٹکوں (اڑھائی مشک) سے کم ہو، اور زیادہ وہ ہے جو دو بڑے مٹکے یا ان سے زیادہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''پانی ہجر (عرب کی ایک جگہ جس کے مٹکے مشہور تھے) کے دو مٹکے ہوں تو وہ نجاست نہیں اٹھاتا۔ (ترمذی: ج۱، ص۱۱، نسائی: ج۱، ص۳۹)

مستعمل پانی:

مستعمل سے مراد وہ پانی ہے، جو ایک مرتبہ وضو یا غسل میں استعمال ہو چکا ہو۔ یہ پانی طاہر ہے، مطہر نہیں، یعنی اسے برتن اور کپڑے وغیرہ دھونے میں استعمال کیا جا سکتا ہے، وضو اور غسل کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ حنفی، شافعی، حنبلی اور اہلحدیث علماء کا یہی مسلک ہے۔

جوٹھا پانی:

انسان کا جوٹھا پانی: یہ پاک ہے، خواہ انسان مسلمان ہو یا کافر، جنبی اور حائضہ کا بچا ہوا پانی بھی پاک ہے۔ قرآن کی آیت ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾ ''مشرک ناپاک ہیں۔'' میں ان کے عقیدے اور عمل کی نجاست بیان کی گئی ہے، بدن کی نجاست بیان نہیں کی گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حیض کی حالت میں ہوتی تھی۔ پانی

پی کر نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کرتی، تو آپ برتن کو اسی جگہ منہ لگا کر پانی پیتے جہاں میں نے منہ لگا کر پانی پیا ہوتا۔ (صحیح مسلم: ج۱، ص۱۴۳)

حلال جانور کا جوٹھا پانی: اس کے پاک ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ کیونکہ جس جانور کا گوشت کھانا جائز ہے اس کا لعاب بھی پاک ہے۔ (المغنی: ج۱، ص۴۴)

خچر، گدھے، جنگلی جانوروں اور شکاری پرندوں کا جوٹھا پانی:

یہ پانی بھی پاک ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا، کیا ہم گدھوں کے بچے ہوئے پانی سے وضو کر لیں؟ فرمایا: ہاں، اور تمام جنگلی جانوروں کے بچے ہوئے پانی سے بھی۔ (دار قطنی: ج۱، ص۶۲، بیہقی: ج۱، ص۲۴۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> نبی اکرم ﷺ ایک سفر میں جا رہے تھے، تو راستے میں ایک آدمی کو ایک بڑے حوض پر بیٹھے پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت کیا: ”کیا رات کے وقت جنگلی جانوروں نے تمہارے حوض میں منہ ڈالا ہے؟“ نبی ﷺ نے اس شخص سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ”اے حوض والے! یہ (یعنی عمر رضی اللہ عنہ) بلاوجہ تکلف کر رہے ہیں۔ ان کے سوال کا جواب نہ دو۔ جنگلی جانور اپنے پیٹوں میں جو پانی لے گئے وہ ان کا تھا اور جو بچ گیا وہ ہمارا ہے۔ پینے کا پانی ہے اور پاک ہے۔“ (بخاری، دار قطنی: ج۱، ص۲۶)

رسول اللہ ﷺ نے حوض والے کو یہ بتانے سے کہ اس پر جنگلی جانور آئے ہیں کہ نہیں، اس لیے منع فرمایا کہ اس کا بتانا اور نہ بتانا برابر تھا۔ کیونکہ وہ پانی بہر حال پاک تھا۔ خواہ اس پر جنگلی جانور آئے ہوں یا نہ آئے ہوں۔

بلی کا جوٹھا پانی: یہ بھی پاک ہے۔ حضرت کبشہ بنت کعب رضی اللہ عنہا جو

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں' سے روایت ہے کہ ایک دن ابوقتادہ رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں وضو کے لیے برتن میں پانی دیا۔ اتنے میں ایک بلی آ گئی اور برتن میں سے پانی پینے لگی۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے برتن ٹیڑھا کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے پانی پی لیا۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ میں ان کی طرف تعجب سے دیکھ رہی ہوں تو بولے: ''کیا تمہیں تعجب ہو رہا ہے؟ میں نے جواب دیا' جی ہاں! کہنے لگے نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''بلی ناپاک نہیں ہے۔ یہ ان خادم مردوں اور عورتوں میں سے ہے جو ہر وقت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔''

(ابوداود: ج۱' ص۱۰' ترمذی: ج۱' ص۱۴' نسائی: ج۱' ص۱۲' ابن ماجہ: ج۱' ص۳۰)

کتے کا جوٹھا پانی: یہ ناپاک ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

> ''جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے' تو اسے سات مرتبہ دھوئے' پہلی مرتبہ مٹی سے (اور باقی چھ بار پانی سے)۔'' (بخاری: ج۱' ص۲۹' مسلم: ج۱' ص۱۳۷)

قضائے حاجت کے آداب

ایک یہودی نے رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ واہ تمہارے نبی بھی کیسے ہیں' وہ تم کو ہر ایک بات سکھاتے ہیں یہاں تک کہ پاخانہ کرنا بھی۔ یہودی نے کہی تو یہ بات طنزاً تھی لیکن اس صحابیؓ نے اس کا کچھ خیال نہ کیا اور بڑے فخر سے کہا کہ بیشک ہمارے نبی ایسے ہی ہیں کہ سب کچھ ہمیں سکھاتے ہیں اور یہ بات ہمارے لیے بڑے فخر کا باعث ہے۔ (ابوداود: ج۱' ص۳)

حقیقت بھی یہی ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں جزئیات تک کی تعلیم

دی ہے اور ہر چیز کی وضاحت کر دی ہے۔ اب ہم ذیل میں ان آداب کا ذکر کرتے ہیں جن کا سیکھنا اور عمل میں لانا مسلمان پر بحیثیت مسلمان ہونے کے نہیں، بلکہ ہر انسان پر بلحاظ انسان ہونے کے ازبس ضروری ہے۔

مناسب جگہ کا انتخاب اور پردے کا اہتمام:

رفع حاجت کے لیے ایسی جگہ تلاش کرنی چاہئے، جہاں بیٹھ کر انسان نظر نہ آئے۔ گھر میں بیت الخلاء باپردہ ہونا چاہئے۔ اور اگر کھلے میدان میں ہو تو اسے چاہئے کہ دور نکل جائے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

> نبی اکرم ﷺ رفع حاجت کے لیے دور تشریف لے جاتے، یہاں تک کہ کوئی شخص آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکتا۔ (ابوداود: ج ۱، ص ۲)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ نے پیشاب کا ارادہ فرمایا، تو دیوار کی بنیاد کے پاس ایک نرم جگہ دیکھی اور پیشاب کیا، پھر فرمایا: ”جب کوئی تم میں سے پیشاب کرنا چاہے تو ایسی ہی جگہ تلاش کرے۔“ (ابوداود: ج ۱، ص ۲)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قضائے حاجت کے لیے پردہ کی تلاش کرنی چاہئے۔ نہ ہو تو کسی ٹیلہ کی اوٹ میں چلا جائے۔ اگر وہ بھی نہ ہو تو ویسے ہی اتنی مٹی کی ڈھیری لگا لے کہ اس سے کچھ اوٹ ہو جائے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن پیشاب سے پرہیز کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں وہ اسی مفہوم کا فائدہ دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نام کی عزت کرنا:

رفع حاجت کے وقت اپنے پاس کوئی ایسی چیز نہیں چاہئے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ

میں ایک انگوٹھی ہوتی تھی جس پر "محمد رسول اللہ" کندہ تھا۔ جب آپ بیت الخلاء جاتے، تو اسے اتار دیتے۔ (ترمذی: ج۱، ص۳۰۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن چیزوں میں اللہ تعالیٰ یا اس کے پیغمبروں کے نام ہوں یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کلام ہو، ان کو گندی اور ناپاک جگہوں میں نہیں لے جانا چاہیے۔

بیت الخلاء میں ذکر الٰہی اور گفتگو سے اجتناب:

بیت الخلاء میں اللہ تعالیٰ کا ذکر یا اور کسی قسم کی بات چیت نہیں کرنی چاہیے۔ اگر کوئی سلام کہے تو اس کا جواب بھی نہیں دینا چاہیے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

> "اگر دو آدمی قضائے حاجت کے لیے نکلیں، وہ جب ننگے ہوں تو آپس میں باتیں نہ کریں، اللہ تعالیٰ اس حرکت سے ناراض ہوتے ہیں۔" (صحیح ابن خزیمہ: ج۱، ص۳۹، صحیح ابن حبان: ج۴، ص۲۷۰)

اس حدیث سے شرمگاہ کا ڈھانپنا واجب ثابت ہوتا ہے اور اسی حال میں ترک کلام بھی واجب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ پیشاب کر رہے تھے۔ ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس سے گزرا اور آپ ﷺ کو سلام کیا، لیکن آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

(ابوداود: ج۱، ص۴، نسائی: ج۱، ص۸)

قضائے حاجت کے وقت منہ کس طرف کرنا چاہیے:

رفع حاجت کے لیے انسان کو نہ قبلہ کی طرف رخ کرنا چاہیے اور نہ پیٹھ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

> "تم میں سے جب کوئی شخص رفع حاجت کے لیے بیٹھے تو وہ قبلہ کی طرف رخ کرے اور نہ پیٹھ۔" (مسلم: ج۱، ص۱۳۱)

ناگزیر حوائج میں بھی حیا سے کام لینا چاہیے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> رسول اکرم ﷺ جب قضائے حاجت کے لیے جاتے' تو جب تک زمین کے قریب نہ جاتے کپڑا نہ اٹھاتے۔

(ترمذی: ج۱' ص۴' ابوداود: ج۱' ص۳)

رسول اللہ ﷺ کی طبیعت میں حیا اور شرم بہت غالب تھی اور انبیاء علیہم السلام میں حیا بہت زیادہ غالب ہوتی ہے۔ اس لیے آپ زمین سے قریب ہو کر پردہ اٹھاتے اور یہی حکم آپ ﷺ نے اپنی امت کو بھی دیا ہے۔ بعض لوگ دور ہی سے تہ بند اٹھا لیتے ہیں یہ سخت بے حیائی کا کام ہے' مومن کا کام ان بے حیائیوں سے بچنا ہے۔

بل میں پیشاب کرنے کی ممانعت:

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''تم میں سے کوئی ہرگز کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔'' (ابوداود: ج۱' ص۵' نسائی: ج۱' ص۷)

جنگل میں اور اسی طرح گھروں میں جو سوراخ ہوتے ہیں وہ عموماً حشرات الارض کے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی گنوار آدمی یا نادان بچہ کسی سوراخ میں پیشاب کر دے تو ایک تو اس میں رہنے والے حشرات الارض کو بے ضرورت اور بے فائدہ تکلیف ہوگی۔ دوسرے یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ سوراخ سانپ' بچھو' جیسی کسی زہریلی چیز کا ہو اور وہ اچانک نکل کر کاٹ لے۔ ایسے واقعات بکثرت نقل بھی کئے گئے ہیں۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ نے (جو امت کے ہر طبقہ کے لیے اصل مربی اور معلم ہیں) سوراخ میں پیشاب کرنے سے ان ہی وجوہ سے بتاکید منع فرمایا ہے۔

غسل خانہ میں پیشاب کی ممانعت:

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ:

> ''تم میں سے کوئی ہرگز ایسا نہ کرے کہ اپنے غسل خانہ میں پہلے پیشاب کرے، پھر اس میں غسل یا وضو کرے۔ کیونکہ اکثر وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ (ابوداود: ج۱، ص۵)

مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنا بہت ہی غلط اور بڑی بدتمیزی کی بات ہے کہ آدمی اپنے غسل کرنے کی جگہ میں پیشاب کرے اور پھر وہیں غسل یا وضو کرے۔ ایسا کرنے کا ایک برا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے پیشاب کی چھینٹوں کے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔

اس آخری جملہ سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق اسی صورت میں ہے جب غسل خانہ میں پہلے پیشاب کرنے کے بعد غسل یا وضو کرنے سے ناپاک جگہ کی چھینٹوں کے اپنے اوپر پڑنے کا اندیشہ ہو۔ ورنہ اگر غسل خانہ کی بناوٹ ایسی ہو کہ اس میں پیشاب کے لیے الگ جگہ بنی ہوئی ہے یا اس کا فرش ایسا بنایا گیا ہے کہ پیشاب کرنے کے بعد پانی بہا دینے سے اس کی پوری صفائی اور طہارت ہو جاتی ہے، تو پھر اس کا حکم یہ نہیں ہے۔

لعنت کا سبب بننے والی باتیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

> ''لعنت کا سبب بننے والی دو باتوں سے بچو۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضرت وہ باتیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''ایک یہ آدمی لوگوں کے راستہ میں قضائے حاجت کرے اور دوسرے یہ کہ ان کے سایہ کی جگہ میں ایسا کرے۔'' (مسلم: ج۱، ص۱۳۲)

مطلب یہ ہے کہ لوگ جس راستہ پر چلتے ہوں۔ یا وہ سایہ جس میں آرام کرنے کے لیے بیٹھتے ہوں۔ اگر کوئی گنوار آدمی وہاں قضائے حاجت کرے گا تو لوگوں کو اس سے اذیت اور تکلیف پہنچے گی اور وہ اس کو برا بھلا کہیں گے اور لعنت کریں گے۔ لہٰذا ایسی باتوں سے بچنا چاہیے۔

سنن ابوداود میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بھی اس مضمون کی ایک حدیث مروی ہے، اس میں راستے اور سائے کے علاوہ ایک تیسری جگہ موارد کا بھی ذکر ہے جس سے مراد وہ مقامات ہیں جہاں پانی کا کوئی انتظام ہو اور اس کی وجہ سے لوگ وہاں آتے جاتے ہوں۔ اصل مقصد حضور ﷺ کی ہدایت کا بس یہ ہے کہ اگر گھر کے علاوہ جنگل وغیرہ میں ضرورت پیش آ جائے، تو ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے، جہاں لوگوں کی آمد و رفت نہ ہو اور ان کے لیے باعث تکلیف نہ بنے۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ممانعت:

کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے بدن پر چھینٹوں کے پڑنے کا اندیشہ ہے، لیکن جہاں مجبوری ہو اور چھینٹوں کے پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔ وہاں ضرورت کی بنا پر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

> جو شخص تمہیں یہ بتائے کہ نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا، اس کی بات نہ مانو، آپ ﷺ صرف بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے۔
>
> (ترمذی: ج ۱، ص ۴، نسائی: ج ۱، ص ۶)

لیکن یہ چیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے علم اور مشاہدے کی بنا پر بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> نبی اکرم ﷺ کوڑا کرکٹ کے ایک ڈھیر کے پاس گئے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ (بخاری: ج ۱، ص ۳۵، مسلم: ج ۱، ص ۶)

بہتے یا ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنا منع ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نبی اکرم ﷺ نے بہتے پانی میں بھی پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم: ج۱، ص ۱۳۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی دوسری روایت ہے کہ:

نبی اکرم ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم: ج۱، ص ۱۳۸، نسائی: ج۱، ص ۸)

پیشاب سے پرہیز نہ کرنا عذاب قبر کا سبب ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ کا گزر دو قبروں پر ہوا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

"جو دو آدمی ان قبروں میں مدفون ہیں ان پر عذاب ہو رہا ہے، اور کسی ایسے گناہ کی وجہ سے یہ عذاب نہیں ہو رہا جس کا معاملہ بہت مشکل ہوتا، (یعنی جس سے بچنا بہت دشوار ہوتا، بلکہ یہ دونوں اپنے ایسے گناہ کی پاداش میں عذاب دیئے جا رہے ہیں جس سے بچنا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا) ان میں سے ایک کا گناہ تو یہ تھا کہ وہ پیشاب کی گندگی سے بچاؤ کی یا پاک صاف رہنے کی کوشش اور فکر نہیں کرتا تھا۔ اور دوسرے کا گناہ یہ تھا کہ وہ چغلیاں لگاتا پھرا کرتا تھا۔" پھر رسول اللہ ﷺ نے کھجور کی ایک تر شاخ لی اور اس کو بیچ سے چیر کر دو ٹکڑے کیا، پھر ہر ایک قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسولؐ اللہ! یہ آپ نے کس مقصد سے کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "امید ہے کہ جس وقت تک شاخ کے ٹکڑے بالکل خشک نہ ہو جائیں، ان دونوں کے عذاب میں تخفیف

کر دی جائے۔'' (صحیح بخاری: ج ۱، ص ۱۳۵، صحیح مسلم: ج ۱، ص ۱۴۱)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ انسان کا پیشاب نجاستِ غلیظہ ہے اور اس سے بچنا واجب ہے۔ پیشاب سے پرہیز نہ کرنا اور چغل خوری کرنا کبیرہ گناہ اور عذابِ قبر کا باعث ہے۔

قضائے حاجت کے مقام پر جانے کی دُعا:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قضائے حاجت کے ان مقامات میں خبیث مخلوق شیاطین وغیرہ رہتے ہیں، پس تم میں سے کوئی جب بیت الخلاء جائے تو پہلے یہ دعا پڑھ لے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ ○ (بخاری: ج ۱، ص ۲۶)

اے اللہ! میں نر اور مادہ ناپاک روحوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

جس طرح ملائکہ کو طہارت و نظافت اور ذکر اللہ سے اور ذکر و عبادت کے مقامات سے خاص مناسبت ہے اور وہیں ان کا جی لگتا ہے۔ اسی طرح شیاطین جیسی خبیث مخلوقات کو گندگیوں سے اور گندے مقامات سے خاص مناسبت ہے اور وہیں ان کے مراکز اور دلچسپی کے مقامات ہیں۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ قضائے حاجت کی مجبوری سے جب کسی کو ان گندے مقامات میں جانا ہو تو پہلے وہاں رہنے والے خبیثوں اور خبیثنیوں کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے اس کے بعد وہاں قدم رکھے۔

بوقت ضرورت برتن میں پیشاب کرنا:

حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

رسول اللہ ﷺ کا ایک لکڑی کا پیالہ ان کی چارپائی کے نیچے رہتا تھا۔ جس میں رات کو آپ ﷺ پیشاب کر لیا کرتے تھے۔

(ابوداود: ج ۱، ص ۵، نسائی: ج ۱، ص ۷)

رات کو لحاف سے اٹھ کر سردی کے دنوں میں باہر نکلنے سے سردی لگ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ نے تعلیم کے لیے ایک پیالہ رکھ کر بتا دیا کہ اس طرح کر لیا کرو۔

اِستنجا کے آداب واحکام

استنجا کس چیز سے کرنا چاہیے؟

پیشاب و پاخانے سے فارغ ہونے کے بعد استنجا پانی سے بھی جائز ہے اور پتھر سے بھی اور ایک ساتھ دونوں سے بھی۔ یہ سب صورتیں نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ''اگر تم میں سے کوئی رفع حاجت کے لیے جائے تو اسے چاہیے کہ تین پتھروں سے استنجا کرے، اس لیے کہ یہ کافی ہیں۔''

(ابوداود: ج۱، ص۶، نسائی: ج۱، ص۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو میں اور ایک دوسرا میرا ہم عمر لڑکا ایک لوٹا اور ایک نیزہ اٹھا کر لے جاتے اور آپ پانی سے استنجا فرماتے۔ (بخاری: ج۱، ص۲۷، مسلم: ج۱، ص۱۳۲)

البتہ بہتر یہ ہے کہ پانی اور پتھر دونوں سے استنجا کیا جائے اور اگر دونوں میں سے ایک پر اکتفا کرنا ہو تو پانی سے استنجا کرنا افضل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

> یہ آیت اہل قباء کے بارے میں نازل ہوئی ہے: ''اس میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں کو پسند کرتے ہیں''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ پانی سے استنجا کیا کرتے تھے، اس

لیے یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی۔ (ابوداود: ج۱‘ ص۷‘ ابن ماجہ: ج۱‘ ص۳۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے اہل قباء سے دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم استنجا میں پہلے پتھر استعمال کرتے ہیں اس کے بعد پانی۔ (ابن کثیر: ج۳‘ ص۴۵۲)

استنجا بائیں ہاتھ سے کرنا چاہئے:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے‘ بیان فرماتے ہیں کہ (بعض مشرکوں کی طرف سے تمسخر اور طنز کے طور پر) ان سے کہا گیا کہ تمہارے پیغمبر صاحب نے تم لوگوں کو ساری ہی باتیں سکھائی ہیں‘ یہاں تک کہ پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا ہاں! بیشک (انہوں نے ہم کو سب ہی کچھ سکھایا ہے اور استنجا کے متعلق بھی ضروری ہدایات دی ہیں چنانچہ) انہوں نے ہمیں اس سے منع فرمایا ہے کہ پاخانہ یا پیشاب کے وقت ہم قبلہ کی طرف منہ کریں۔ یا یہ کہ ہم دائیں ہاتھ سے استنجا کریں یا یہ کہ ہم استنجے میں تین پتھروں سے کم استعمال کریں یا یہ کہ ہم استنجا کریں (اونٹ‘ گھوڑے یا بیل وغیرہ) کسی چوپائے کے فضلے یا ہڈی سے۔ (مسلم: ج۱‘ ص۱۳۰)

کن چیزوں سے استنجا کرنا منع ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لید اور ہڈی کے ساتھ استنجا مت کرو‘ کیونکہ وہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہے۔“ (ترمذی: ج۱‘ ص۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لید‘ گوبر‘ ہڈی اور کوئلہ سے استنجا کرنا منع ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عرب کے بعض لوگ ان چیزوں سے بھی استنجا کر لیا کرتے تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر اس سے منع فرما دیا اور ظاہر ہے کہ ایسی چیزوں سے استنجا کرنا ہر سلیم الفطرت اور صاحب تمیز آدمی کے

نزدیک بڑے گنوار پن کی بات ہے۔

استنجا کے بعد زمین پر ہاتھ ملنا:

استنجا کے بعد اپنا ہاتھ زمین پر ملنا چاہیے (یا صابن وغیرہ سے دھونا چاہیے) تاکہ اس کی بدبو دور ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ بیت الخلاء جاتے تو میں ایک پیتل کے برتن میں آپؐ کے پاس پانی لاتا، آپ ﷺ استنجا فرماتے اور پھر زمین پر ہاتھ ملتے۔ (ابوداود: ج۱، ص۷)

قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد کی دُعائیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ غُفْرَانَكَ. (ترمذی: ج۱، ص۳، ابن ماجہ: ج۱، ص۲۶)

کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپ ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر آتے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ”غُفْرَانَكَ“ اے اللہ! تیری پوری مغفرت کا طالب وسائل ہوں۔

رسول اللہ ﷺ پاخانہ و پیشاب سے فارغ ہو کر بخشش کی دعا کرتے کہ یا الٰہی! جیسے تو نے مجھ پر احسان فرما کر اس گندگی کو مجھ سے دور فرمایا ہے جو اگر دور نہ ہوتی تو میں ہلاک ہو جاتا۔ اسی طرح اپنے فضل وکرم سے آخرت میں بھی بخشش فرما کر ہلاکت سے بچا لینا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قضائے حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے، تو کہتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَذْهَبَ عَنِّي الْاَذٰى وَعَافَانِيْ. (ابن ماجہ: ج۱، ص۲۶)

اس اللہ کے لیے حمد وشکر ہے، جس نے مجھ سے گندگی دور فرمائی اور مجھے عافیت بخشی۔

نجاستوں کی صفائی کا بیان

نیند سے بیدار ہو کر ہاتھوں کی صفائی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”جب کوئی نیند سے بیدار ہو تو ہاتھ برتن میں نہ ڈالے۔ جب تک اسے تین دفعہ دھو نہ لے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ رات میں اس کا ہاتھ کہاں کہاں لگتا رہا۔“ (مسلم: ج۱ص۱۳۶)

زمین کی طہارت وصفائی:

زمین اگر ناپاک ہو جائے تو پانی بہا دینے سے وہ پاک ہو جاتی ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی آیا اور مسجد کے صحن میں بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے پکڑنے اور روکنے کے لیے دوڑے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ”اسے پیشاب کرنے دو اور اس کے پیشاب پر (جگہ کو پاک وصاف کرنے کے لیے) پانی کا ایک ڈول بہا دو۔ اس لیے کہ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو سختی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔“ (بخاری: ج۱ص۳۵)

حیض آلود کپڑے اور بدن کی صفائی:

اگر بدن یا کپڑا ناپاک ہو جائے تو اس کا پانی سے دھونا ضروری ہے چنانچہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

> ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور پوچھا اگر ہم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ فرمایا: ”اسے کھرچ ڈالے پھر اس پر پانی ڈالے (یعنی

دھوئے) اور پھر اس کے ساتھ نماز ادا کرے۔"

(بخاری: ج۱، ص۴۵، مسلم: ج۱، ص۱۴۰)

تر منی کا دھونا ضروری ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی دھو دیا کرتی تھی۔ پھر آپ ﷺ نماز کے لیے تشریف لے جاتے اور دھونے کے نشان کپڑے میں موجود ہوتے۔" (بخاری: ج۱، ص۳۶، مسلم: ج۱، ص۱۴۰)

خشک منی کا کھرچنا جائز ہے:

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

میں رسول اکرم ﷺ کے کپڑے سے منی کھرچ دیا کرتی تھی، پھر آپ ﷺ اسی میں نماز پڑھ لیتے۔ (مسلم: ج۱، ص۱۴۰)

مذی اور ودی کی صفائی:

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مذی کے متعلق، جو کپڑے پر لگ جائے، رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

"ایک چلو پانی لو اور جہاں تمہارا خیال ہے کہ مذی لگی ہے وہاں چھینٹے دے لو۔" (ترمذی: ج۱، ص۳۵)

شیر خوار بچے کے پیشاب کا مسئلہ:

انسان کے پیشاب و پاخانہ کے ناپاک ہونے پر سب علماء کا اجماع ہے۔ البتہ اگر بچہ (لڑکا) دودھ پیتا ہو اور ابھی غذا نہ کھاتا ہو، تو اس کے پیشاب کے بارے میں سختی نہیں ہے اس کے پیشاب پر چھینٹے دے لینا کافی ہے۔ چنانچہ حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"میں اپنا ایک شیر خوار بچہ جو ابھی کھانا نہ کھاتا تھا۔ آپ ﷺ کے

پاس لے کر آئی اس نے رسول اللہ ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا اور اس سے اپنے کپڑے پر چھینٹے دے لیے اور اسے دھویا نہیں۔" (بخاری: ج۱، ص۳۵، مسلم: ج۱، ص۱۳۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لڑکے کے پیشاب پر چھینٹے دیئے جائیں اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے۔" (مسند احمد: ج۱، ص۷٦)

نجاست آلود جوتے کی صفائی:

جوتے کو اگر نجاست لگ جائے تو زمین پر رگڑ لینے سے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اگر تم میں سے کسی کے جوتے کو نجاست لگ جائے، تو مٹی اسے پاک کرنے والی چیز ہے۔" (ابوداود: ج۱، ص٦۱)

مردہ جانور کی کھال:

مردہ جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اور اسے ہر قسم کے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "دباغت سے کھال پاک ہو جاتی ہے۔" (مسلم: ج۱، ص۱۵۸)

تیل، گھی یا اس قسم کی دوسری چیزیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ:

اگر گھی میں چوہا گر جائے تو کیا کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اس کے اردگرد جو گھی ہو، اسے پھینک دو، باقی استعمال کر لو۔"

(بخاری: ج۱، ص۳۷)

یعنی اگر گھی جما ہوا ہو، تو اتنا گھی پھینک دینا چاہیے جس کے متعلق خیال ہو

کہ یہاں تک گندگی کا اثر پہنچا ہوگا۔ پگھلے ہوئے گھی یا تیل میں نجاست گر جائے تو جمہور کا مسلک یہ ہے کہ وہ سارا ناپاک ہو جاتا ہے۔

خصالِ فطرت:

خصالِ فطرت ایسے امور ہیں کہ ہر ایک فطرت سلیم' مزاج صالح اور عقل صحیح ان امور کی نہ صرف دل سے خواستگار ہے۔ بلکہ ان کے حصول میں حتی المقدور کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''عشر من الفطرة قص الشارب وإعفاء اللحية والسواك واستنشاق الماء وقص الأظفار وغسل البراجم ونتف الإبط وحلق العانة وانتقاص الماء يعني الاستنجاء. قال الراوى ونسيت العاشرة إلا ان تكون المضمضة''. (مسلم: ج۱' ص۱۲۹)
>
> امور فطرت دس چیزیں ہیں' یعنی مونچھوں کا کٹوانا' داڑھی رکھنا' مسواک کرنا' ناک میں پانی ڈال کر میل کچیل کا دور کرنا' ناخنوں کا اتارنا' گانٹھوں کا دھونا' بغلوں کے بال لینا' استرا کرنا' قضائے حاجت کے بعد استنجا کرنا۔ راوی کہتا ہے کہ مجھے دسویں چیز یاد نہیں رہی' شاید کلی کرنا ہے۔

ان کے علاوہ بعض احادیث میں اور بھی امور فطرت بیان ہوئے ہیں۔ ذیل میں چند ایک کی مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

حجامت بنوانا: سر منڈانے میں رسول اللہ ﷺ کی سنت یہ تھی کہ یا تو سارا سر منڈاتے یا سارا رہنے دیتے اور ایسا نہ کرتے کہ کچھ حصہ منڈا دیں اور کچھ حصہ رہنے دیں۔ سر منڈانا آپ ﷺ سے صرف قربانی کے موقع پر منقول ہے۔

(زاد المعاد: ج۱' ص۴۵)

مونچھیں ترشوانا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مونچھیں کاٹو اور داڑھی بڑھاؤ۔ اور مجوسیوں کے طریقے اختیار نہ کرو۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی اکرم ﷺ نے بتایا کہ:

''چالیس دن، رات نہ گزرنے پائیں کہ تم مونچھیں اور ناخن کٹوا دو۔'' (صحیح مسلم: ج۱، ص۱۲۹)

داڑھی بڑھانا: اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ نے سخت تاکید فرمائی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''خالفوا المشركين قصوا الشوارب واعفوا اللحى''. (مسلم: ج۱، ص۱۲۹)

مشرکوں کی مخالفت کرو، داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں ترشواؤ۔

بغلوں کے بال اتارنا: یہ جگہ چونکہ چھپی رہتی ہے اگر کپڑے نہ بھی ہوں تو بھی قدرتی طور پر ڈھکی رہتی ہے۔ عام طور پر وہاں ہوا کا گزر نہیں ہوتا۔ اس لیے وہاں پسینہ آ کر بالوں میں جمع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے سخت بدبو پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے یہاں سے بال اتارنا فطرت میں داخل ہے۔

ناخن کاٹنا: ناخن اگر بڑھ جائیں تو ان سے بھی نجاست جیسی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے، جو ہر ذی فہم شخص سے پوشیدہ نہیں۔

زیر ناف بال اتارنا: بغلوں کے بالوں کی طرح اگر یہ بال بھی بڑھ جائیں، تو انہیں جلد صاف کر دینا چاہئے۔ زیادہ سے زیادہ چالیس دنوں سے پہلے صفائی کرنا ضروری ہے۔ مگر غسل کرنا ضروری نہیں ہے۔

مذکورہ سب باتیں دین کی ہیں۔ اور تمام پیغمبروں کی سنت ہیں۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے ان پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ان تمام کا تعلق

طہارت اور صفائی سے ہے۔

غسلِ جنابت کے اَحکام ومسائل

مرد عورت آپس میں ہم بستری کریں یا خواب دیکھیں اور کپڑوں پر رطوبت کا کوئی اثر ہو تو غسل واجب ہوگا۔ زن ومرد کی اس حالت کو جنابت کہا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں گو بظاہر انسان کے جسم پر کوئی گندگی معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن پاک روحیں اور قدسی طبائع اس حالت کو ناپسند کرتی ہیں اور انہیں ایسی حالت سے شدید نفرت ہوتی ہے اور اس سے مخلصی کو طہارت سمجھتے ہیں۔ غسلِ جنابت تمام آسمانی مذاہب میں معمول بہ اور مروج ہے۔ جنابت کے علاوہ حیض اور نفاس (وہ خون جو بچے کی پیدائش پر جاری ہوتا ہے) کے بعد بھی غسل واجب ہوتا ہے۔

شروع اسلام میں رعایت تھی کہ اگر انزال ہو، یعنی منی خارج ہو، تب تو غسل فرض ہوتا تھا اور اگر مرد، عورت مجامعت کریں اور انزال نہ ہو تو غسل فرض نہ ہوتا تھا بعد میں یہ حکم آیا کہ جب مرد عورت سے مجامعت شروع کر دے تو غسل فرض ہو گیا، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ (مشکوٰۃ: ج۱، ص۴۷)

اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان کچھ عرصہ اختلاف رہا، ایک گروہ کہتا تھا کہ غسل صرف دخول پر ہی فرض ہوتا ہے، انزال شرط نہیں۔ دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ وجوبِ غسل کے لیے دخول کے ساتھ انزال بھی شرط ہے۔

بعد میں جب ان کو یہ حدیث پہنچی:

> إذا جاوز الختانُ الختانَ وجب الغسل. (ترمذی: ج۱، ص۳۴)
>
> جب مرد کا محل ختنہ، عورت کے محل ختنہ میں تجاوز کرے تو غسل فرض ہو جاتا ہے۔

جب ہی تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہو گیا کہ غسل فرض ہے، اگرچہ

انزال نہ ہو۔ (شرح مسلم نووی: ج ۱' ص ۱۵۵)

غسل جنابت میں دیر کرنے کی ممانعت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا تدخل الملائكة بيتا فيه صورة ولا كلب ولا جنب".

(ابوداود: ج ۱' ص ۳۴)

جس گھر میں (جاندار کی) تصویر ہو یا کتا ہو یا جنبی آدمی ہو' اس میں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

یہاں جنبی سے وہ مراد ہے جو کسی نماز کا وقت گزرنے تک بھی غسل نہ کرے اور سستی کر کے وقت ٹالتا رہے۔ اگر ایک شخص عشاء کے بعد جنبی ہوا' اور فجر کی اذان کے وقت غسل کر کے اس نے جماعت سے نماز ادا کر لی تو کچھ حرج نہیں ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ جنابت کی حالت پیش آنے کے بعد اسی وقت وضو کر لے اور پھر جب موقع ہو غسل کر لے۔

غسلِ جنابت میں سخت احتیاط چاہیے:

غسلِ جنابت میں جسم کو اچھی طرح دھونا چاہیے' جسم کا ایک ایک بال تر ہونا چاہیے۔ اگر ایک بال بھی خشک رہ گیا' تو غسلِ جنابت نہیں ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بال بال میں جنابت کا اثر ہوتا ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تحت كل شعرة جنابة". (ترمذی: ج ۱' ص ۳۴)

جو آدمی غسل کرے اور ایک بال کی جگہ خشک چھوڑ دے تو اسے قیامت کے دن عذاب ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس لیے سر منڈا ڈالا ہے کہ غسل میں کوئی جگہ خشک نہ رہے۔

(مشکوٰۃ: ج ۱' ص ۸۱)

مرد کی طرح عورت بھی محتلم ہوتی ہے:

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ:

> عورت کو اگر احتلام ہو جائے، (یعنی خواب میں کپڑے مرطوب ہوں) تو اس پر غسل واجب ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں مرد عورت برابر ہیں۔'' (مشکوۃ: ج۱، ص۸۰)

غسلِ جنابت میں عورت کے سر کے بالوں کا مسئلہ:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: حضرت! غسلِ جنابت میں میں اپنے سر کے بال کھول لیا کروں، جب کہ میں سر کے بال خوب مضبوطی سے گوندنے کی عادی ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں تیرے لیے یہی کافی ہے کہ تین چلو (لپ) بھر کر اپنے سر پر ڈال لو اور پھر اپنے اوپر پانی بہا لو، تو تم پاک ہو جاؤ گی۔'' (مشکوۃ: ج۱، ص۸۰)

لیکن یہ اس وقت ہے کہ بالوں کی جڑیں تر ہو جانے کا احتمال ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو بالوں کا کھولنا ضروری ہے وگرنہ غسلِ جنابت نہیں ہوگا۔ اور بال تر ہو جانے کے احتمال پر ان کا نہ کھولنا یہ رعایت صرف عورتوں کے سر کے بالوں سے متعلق ہے۔ مرد ایسا نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل سے ثابت ہے۔

(مرعاۃ المفاتیح، شرح مشکوۃ: ج۱، ص۲۹۳)

حائضہ عورت اور جنبی کے لیے قرآن پڑھنے کی ممانعت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

> رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر ہمیں قرآن شریف پڑھاتے، ہمارے ساتھ گوشت کھا لیتے، آپ کو قرآن پڑھنے سے جنابت کے سوا کوئی چیز نہ روکتی تھی۔

(مشکوۃ مع مرعاۃ: ج۱، ص۳۰۲)

قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہے۔ اس کی تلاوت جنبی کے لیے بالکل ممنوع ہے، اسی طرح حائضہ عورت کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

جنبی کے لیے مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ان گھروں کا رخ مسجد کی طرف سے پھیر دو۔ (یعنی ان کے دروازے جو مسجد کی طرف ہیں ان کو مسجد کی جانب سے بند کر کے دوسری جانب کھولو) کیونکہ کسی حائضہ عورت اور جنبی کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ (ابوداود: ج۱، ص۳۰، مشکوٰۃ: ج۱، ص۸۳)

مسجدِ نبوی ﷺ جب شروع میں تعمیر ہوئی تو آس پاس کے بہت سے گھروں کے دروازے مسجد کی طرف تھے (یعنی صحن ہی میں کھلتے تھے) کچھ عرصہ کے بعد یہ حکم آ گیا کہ مسجد کے ادب واحترام کا حق یہ ہے کہ حائضہ اور جنبی اس میں داخل نہ ہوں، اس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ اعلان فرمایا اور حکم دیا کہ یہ سب دروازے مسجد کی جانب سے بند کر کے دوسری طرف کھولے جائیں۔

جنبی آدمی اور حائضہ عورت کا قرآن سننا جائز ہے۔ کیونکہ اس کی ممانعت کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

غسل کے وقت پردے کا اہتمام:

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> ایک بار رسول اللہ ﷺ کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی، جو کھلے میدان میں (بالکل برہنہ) غسل کر رہا تھا۔ تو آپ ﷺ نے (قریب ہی کسی مناسب موقع پر) منبر پر خطبہ دیا اور (معمول کے مطابق) حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا:
>
> ”إن اللہ حَيِيٌّ سِتِّير يحب الحياء والتستر فإذا اغتسل

أحدكم فليستتر". (نسائی: ج۱' ص۴۵)

"اللہ تعالیٰ بڑا شرمیلا اور حیا شعار ہے اور حیا شعاری اور پردہ داری ہی کو پسند فرماتا ہے۔ اس لیے (تم اس کا خیال رکھو کہ) جب کوئی غسل کیا کرے تو پردے کے ساتھ کیا کرے۔" (لوگوں کے سامنے ہی بے پردہ نہ ہو جایا کرے)

حمام میں غسل:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص تم میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ حمام میں بغیر تہبند کے نہ جائے اور جو تم میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنی بیوی کو بھی حمام میں نہ بھیجے۔"

(نسائی: ج۱' ص۴۵)

حدیث شریف میں جو لفظ "حمام" آیا ہے اس سے یہ غسل خانے مراد نہیں ہیں جو عام طور پر گھروں میں بنائے جاتے ہیں' بلکہ ایک خاص قسم کے غسل خانے مراد ہیں جن میں گرمی سردی کے غسل کا انتظام ہوتا ہے' جہاں پردے کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا۔ چنانچہ متعدد احادیث میں ان غسل خانوں کی یہ چند خصوصیات ذکر کی گئی ہیں:

۱ ان غسل خانوں کا رواج عرب میں بالکل نہ تھا۔ اسلامی فتوحات کے بعد ہی مسلمان عموماً ان سے واقف ہوئے۔

۲ اور اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے شروع شروع میں ان کی پوری کیفیت نہ تھی' چنانچہ ایک بار تو بالکل منع فرما دیا تھا' پھر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے فائدے ذکر کیے تو تہبند کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔

③ بیماروں کے لیے ان غسل خانوں میں نہانا مفید ہوتا ہے۔

(مجمع الزوائد: ج۱، ص۲۷۷)

④ ان غسل خانوں میں شور وشغب بہت ہوتا تھا، اور بے پردگی عام تھی۔

(مجمع الزوائد ج۱، ص۲۷۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حمام میں جاتے اور نہلانے والا آپ کے بدن پر میل دور کرنے کی کوئی چیز ملتا تو جب وہ ناف تک پہنچتا تو آپ اس سے کہہ دیتے تھے "اخرج" "تم باہر چلے جاؤ۔" (مجمع الزوائد: ج۱، ص۲۷۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس طرز عمل کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا بتاتا ہے کہ عام لوگ اتنی احتیاط نہ کرتے تھے۔ اگر پردے کا اہتمام کیا جائے، تو اس قسم کے غسل خانوں میں نہانے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قید کے ساتھ اجازت دی ہے اور جو غسل خانے عام طور پر گھروں میں بنائے جاتے ہیں جن میں ایک آدمی تنہا غسل کرتا ہے اور پردے کا مکمل انتظام ہوتا ہے ان میں غسل کی عام اجازت ہے۔ خواہ مرد نہائیں یا عورتیں، اور ان میں تہبند باندھنا بھی ضروری نہیں ہے۔

غسل کا طریقہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے غسل کے بارے میں جو روایات بخاری و مسلم میں آئی ہیں ان سے غسل کے طریقے کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے، یعنی یہ کہ آپ ﷺ سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دو تین دفعہ دھوتے (کیونکہ ان ہاتھوں ہی کے ذریعے پورے جسم کو غسل دیا جاتا ہے) اس کے بعد آپ ﷺ مقام استنجا کو بائیں ہاتھ سے دھوتے اور دائیں ہاتھ سے اس پر پانی ڈالتے۔ اس کے بعد بائیں ہاتھ کو مٹی سے مل مل کر اور رگڑ رگڑ کر خوب مانجھتے اور دھوتے، پھر اس کے بعد وضو فرماتے۔ اس کے بعد اسی طرح سر کے بالوں کو اہتمام سے دھوتے اور ہر بال کی جڑ تک پانی پہنچانے کی

کوشش کرتے۔ اس کے بعد باقی سارے جسم کو غسل دیتے۔ پھر غسل کی جگہ سے ہٹ کر پاؤں دھوتے۔ پہلے وضو میں آپ ﷺ پاؤں دھونا چھوڑ دیتے وہ غسل سے فارغ ہو کر دھوتے۔

جنبی آدمی سے اختلاط:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> میں حالت جنابت میں مدینہ کی ایک گلی میں جا رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو آتے ہوئے دیکھا۔ میں سرک کر راستہ بدل گیا اور نہا دھو کر پھر حاضر خدمت ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، ابو ہریرہ! تم کہاں گئے تھے؟ میں نے عرض کیا، حضور! میں ناپاک (یعنی جنبی) تھا میں نے ایسی حالت میں جناب سے ملنا مکروہ (نامناسب) جانا، چنانچہ سرک گیا، نہایا اور پھر حاضر ہوا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سبحان اللہ! مسلمان پلید نہیں ہوتا۔'' (بخاری: ج۱، ص۴۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہر حال میں پاک ہے۔ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔ زندگی میں تو بالاتفاق اور مرنے کے بعد اکثر کے نزدیک، زندگی میں بھی خواہ وہ جنبی ہو یا نہ ہو، پاک ہے۔ کیونکہ اس کے ظاہر بدن پر تو کوئی نجاست نہیں ہے جو نجاست ہے وہ صرف حکمی اور شرعی نجاست ہے۔ اس لیے حالت جنابت میں صرف نماز پڑھنا، مسجد میں داخل ہونا، یا قرآن پاک کو چھونا اور تلاوت کرنا ممنوع ہے اور بس۔ جنبی مسلمان سے ملنا، مصافحہ کرنا، گفتگو کرنا، مل کر بیٹھنا، جسم سے جسم لگ جانا، اس کا جوٹھا پانی یا کھانا کھا پی لینا، ٹھیک ہے، اسی طرح اس کا پسینہ بھی ناپاک نہیں ہے۔

حالتِ حیض میں جماع کی حرمت:

حیض کی حالت میں میاں بیوی کی مقاربت (خصوصی تعلقات) ممنوع

ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴿۲۲۲﴾﴾ (البقرۃ)

> ”آپ سے لوگ حیض کا حکم پوچھتے ہیں، کہو وہ ایک گندگی کی حالت ہے۔ اس میں عورتوں سے الگ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود میں یہ دستور تھا کہ جب عورت حالت حیض میں ہوتی، تو اس کے ساتھ کھانا پینا اور ایک گھر میں رہنا چھوڑ دیتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہود کا یہ حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں مسئلہ پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

> ”صرف فعل مباشرت سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ باقی تمام تعلقات بدستور برقرار رکھے جائیں۔“ (ابن کثیر: ج۱، ص ۴۵۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے مسئلہ پوچھا کہ حائضہ عورت سے کہاں تک اختلاط جائز ہے، تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، سوائے مباشرت کے سب کچھ جائز ہے۔ (ابن کثیر: ج۱، ص ۴۵۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”جس شخص نے اپنی عورت سے ایام ماہواری میں صحبت کی یا اغلام (قوم لوط کا فعل) کیا، یا نجومی سے کوئی غیب کی بات پوچھی تو اس نے قرآن کو جھٹلایا۔“ (ترمذی: ج۱، ص ۱۹)

بعض علماء کا مذہب ہے کہ جو شخص حالتِ حیض میں اپنی عورت کے پاس ابتدائی حیض کے دنوں میں جائے (جب تک خون کی رنگت رہتی ہے) تو ایک

دینار صدقہ کرے اور اگر آخری ایام میں جماع کیا ہو تو نصف دینار خیرات کرے۔ لیکن اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ ایسے شخص کو نادم ہو کر توبہ کر لینی کافی ہے۔ دینار یا نصف دینار کا خیرات کرنا کوئی ضروری امر نہیں ہے۔

(معالم السنن للخطابی: ج۱، ص۷۲)

مذی سے غسل واجب نہیں ہوتا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے کثرت سے مذی آتی تھی، میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”مذی سے غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ وضو کرنا ضروری ہے۔“

(مسلم: ج۱، ص۱۴۳)

انسان کے عضو مخصوصہ سے پیشاب کے علاوہ جو مادہ خارج ہوتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

① منی، ② مذی، ③ ودی

منی: وہ سفید پانی جو ٹپک کر نکلتا ہے اور نکلنے کے بعد کمزوری واقع ہو جاتی ہے۔ اسی مادہ سے اللہ تعالیٰ حضرتِ انسان کو پیدا فرماتے ہیں اور اسی مادے کے اخراج سے آدمی پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔

مذی: وہ سفید سی رطوبت (یعنی لیس دار پانی) جو انتشار کے وقت بلا ارادہ منی سے پہلے نکلتا ہے اس سے غسل تو واجب نہیں ہوتا، لیکن وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

ودی: بعض لوگوں کی قوتِ مردمی (باہ) کمزور ہوتی ہے، تو پیشاب کے بعد اور کبھی پہلے گاڑھا سفید منی کی شکل کا پانی نکلتا ہے، اس کو ودی کہتے ہیں، اس سے غسل واجب نہیں ہوتا، بلکہ جہاں لگے وہ جگہ دھو لینی چاہیے۔

حیض، استحاضہ اور نفاس کا حکم

عورتوں کو تین قسم کے خون آتے ہیں، جو یہ ہیں:

۱-حیض، ۲-استحاضہ، ۳-نفاس

حیض: یہ ایک طبعی خون ہے جو ہر ماہ معین دنوں میں آتا ہے۔ فضلات رحم اس کے ساتھ خارج ہوتے ہیں۔ اگر صحت اچھی ہو تو یہ خون باقاعدہ آتا ہے۔ ان ایام میں نماز معاف ہے اور روزے کی قضاء ہے۔

مدتِ حیض: حنفیہ کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت تین دن، تین رات ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دن، دس رات ہے۔ شافعیہ کے نزدیک اس کی کم سے کم مدت ایک دن ایک رات ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن، رات ہیں۔

ان دونوں اقوال کی تائید کسی صحیح حدیث سے نہیں ہوتی، البتہ کچھ ضعیف روایات ان اقوال کی تائید میں ملتی ہیں، صحیح حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ عموماً ہر ماہ میں حیض چھ یا سات دن رہتا ہے اور اگر کسی عارضہ سے خون زیادہ آنا شروع ہو جائے تو عورت کو چاہئے کہ جتنے دن اس کو پہلے حیض آیا کرتا تھا اتنے دن حیض کے سمجھے، خواہ چھ یا سات دن سے زیادہ ہوں یا کم، اور ان میں نماز نہ پڑھے اور باقی دنوں میں نماز پڑھے، کیونکہ وہ خونِ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے۔

اگر عورت کو پہلے حیض نہیں آیا، بلکہ بالغ ہوتے ہی جب خون شروع ہوا تو برابر شروع رہا اور چھ سات دن سے بڑھ گیا، تو اگر عورت ہوشیار ہو، جو حیض کے خون اور دوسرے خون میں تمیز کر سکتی ہو (کیونکہ خونِ حیض سیاہی مائل ہوتا ہے) تو وہ اپنی تمیز کے موافق عمل درآمد کرے۔ یعنی خون سیاہ کے دن حیض کے سمجھے اور باقی استحاضہ کے اور اگر عورت اتنی سمجھ والی نہ ہو، جو حیض کے خون کا دوسرے خون سے امتیاز کر سکے، تو پھر عام دستور کے مطابق چھ سات دن حیض کے مقرر کر

لے اور ان دنوں میں نماز چھوڑ دے اور باقی دنوں میں نماز پڑھے۔

استحاضہ: خونِ استحاضہ وہ خون ہوتا ہے جو خونِ حیض کے معتاد دنوں کے بعد خاکی یا زرد رنگ کا جاری ہوتا ہے۔ یہ ایک غیر طبعی خون ہوتا ہے۔ جو کسی بیماری کی وجہ سے مسلسل آتا ہے اس سے بدن ناپاک نہیں ہوتا۔ جب عورت حیض کے معتاد دن پورے کر لے تو پھر اسے غسل کر کے نماز شروع کر دینی چاہیے استحاضہ میں میاں بیوی ہم بستری بھی کر سکتے ہیں۔ البتہ مستحاضہ کو ہر نماز کے وقت وضو کر لینا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

> فاطمہؓ بنت ابی حُبَیش نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میں خون سے پاک نہیں ہوتی' کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ''نہیں' خونِ استحاضہ ایک رگ ہے' خونِ حیض نہیں ہے۔ جب تجھے حیض کے ایام آ جائیں' تو نماز چھوڑ دو' جب گزر جائیں تو غسل کر کے نماز شروع کر دو۔'' (موطأ: ص ۴۶)

نِفاس: بچے کی پیدائش پر جو خون آتا ہے' اسے نفاس کہتے ہیں۔ اس کی حد چالیس دن ہے۔ اگر چالیس دن کے اندر بند ہو جائے تو عورت اپنے آپ کو پاک سمجھے خواہ ایک دن یا ایک رات ہو۔ سوا مہینہ (چالیس دن) کوئی شرط نہیں ہے' جیسے آج کل عوام میں مشہور ہے۔ یہ محض جہالت ہے۔

اگر چالیس روز سے زیادہ خون جاری رہے تو وہ استحاضہ ہوگا۔ سلسل البول' جریانِ' لیکوریا کا بھی یہی حکم ہے۔ ایسے مریض ہر نماز کے لیے تازہ وضو کر لیا کریں۔ اگر ہر نماز کے لیے غسل کر لیں' تو یہ افضل صورت ہے۔ اور اگر دو نمازوں کے لیے ایک غسل کر لیں تو یہ بھی جائز ہے۔

مسنون یا مستحب غسل

شریعت نے جن حالات میں غسل کو فرض قرار دیا ہے اس کا بیان آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب وہ حالات ملاحظہ فرمائیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے غسل کا حکم تو دیا ہے لیکن یہ حکم بطور فرضیت کے نہیں، بلکہ اس کا درجہ سنت کا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں چند مواقع ملاحظہ فرمائیں۔

جمعہ کے لیے غسل:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إذا جآء أحدكم الجمعة فليغتسل". (بخاری: ج۱، ص۱۲۰، مسلم: ج۱، ص۲۷۹)

"جب تم میں سے کوئی جمعہ کو آئے تو اسے چاہئے کہ غسل کرے۔"

یعنی نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے اس کو غسل کر کے آنا چاہئے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

> ہر مسلمان پر حق (یعنی اس کے لیے ضروری) ہے کہ ہفتہ کے سات دنوں میں سے ایک دن (یعنی جمعہ کے دن) غسل کرے۔ اس میں اپنے سر کے بالوں اور سارے جسم کو اچھی طرح دھوئے۔

(مسلم: ج۱، ص۲۸۰)

ان دونوں احادیث میں جمعہ کے غسل کا تاکیدی حکم ہے اور بخاری و مسلم ہی کی ایک اور حدیث میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے غسلِ جمعہ کے لیے "واجب" کا لفظ بھی آیا ہے۔ لیکن اکثر ائمہ کرام اور علماءِ دین کے نزدیک اس سے فرض مراد نہیں بلکہ اس کا مقصد صرف تاکید ہے، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا احادیث میں مذکور ہے۔

ابتداءِ اسلام میں جب کہ مسلمان موٹا کھاتے اور موٹا پہنتے تھے اور محنت ومشقت کی زندگی بسر کرتے تھے اور مسجد کے تنگ ہونے کی وجہ سے پسینہ آ کر بدبو پھیل جاتی تھی۔ اس وقت آپ ﷺ نے یہ ضروری قرار دے دیا تھا کہ جمعہ کے دن ہر شخص غسل کر کے آئے۔ لیکن آج کے حالات میں اگرچہ وہ بات نہیں ہے۔ لیکن مسنون ہونے کی وجہ سے غسل ضرور کرنا چاہئے۔ نیز نظافت وپاکیزگی کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جمعہ کے دن اہتمام سے غسل کیا جائے اور خوشبو وغیرہ کا بھی بقدر وسعت استعمال کیا جائے۔

غسل جمعہ کا اجر وثواب:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور اگر میسر ہو تو خوشبو بھی لگائے اور اپنے (پاس کے موجود) کپڑوں میں سے عمدہ کپڑے پہن کر جمعہ کی نماز کو جائے (اور مسجد میں پہنچ کر) جس قدر ہو سکے نوافل اور سنتیں پڑھے اور کسی کو تکلیف نہ دے اور نماز سے فارغ ہونے تک خاموش رہے تو (یہ نماز) اس کے لیے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے تمام گناہوں کے لیے کفارہ ہو جائے گی۔

(صحیح ابن خزیمہ: ج ۳ ص ۱۳۸)

میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”جو شخص میت کو غسل دے تو اسے بھی غسل کرنا چاہئے۔“

(مشکوٰۃ: ج ۱ ص ۹۳)

ائمہ دین نے کہا ہے کہ میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا فرض نہیں ہے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا، تو آپ کی بیوی حضرت اسماء

بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے آپ کو غسل دیا۔ غسل کے بعد وہ باہر آئیں اور جو مہاجرین (صحابہ رضی اللہ عنہم) وہاں موجود تھے۔ ان سے دریافت کیا کہ آج سخت سردی ہے اور میرا روزہ بھی ہے۔ کیا میرے لیے غسل کرنا ضروری ہے؟ انہوں نے کہا: ”نہیں“۔ (موطا امام مالک: ص ۲۰۴)

عیدین کے موقع پر غسل:

اہلِ دین کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ وہ عیدین کے دن غسل، خوشبو اور حسب استطاعت عمدہ لباس پہننے کا اہتمام کرتے ہیں، چنانچہ امام مالکؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ معمول نقل کیا ہے کہ وہ عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے غسل کیا کرتے تھے۔ (موطأ: ص ۱۶۵)

نوٹ: غسلِ عیدین کے سلسلہ میں مرفوع روایات جتنی بھی آئی ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔

غسلِ اِحرام:

حج یا عمرہ کا اِحرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا سنت ہے۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ:

> آپ ﷺ نے اِحرام باندھنے کے لیے کپڑے اتارے اور غسل فرمایا۔ (ترمذی: ج ۱، ص ۱۳۳)

مکہ مکرمہ میں داخلہ کے وقت غسل:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ آتے تو مکہ کے باہر ذی طُوٰی نامی جگہ میں رات گزارتے اور صبح غسل کرنے کے بعد مکہ میں داخل ہوتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۲۲۶)

وقوفِ عرفات کے لیے غسل:

جو شخص حج کے لیے عرفات میں وقوف کرے اس کے لیے غسل کرنا

مستحب ہے۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اِحرام باندھنے سے پہلے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور عرفات کی شام کو وقوف کرنے کے لیے غسل فرمایا کرتے تھے۔ (موطا: ص ۳۲۸)

مسلمان ہونے پر غسل:

حضرت ثُمامہ رضی اللہ عنہ بن اُثال کے متعلق آتا ہے کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں غسل کرنے کا حکم دیا۔ (بلوغ المرام: ص ۱۹)

مِسواک کا بیان

مسواک کی اہمیت وفضیلت:

طہارت و پاکیزگی اور نظافت کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے جن چیزوں پر خاص طور سے زور دیا اور بڑی تاکید فرمائی ہے ان میں سے ایک مسواک بھی ہے۔ آپ ﷺ مسواک کا غیر معمولی اہتمام فرماتے تھے' اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ سے سو سے زیادہ احادیث مروی ہیں۔

مسواک رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ:

مسواک کے جو طبی فوائد ہیں اور بہت سے امراض کا اس کی وجہ سے جو تحفظ ہوتا ہے۔ آج کل ہر صاحب شعور اس سے کچھ نہ کچھ ضرور واقف ہے' لیکن دینی نقطہ نگاہ سے اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بہت راضی کرنے والا عمل ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

> "السواك مطهرة للفم ومرضاة للرب". (نسائی: ج ۱ ص ۳)
>
> "مسواک منہ کو بہت زیادہ پاک صاف کرنیوالی اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ راضی کرنے والی چیز ہے۔"

کسی چیز میں حسن وخوبی کے دو پہلو ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ حیات دنیوی کے لحاظ سے فائدہ مند اور عام انسانوں کے نزدیک پسندیدہ ہو اور دوسرے یہ کہ وہ اللہ کی محبوب اور اجرِ اُخروی کا وسیلہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بتلایا ہے کہ مسواک میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں۔ اس سے منہ کی صفائی ہوتی ہے، گندے، مضرت رساں اور غلیظ مادے خارج ہو جاتے ہیں، نیز منہ کی بدبو زائل ہو جاتی ہے۔ یہ اس کے نقد دنیوی فوائد ہیں اور دوسرا اُخروی اور ابدی نفع اس کا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کا بھی وسیلہ وذریعہ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ”اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت پر بہت مشقت پڑ جائے گی، تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنا ان پر لازم کر دیتا۔“ (مسلم: ج۱، ص۱۲۸)

حدیث کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مسواک کی محبوبیت اور اس کے عظیم فوائد دیکھتے ہوئے میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے ہر امتی کے لیے حکم جاری کر دوں کہ وہ ہر نماز کے وقت مسواک ضرور کیا کرے۔ لیکن ایسا حکم میں نے صرف اس خیال سے نہیں دیا کہ اس سے میری امت پر بہت بوجھ پڑ جائے گا۔ اور ہر ایک کے لیے اس کی پابندی مشکل ہو گی۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی ترغیب وتاکید اور تحریص کا ایک عنوان ہے اور بلا شبہ بڑا مؤثر عنوان ہے۔ مذکور حدیث کی بعض روایات میں ”عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ“ کی بجائے ”عِنْدَ کُلِّ وُضُوْءٍ“ بھی وارد ہے۔

(جامع الصغیر: ص۱۳۲)

وصیت جبرائیل علیہ السلام:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

اللہ کے فرشتے جبرائیل علیہ السلام جب بھی میرے پاس آئے ہر دفعہ

انہوں نے مجھے مسواک کے لیے ضرور کہا، خطرہ یہ ہے کہ
(جبرائیل کی بار بار کی اس تاکید ووصیت کی وجہ سے) میں اپنے
منہ کے اگلے حصہ کو مسواک کرتے کرتے کہیں چھیل نہ ڈالوں۔"

(مسند احمد: ج ۵، ص ۲۶۳)

مسواک کے بارہ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی بار بار یہ تاکید ووصیت دراصل اللہ ہی کے حکم سے تھی اور اس کا خاص راز یہ تھا کہ جو ہستی اللہ تعالیٰ سے مخاطب اور مناجات میں ہمہ وقت مصروف رہتی ہو اور اللہ کا فرشتہ جس کے پاس بار بار آتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت اور اس کی طرف دعوت جس کا خاص وظیفہ ہو۔ اس کے لیے خاص طور سے ضروری ہے کہ وہ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام کرے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

مسواک کے خاص اوقات اور مواقع

نیند سے بیداری کے بعد:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ دن میں یا رات میں جب بھی نیند سے بیدار ہوتے، تو وضو کرنے سے پہلے مسواک ضرور فرماتے۔ (ابوداود: ج ۱، ص ۹)

نمازِ تہجد سے پہلے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب رات میں تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو آپ ﷺ کا معمول تھا کہ مسواک سے اپنے منہ کو خوب اچھی طرح صاف فرماتے اور (پھر وضو کر کے تہجد میں مشغول ہو جاتے)۔

(بخاری: ج ۱، ص ۱۵۲، مسلم: ج ۱، ص ۱۲۸)

تلاوتِ قرآن کے وقت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''بندہ جب مسواک کرتا ہے، پھر نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے، تو ایک فرشتہ اس کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کی قراءت سنتا ہے اور اس کے بہت قریب آ جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیتا ہے۔'' (بزار: ج۲، ص۲۱۴)

قرآن مجید کا جو بھی لفظ اس (نمازی) کے منہ سے نکلتا ہے (سیدھا) فرشتے کے سینہ میں پہنچتا ہے، اس لیے تم اپنے منہ قرآن مجید کے لیے صاف ستھرے رکھا کرو۔

جس طرح تتلی پھول کی، اور پروانہ شمع کا دلدادہ ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی یہ نورانی مخلوق فرشتے بھی تلاوت وذکر اور اعمالِ خیر کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ جہاں بھی اس طرح کی مجلسیں دیکھتے ہیں، فوراً جا پہنچتے ہیں۔ اب جو بندہ اچھی طرح وضو کر کے پاک صاف ہو گیا، مسواک کے ذریعہ اپنا منہ بھی اس نے صاف ستھرا کر لیا، نماز کی نیت باندھ لی اور کلام اللہ کی تلاوت میں مشغول ہو گیا، تو یوں سمجھئے کہ وہ ملکوتی دنیا میں پہنچ گیا اور فرشتوں کا نہایت محبوب بن گیا، اب اس میں اور فرشتوں میں کسی طرح کا فاصلہ نہیں رہا، اس کی زبان سے نکلنے والے ہر لفظ پر فرشتے لپک رہے ہیں۔

گھر میں داخل ہوتے وقت:

شُرَیح بن ہانی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب باہر سے گھر میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے؟ تو انہوں نے فرمایا: سب سے پہلے آپ ﷺ مسواک فرماتے۔ (مسلم: ج۱، ص۱۲۸)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسواک صرف وضو ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ سو کر اٹھنے کے بعد اور مسواک کئے زیادہ دیر گزرنے کے بعد اگر وضو کرنا نہ بھی ہو، تب بھی مسواک کر لینی چاہیے۔

غالبًا انہی احادیث کی بنا پر علماء نے لکھا ہے کہ مسواک کرنا یوں تو ہر وقت مستحب اور باعث اجر و ثواب ہے، لیکن پانچ مواقع پر مسواک کی اہمیت زیادہ ہے:

① وضو کے وقت، ② نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت، ③ قرآن مجید کی تلاوت کے لیے، ④ نیند سے بیدار ہوتے وقت، ⑤ منہ میں بدبو پیدا ہو جانے یا دانتوں کے رنگ میں تغیر آ جانے کے وقت۔

(فقہ السنہ: ج۱، ص۴۵، سبل السلام: ج۱، ص۴۱)

جس کے دانت نہ ہوں:

جس شخص کے دانت نہ ہوں تو اس کے لیے سنت یہ ہے کہ اپنی انگلیوں سے ہی مسواک کا کام لیتے ہوئے منہ کی صفائی کر لے۔ حدیث میں ایسا ہی ذکر آیا ہے۔ (فقہ السنہ: ج۱، ص۴۲، سبل السلام: ج۱، ص۴۱)

مسواک کرنا سنتِ انبیاءؑ ہے:

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"چار چیزیں پیغمبروںؑ کی سنتوں میں سے ہیں:

① شرم و حیا، ② خوشبو لگانا،
③ مسواک کرنا، ④ نکاح کرنا۔"

(مشکوٰۃ شریف: ج۱، ص۴۴)

نماز کا درجہ بڑھانے میں مسواک کا اثر:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وہ نماز جس کے لیے مسواک کی جائے، اس نماز کے مقابلہ میں جو

بلا مسواک کے پڑھی جائے ستر درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔“
(مشکوۃ: ج ۱ ص ۴۵)

جس کام میں محنت و مشقت زیادہ ہو عام قاعدہ ہے کہ اس کی قدر و قیمت اور اجر و ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے' لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ عمدگی' خوشنمائی اور سلیقہ مندی بھی بڑی اہم چیز ہے۔ ایک کام جو بہت معمولی توجہ اور کوشش سے اگر بہت عمدہ ہو سکتا ہے تو اس معمولی توجہ کی بھی بہت اہمیت ہو گی۔ مسواک کا معاملہ کچھ اسی طرح کا ہے۔ اس میں اگرچہ محنت کچھ بھی نہیں ہے' لیکن نماز کی خوبی و عمدگی میں اس سے اضافہ ہوتا ہے۔ اور انسان بارگاہِ خداوندی میں جس منہ سے ہمکلامی کرنے والا ہے اسے پاک صاف کر کے تیار ہو جاتا ہے۔

بیداری کے بعد ہاتھ دھونا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی نیند سے بیدار ہو تو ہاتھ برتن میں نہ ڈالے۔ جب تک اسے تین دفعہ نہ دھو لے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ رات میں اس کا ہاتھ کہاں کہاں لگتا رہا۔“ (مشکوۃ: ج ۱ ص ۴۵)

جمہور علماء نے ہر نیند کے بعد ہاتھوں کو دھونا مستحب کہا ہے' لیکن امام احمدؒ اس کو رات کی نیند سے خاص کرتے ہیں۔ کیونکہ ترمذی میں ”اذا استیقظ أحدکم من اللیل“. کے الفاظ آئے ہیں۔ پھر برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دھونا جمہور علماء کے نزدیک سنت ہے۔ لیکن امام احمدؒ اس کے واجب ہونے کے قائل ہیں۔

امام بخاریؒ بھی جمہور علماء کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے صحیح بخاری میں ایک باب یوں منعقد کیا ہے:

”کیا جنبی اپنے ہاتھ دھونے سے پہلے برتن میں ڈال سکتا ہے؟ جبکہ جنابت کے سوا ہاتھ میں کوئی گندگی نہ لگی ہو۔“

اس کے تحت امام بخاریؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت براء رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ وہ اپنا ہاتھ وضو کے پانی میں بغیر دھوئے ڈال دیا کرتے تھے۔

(فتح الباری: ج ۱ ص ۲۷۲)

شیطان کا ناک پر رات گذارنا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "جب کوئی تم میں سے سو کر اٹھے اور وضو کرے اُسے چاہیے کہ تین دفعہ ناک جھاڑے۔ کیونکہ شیطان اس کی ناک پر رات گذارتا ہے۔" (مشکوۃ: ج ۱ ص ۴۵)

شیطان کا رات گذارنا تو حقیقت ہے لیکن اس کی کیفیت کو ہم نہیں سمجھ سکتے، ایسی چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن ان کی کیفیت اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینی چاہیے۔ پھر ناک پر رات گذارنے کا مطلب یہ ہے کہ دیر تک سوئے رہنے کی وجہ سے ناک میں گندگی جمع ہو جاتی ہے جس سے سستی سی پیدا ہو جاتی ہے اور فسادِ ذہن اور قوتِ متفکرہ میں خرابی کا امکان زیادہ ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں شیطان کو وسوسہ ڈالنے میں مدد ملتی ہے اور ذکر و فکر سے روکنا آسان ہو جاتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ: ج ۱ ص ۲۴۰)

وضو کا بیان

وضو کی فضیلت و برکت:

وضو کی عظمت و اہمیت اس سے زیادہ اور کیا ہو گی کہ خود قرآن میں نہ صرف اس کا حکم ہے بلکہ تفصیلاً مذکور ہے کہ وضو میں کن کن اعضاء کو دھویا جائے۔ نیز یہ بھی وضاحت کی کہ وضو نماز کے لیے لازمی شرط ہے جیسا کہ

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ

وَاَيۡدِيَكُمۡ اِلَى الۡمَرَافِقِ وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ اِلَى الۡكَعۡبَيۡنِ ﴿٦﴾ (المائدۃ)

''مومنو! جب تم نماز کے لیے اٹھو' تو پہلے اپنے چہروں کو دھولو اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو۔ اور اپنے سروں پر مسح کر لو اور پھر اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھولو۔''

رسول اللہ ﷺ نے وضو کی فضیلت و برکت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''میں قیامت کے روز اپنی امت کے لوگوں کو پہچان لوں گا۔'' کسی نے کہا یا رسول اللہ! یہ کیسے؟ وہاں تو ساری دنیا کے انسان جمع ہوں گے۔ فرمایا: ''ایک پہچان یہ ہو گی کہ وضو کی وجہ سے میری امت کے چہرے اور ہاتھ' پاؤں جگمگا رہے ہوں گے۔''

(الفتح الربانی لترتیب مسند احمد بن حنبل الشیبانی: ج ٢' ص ٣٠)

''مومن کا زیور وہاں تک پہنچے گا' جہاں تک اس کا وضو پہنچے گا۔''

(مشکوۃ: ج ١' ص ٣٩)

جو لوگ نماز نہیں پڑھتے' وضو نہیں کرتے' خدا معلوم ان کی علامت کیا ہو گی وہ لوگ امت میں شمار بھی ہو سکیں گے یا نہیں۔ خوفِ خدا سے ہر آدمی کو نماز کی پابندی کرنی چاہیے۔

وضو آدھا ایمان ہے:

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وضو نصف ایمان ہے''۔ (مشکوۃ: ج ١' ص ٣٨)

اس حدیث میں لفظ ایمان سے بعض نے نماز مراد لی ہے' جیسا کہ آیت ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيۡعَ اِيۡمَانَكُمۡ﴾ میں ایمان سے مراد نماز ہے۔ نماز چونکہ وضو کے بغیر نہیں ہوتی' اس لیے آدھی نماز وضو ہے۔ اور بعض نے حقیقی ایمان مراد لیا

ہے۔ پھر تنصیف اس طرح بنائی ہے کہ ایمان لانے سے چونکہ پچھلے صغیرہ کبیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور وضو کرنے سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، تو آدھے گناہ وضو سے بھی معاف ہو گئے۔ اس لیے ایمان کا نصف، وضو ہو گیا۔

وضو کی نگہداشت مومن ہی کر سکتا ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”ٹھیک ٹھیک راہِ حق پر قائم رہو، تم ہرگز راہِ حق پر جمے رہنے کا حق ادا نہ کر سکو گے۔ (لہٰذا اپنے قصور اور عاجزی کا احساس کرو) اور خوب سمجھ لو کہ تمہارے سارے اعمال میں سب سے بہتر نماز ہے، اور وضو کی پوری پوری نگہداشت تو بس مومن ہی کر سکتا ہے۔“

(مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۳۹)

وضو کی نگہداشت اور اس کے اہتمام میں ہر ہر عُضو کو اچھی طرح آداب و مستحبات کی رعایت کرتے ہوئے دھونا بھی شامل ہے، اور اکثر اوقات باوضو رہنا بھی وضو کے اہتمام ہی میں داخل ہے اور ظاہر ہے کہ بدن کی پاکی کا اس قدر اہتمام وہی کر سکتا ہے جس کی روح بھی پاک اور نورِ ایمان سے منور ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

> ”ہمیشہ (ہر وقت) باوضو رہنا شیطان سے محفوظ رہنے کا سب سے بڑا سبب ہے۔“ (حجۃ اللہ البالغہ)

وضو سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں:

حضرت عبداللہ صُنابحی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”جب کوئی مومن وضو کرتا ہے تو کلی سے اس کے منہ کے تمام گناہ گر جاتے ہیں، اور جب ناک جھاڑتا ہے تو ناک کے تمام گناہ گر جاتے ہیں، یہاں تک کہ آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے بھی نکل

جاتے ہیں۔ جب ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے تمام گناہ نکل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں اور جب سر پر مسح کرتا ہے تو اس کے سر سے گناہ نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ کانوں سے بھی نکل جاتے ہیں۔ پھر جب اپنے دونوں پاؤں دھوتا ہے تو اس کے پاؤں سے گناہ نکل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ پاؤں کے ناخنوں سے بھی نکل جاتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا نماز کے لیے جانا اور نماز پڑھنا اس کے لیے (درجات کی بلندی کا) باعث ہے۔" (مشکوٰۃ: ج۱، ص۳۹)

وضو گناہوں کی صفائی اور معافی کا ذریعہ ہے:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس شخص نے وضو کیا اور (بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق) خوب اچھی طرح وضو کیا تو اس کے سارے گناہ نکل جائیں گے، یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی۔"

(صحیح مسلم: ج۱، ص۱۲۱)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق باطنی پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے آداب وسنن وغیرہ کی رعایت کے ساتھ اچھی طرح وضو کرے گا تو اس سے صرف اعضائے وضو کی میل کچیل اور حدث والی باطنی ناپاکی ہی دور نہ ہوگی، بلکہ اس کی برکت سے اس کے سارے جسم کے گناہوں کی ناپاکی بھی نکل جائے گی اور وہ شخص حدث سے پاک ہونے کے علاوہ گناہوں سے بھی پاک صاف ہو جائے گا۔

میدان حشر میں نورانی چہرے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إن أمتي يدعون يوم القيامة غرا محجلين من آثار الوضوء". (صحیح بخاری: ج۱، ص۲۵، صحیح مسلم: ج۱، ص۱۲۶)

"قیامت کے دن میری امت بلائی جائے گی تو وضو کے اثر سے ان کے ہاتھ، پاؤں اور چہرے نورانی اور روشن ہوں گے۔"

یعنی دنیا میں تو وضو کا ایک یہی اثر نظر آتا ہے کہ اس سے اعضاءِ وضو دھل کر پاک وصاف ہو جاتے ہیں۔ اور طبیعت کو ایک طرح کی تازگی اور انبساط حاصل ہوتا ہے لیکن آخرت میں اس کی برکت یہ ظاہر ہوگی کہ یہ اعضاء روشن اور چمکدار ہوں گے اور انسانوں کے اس جنگل میں اہل ایمان کی یہ ایک بڑی پہچان ہوگی۔ دوسری حدیث میں اس طرح ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اپنی امت کے جو افراد آپ ﷺ نے دیکھے نہیں قیامت میں آپ ﷺ انہیں کیسے پہچانیں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "وضو کے اثر سے ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں روشن ہوں گے۔" (ابن ماجہ: ج۱، ص۲۵)

مومن کا زیور:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دوست حضرت محمد ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"تبلغ الحلية من المؤمن حيث يبلغ الوضوء". (مسلم: ج۱، ص۱۲۷)

"(بہشت میں) مومن کا زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا۔"

خشک ایڑیوں کے لیے عذاب:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے (وضو کیا مگر) ایڑیاں نہیں دھوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"ويل للأعقاب من النار". (بخاری: ج۱، ص۲۸، مسلم: ج۱، ص۱۲۴)

"(ایسی) ایڑیوں کے لیے جہنم کی ہلاکت و بربادی ہے۔"

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ويل للأعقاب وبطون الأقدام من النار". (ابن خزیمہ: ج۱ ص۸۴)

"ایڑیوں اور قدم کے اندر والے حصے کے لیے جہنم کی ہلاکت و بربادی ہے۔"

ناقص وضو کے برے اثرات:

اَعضاءِ وضو میں اکثر حصے تو ایسے ہیں جن پر پانی پڑتے ہی خود بخود آسانی سے سب جگہ پہنچ جاتا ہے، لیکن بعض حصے ایسے ہوتے ہیں، جن پر اگر خاص طور پر ارادہ وتوجہ کر کے پانی نہ پہنچایا جائے تو وہ خشک رہ جاتے ہیں، جیسے ایڑی، پاؤں کے تلوے اور انگلیوں کے درمیان کی جگہ، اس لیے ان احادیث میں ان جگہوں کے متعلق خاص تاکید فرمائی گئی تاکہ ان جگہوں کی طرف سے غفلت نہ ہو جائے۔

حضرت ابوروح کلاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک بار رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھاتے وقت سورۂ روم پڑھی۔ آپ کو اس میں اشتباہ ہو گیا۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

"شیطان نے ہماری قراءت میں شبہ ڈال دیا اور اس کا سبب وہ لوگ ہیں، جو وضو کئے بغیر نماز کو آجاتے ہیں۔ لہٰذا جب تم لوگ نماز کو آؤ تو اچھی طرح وضو کر کے آیا کرو۔" (الفتح الربانی: ج۲ ص۴۶)

جماعت میں چونکہ سب کی نماز ایک دوسرے سے مل جاتی ہے اس لیے اگر کسی میں کوئی خوبی ہے تو اس سے سب کو فائدہ ہوتا ہے اور اگر کوئی نمازی اپنے ساتھ کوئی برائی لے کر آتا ہے تو اس کے اثرات بھی دوسروں پر پڑتے ہیں۔ غور کیجئے کہ وضو کے ناقص ہونے کا اثر کہاں تک ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو قراءت

میں شبہ واقع ہو گیا۔

کامل وضو کرنے کی تاکید اور اسے ادھورا چھوڑنے پر وعید:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”یا تو تم انگلیوں کے درمیان وضو (کا پانی) خوب اچھی طرح پہنچا لیا کرو ورنہ (جہنم کی آگ) خوب خوب ان انگلیوں میں پہنچائی جائے گی۔“ (مجمع الزوائد: ج ۱ ص ۲۳۶)

ناپسندیدگی کے باوجود وضو سے بلندیٔ درجات:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> (اے صحابہ رضی اللہ عنہم!) کیا میں تمہیں ایسے اعمال نہ بتا دوں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دے اور درجے بلند فرما دے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، حضور! ضرور فرمایئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
>
> ① طبیعت کی ناگواری کے باوجود اچھی طرح پورا وضو کرنا۔
>
> ② مسجدوں کی طرف قدموں کی کثرت۔
>
> ③ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں رہنا۔
>
> بس یہی ہے، حقیقی ”رباط“ یہی ہے حقیقی ”رباط“ یہی ہے اصل ”رباط“۔“ (مسلم: ج ۱ ص ۱۲۷)

جو نیکی دل کو پسند ہو اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہو، ثواب تو اللہ تعالیٰ اس پر یقیناً دیتا ہے، لیکن جو نیکی محض حکم الٰہی ہونے کی خاطر کی جائے اور طبیعت کو پسند نہ ہو اس پر اجر وثواب زیادہ ہے۔

سردی کے موسم میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا طبیعت کو کس قدر گراں گزرتا ہے، مگر طبیعت کی گرانی وناپسندیدگی سے بے پرواہ ہو کر جب ایک مومن اللہ کے حکم

کو پورا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے کا یہ جذبہ بہت قابل قدر ہوتا ہے۔

وضو سے پہلے "بسم اللہ" پڑھنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے پانی مانگا۔ آپ ﷺ نے پوچھا "کیا تمہارے پاس کچھ پانی ہے؟" تو آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ رکھا اور فرمایا: "بسم اللہ پڑھ کر وضو کرو۔" (نسائی: ج۱، ص۱۳)

مسند احمد اور سنن میں سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اس شخص کا کوئی وضو نہیں ہے جس نے اللہ کا نام نہیں لیا۔"

(مشکوٰۃ: ج۱، ص۴۶، بلوغ الامانی: ج۲، ص۲۰)

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: وضو کے بارے میں یہ حدیث سب سے احسن ہے۔ (ترمذی: ج۱، ص۱۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ:

"جس کا وضو نہیں ہے اس کی نماز نہیں ہے، اور جس نے اللہ کا نام لے کر وضو نہیں کیا۔ اس کا وضو نہیں ہوا۔"

(ابو داود: ج۱، ص۱۵، بلوغ الامانی: ج۲، ص۲۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"جس نے اللہ کا نام لے کر وضو نہیں کیا، وضو سے محروم رہا۔"

(مشکوٰۃ: ج۱، ص۴۶)

ان مذکورہ تمام روایات کی اسناد اگرچہ محل نظر ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: "ان احادیث کا مجموعہ تسمیہ کی اصلیت کو قوی کر دیتا ہے۔"

(تلخیص: ج۱، ص۷۵)

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں: "مذکورہ احادیث، وضو میں تسمیہ کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، چنانچہ حضرت امام احمد تسمیہ کو واجب قرار دیتے ہیں اور باقی ائمہ

ثلاثہ بسم اللہ پڑھنے کو سنت کہتے ہیں۔ اگر بالفرض یہ احادیث نہ بھی ہوتیں تب بھی اس کا سنت ہونا ثابت تھا۔" کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہر اچھے کام کو بسم اللہ سے شروع کرتے اور فرماتے: "جس کام کو بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے اس میں برکت نہیں ہوتی۔" (نیل الاوطار: ج ۱ ص ۱۳۶)

وضو سے قبل دعائیں:

وضو سے پہلے سوائے بسم اللہ کے کوئی دعا صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے جو لوگ وضو میں ہر عضو پر دعائیں پڑھتے ہیں وہ سب ایجاد بندہ ہیں، سنت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت نہیں۔ صرف ایک دعا رسول اللہ ﷺ سے وضو کے دوران ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وضو کرتے ہوئے پاؤں دھونے پر آتے تو یہ دعا پڑھتے:

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ

اے اللہ! میرے گناہ معاف کر دے اور میرا گھر کشادہ کر دے اور برکت عطا فرما

فِیْ رِزْقِیْ ○ (عمل الیوم واللیلۃ' لابن سنی: ص ۸)

میرے رزق میں"

وضو کا مسنون طریقہ:

نبی اکرم ﷺ جب نماز کا ارادہ فرماتے تو وضو کا پانی لیتے اور بسم اللہ پڑھ کر دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوتے، پھر تین دفعہ کلی کرتے اور مسواک بھی کرتے، پھر تین دفعہ ناک میں پانی ڈالتے اور بائیں ہاتھ سے ناک چھڑک چھڑک کر خوب اچھی طرح صاف کرتے۔ (اگر تین دفعہ پانی لے کر آدھا منہ میں اور آدھا ناک میں ڈال لیا جائے تو بھی درست ہے) پھر تین دفعہ منہ دھوتے اور ڈاڑھی مبارک کا خلال کرتے۔ (یعنی پانی کا چلو لے کر ہاتھوں کی

انگلیاں ڈاڑھی کے بالوں میں داخل کر کے ملتے' تا کہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچ جائے اور اچھی طرح تر ہو جائیں اور آنکھوں کے گوشوں کو بھی ملتے) پھر تین دفعہ کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھوتے۔ پھر الگ پانی لے کر پیشانی مبارک کے بالوں سے دونوں ہاتھ رکھ کر گدّی تک لے جاتے۔ پھر گدّی سے پیشانی تک واپس لاتے۔ یعنی جہاں سے شروع کیا تھا وہاں ختم کرتے۔ یہ مسح صرف ایک دفعہ کرتے۔ (اور اگر آپ ﷺ کے سر پر عمامہ مبارک ہوتا تو اسے اوپر کر کے سر کے کچھ حصہ تک سر پر اور باقی عمامہ کے اوپر سے سر کے آخری حصہ تک مسح کرتے) پھر نیا پانی لے کر دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں دونوں کانوں کے سوراخ میں رکھ کر کان کے اندر مسح کرتے۔ انگوٹھوں کو کان کی پشت پر پھیرتے۔ (گردن کا مروجہ مسح ثابت نہیں ہے) پھر تین بار ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں چھوٹی پنڈلی تک دھوتے' پہلے دایاں پھر بایاں' ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرتے۔

نوٹ: ہر عضو کو تین دفعہ دھونا سنت ہے۔ اگر ایک یا دو پر اکتفا کر لیا جائے تو بھی درست ہے۔

وضو کے بعد اذکار:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے جو شخص بھی وضو کرے اور اعضاء کو پوری طرح دھوئے اور یہ دعا پڑھے تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں: جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔"

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی بھی مستحق عبادت نہیں وہ اکیلا ہے۔ کوئی بھی اُسکا شریک

مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○

نہیں ہے' اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے (کامل) بندے اور اس کے رسول ہیں۔

امام ترمذی نے شہادتین کے بعد اِن الفاظ کا اِضافہ بھی ذکر کیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ○

اے اللہ! مجھے توبہ کرتے رہنے والوں میں شامل کر اور مجھے پاکیزہ بنا۔ (مشکوٰۃ: ص ۳۹)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص وضو سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھتا ہے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ

تو پاک ہے' اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے بخشش

اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ ○ (عمل الیوم واللیلۃ: ص ۹)

کا طلبگار ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔

تو اس کو سر بمہر کر کے عرشِ الٰہی کی طرف اٹھا دیا جاتا ہے' جہاں وہ مہر قیامت تک نہیں توڑی جائے گی۔''

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں:

> ''اس سے زیادہ وضو کی دعا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے' بعض لوگ وضو کے خاتمہ پر سورت ﴿اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ﴾ پڑھتے ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے جو کچھ سنت سے ثابت ہو وہی کرنا چاہیے' اللہ تعالیٰ کی رضا اسی میں ہے۔''

(نیل الاوطار: ج ۱' ص ۲۰۵)

تحیۃ الوضوء کی فضیلت:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز پوری توجہ سے پڑھے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔"

(مشکوٰۃ: ج۱ ص۳۹)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وضو کے بعد کم از کم دو نفل ضرور پڑھ لینے چاہئیں۔ یہ نفل تحیۃ الوضو کہلاتے ہیں۔ اگر زیادہ ہوں تو بہتر ہے، ورنہ کم از کم دو تو ضرور ہوں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے جنت میں اپنے آگے دیکھا تھا تو وہ انہی نوافل کی بدولت وہاں پہنچے تھے۔

سنت کے مطابق وضو کی فضیلت:

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"من توضأ كما أمر وصلى كما أمر غفر له ما تقدم من عمل". (نسائی: ج۱ ص۲۰)

"جس نے وضو اور نماز سنت کے مطابق ادا کی تو اس کے پہلے گناہ معاف ہو گئے۔"

تین بار سے زیادہ پانی کا استعمال ممنوع ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب رحمہ اللہ سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

- ایک اعرابی وضو کے بارے میں سوال کرتے ہوئے (یعنی وضو کا طریقہ پوچھتے ہوئے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس کو اعضاء کا تین بار دھونا دکھایا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس اعرابی سے فرمایا کہ وضو ایسے کیا جاتا ہے۔

جس نے اس میں اپنی طرف سے اضافہ کیا، تو اس نے برائی، زیادتی اور ظلم کیا۔ (نسائی: ج۱، ص۲۰)

نوٹ: اگرچہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے، لیکن حقیقت یہی ہے کہ جس نے احکاماتِ اسلام میں اپنی عقل اور اپنی سمجھ کے مطابق کوئی کمی یا اضافہ کیا تو اس نے اپنے آپ پر بدترین زیادتی اور ظلم کیا۔ اور اپنے حق میں آگ کا سودا کیا۔

وضو کے پانی میں اسراف منع ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ ایک دفعہ وہ وضو کر رہے تھے، اور اس میں پانی کے استعمال میں فضول خرچی سے کام لے رہے تھے، تو اتفاقاً رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گزرے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! یہ بھی اِسراف میں داخل ہے، اگرچہ تم کسی جاری نہر کے کنارے پر ہی کیوں نہ ہو۔'' (ابن ماجہ: ج۱، ص۲۴)

وضو کے بعد تولیہ یا رومال کا استعمال:

حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا: جب آپ ﷺ وضو فرماتے، تو اپنے کپڑے کے کنارے سے چہرہ مبارک پونچھ لیتے۔ (ترمذی: ج۱، ص۹)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سنداً ضعیف ہے، اس سلسلہ میں کچھ دیگر روایات بھی موجود ہیں، مگر سند کے لحاظ سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے، بدیں وجہ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض کراہت کے قائل ہیں، اور بعض جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔

صاحب تحفۃ الاحوذی علماء کا اختلاف ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک جواز کا فتویٰ زیادہ راجح ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ج۱، ص۵۸)

ایک وضو سے کئی نمازیں جائز ہیں:

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتحِ مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے کئی نمازیں ایک وضو سے ادا فرمائیں اور موزوں پر مسح بھی کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ! آج کے دن آپؐ نے وہ کام کیا ہے جسے پہلے آپؐ نہ کرتے تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے قصداً ایسا کیا ہے۔“ (مسلم: ج۱، ص۱۳۵)

جنگِ احزاب (خندق) میں بھی رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی وضو سے کئی ایک نمازیں پڑھیں اور فرمایا: ”جب تک وضو نہ ٹوٹے اس سے کئی نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔“

بے وضو نماز نہیں ہوتی:

نماز کے لیے وضو ضروری ہے، وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی، عذر کی وجہ سے وضو نہ ہو سکے تو ”تیمّم“ اس کی جگہ کام دے سکتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”نماز جنت کی چابی ہے، اور نماز کی چابی طہارت، یعنی وضو ہے۔“ (مشکوٰۃ: ج۱، ص۳۹)

جس طرح کوئی شخص مقفل گھر میں چابی سے تالہ کھولے بغیر داخل نہیں ہو سکتا، اسی طرح بغیر وضو کے نماز میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”لا تقبل صلوة من أحدث حتى يتوضأ“۔ (مشکوٰۃ: ج۱، ص۴۰
>
> ”جس کا وضو نہ ہو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ جب تک وضو نہ کر لے۔“

اُن چیزوں کا بیان جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

بول و براز اور جنابت سے وضو ٹوٹ جاتا ہے:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝٤٣﴾ (النسآء)

”اے ایمان والو! تم جب نشے میں مست ہو تو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ، جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو اور نہ جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کرلو۔ ہاں اگر راہ چلتے مسافر ہو، تو اور بات ہے اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اپنے منہ اور ہاتھ مل لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بے ہوشی، جنابت، بول و براز اور عورت سے مباشرت کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

مذی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مذی

کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"مذی کے نکلنے سے وضو لازم ہے اور منی کے نکلنے سے غسل واجب ہے۔" (ترمذی: ج۱، ص۳۱)

ہوا خارج ہونے سے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"جب تم میں سے کسی کا وضو ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرتا۔ تاوقتیکہ وہ وضو نہ کر لے۔"

حضرموت سے آئے ہوئے ایک شخص نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، وضو ٹوٹنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: "آواز کے ساتھ یا آواز کے بغیر ہوا کا خارج ہونا۔" (بخاری: ج۱، ص۲۵)

شک سے وضو نہیں ٹوٹتا:

خروج ہوا کے بارے میں خواہ مخواہ شک میں نہیں پڑنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اگر کوئی شخص اپنے پیٹ میں کوئی چیز پائے اور اس کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہو جائے کہ آیا اس کے پیٹ سے کوئی چیز نکلی ہے یا نہیں، تو اسے مسجد سے اس وقت تک نکلنا نہیں چاہیے۔ جب تک وہ آواز نہ سنے یا بو نہ پائے۔" (مسلم: ج۱، ص۵۸)

یعنی اسے یقین ہو جائے کہ اس کے پیٹ سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے۔

نیند سے وضو:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"آنکھ ہوا کے خارج ہونے کی جگہ کا ڈھکنا ہے، اس لیے جب تم

میں سے کوئی سو جائے' تو وضو کرے۔"

(ابن ماجہ: ج ۱' ص ۳۷' ابوداود: ج ۱' ص ۳۰)

لیکن اس سے مراد وہ گہری نیند ہے جس میں انسان بے قابو ہو جائے اور وہ زمین پر بیٹھا نہ رہ سکے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم عشاء کی نماز کا انتظار کیا کرتے تھے' یہاں تک کہ (بیٹھے بیٹھے) ان کے سر جھوم جاتے۔ پھر وہ اٹھتے اور وضو کیے بغیر نماز پڑھتے۔ (ابوداود: ج ۱' ص ۳۰)

بے ہوشی:

بے ہوشی' خواہ جنون سے ہو یا غشی سے' نشہ سے ہو یا دوا سے خواہ کم ہو یا زیادہ' خواہ انسان زمین پر بیٹھا رہ سکتا ہو یا نہ رہ سکتا ہو اس سے وضو بہرحال ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ بے ہوشی میں انسان کو اپنے جسم سے کسی چیز کے نکلنے یا نہ نکلنے کا پتہ نہیں چل سکتا۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ (المغنی: ج ۱' ص ۱۶۴)

شرمگاہ کا چھونا:

اگر شرمگاہ کو اس طرح چھوا جائے کہ درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وہ نماز نہ پڑھے۔ تاوقتیکہ وضو نہ کرے۔" (ابوداود: ج ۱' ص ۱۲۷' ترمذی: ج ۱' ص ۲۵' نسائی: ج ۱' ص ۲۲)

نکسیر اور قے:

ان دونوں سے وضو کر لینے میں احتیاط ہے۔

اُن چیزوں کا بیان جن سے وضو نہیں ٹوٹتا

ذیل میں ہم ان چیزوں کا ذکر کرتے ہیں، جن کے متعلق بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ ان سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، حالانکہ وہ ناقض وضو نہیں ہیں۔

عورت کو چھونا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کا بوسہ لیا، حالانکہ آپ ﷺ روزہ سے تھے اور فرمایا:

"بوسہ سے وضو نہیں ٹوٹتا اور نہ ہی روزہ ٹوٹتا ہے۔" (ابوداود: ج۱، ص۳۳۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے سامنے سوئی ہوئی تھی اور میرے پاؤں آپ ﷺ کے قبلہ کی طرف ہوتے تھے، جب آپ ﷺ سجدے میں جاتے تو مجھے ہاتھ سے ہٹا دیتے اور میں اپنے پاؤں سکیڑ لیتی۔
(بخاری: ج۱، ص۱۶۱)

قہقہہ:

ہنسنے سے وضو نہ ٹوٹنے پر سوائے احناف کے سب کا اتفاق ہے۔
(بدایۃ المجتہد: ۱/۳۱)

وہ چیزیں جن کے لیے وضو ضروری ہے

نماز خواہ فرض ہو یا سنت یا نفل، اس کے لیے وضو کرنا سب کے نزدیک ضروری ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ وضو کے بغیر نماز قبول نہیں کرتے اور نہ ہی اس صدقہ کو قبول کرتے ہیں جو مال غنیمت سے چوری کر کے دیا گیا ہو۔"
(مسلم: ج۱، ص۱۱۹)

ان چیزوں کا بیان جن کے لیے وضو کرنا اچھا ہے

قرآن پڑھتے اور ذکرِ الٰہی کرتے وقت:

حضرت مہاجر بن قُنفُذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ پیشاب کر رہے تھے، میں نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے سلام کا جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وضو کیا اور پھر سلام کا جواب دیا اور فرمایا:

> ”میں نے تمہارے سلام کا جواب صرف اس لیے نہیں دیا کہ مجھے یہ بات پسند نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر پاکیزگی کیے بغیر کروں۔“

(نسائی: ج۱، ص۸، ابوداود: ج۱، ص۴)

اللہ تعالیٰ کا ذکر پاکیزگی کی حالت میں کرنا اچھا ہے، اگرچہ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرنا جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کو تمام اوقات میں یاد فرمایا کرتے تھے۔ (ابوداود: ج۱، ص۴)

سونے سے پہلے:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ”جب تم سونے لگو تو وضو کرو، جیسا کہ تم نماز کے لیے وضو کرتے ہو، پھر دائیں کروٹ پر لیٹ کر یہ دعا پڑھو:

اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيَ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ

اے اللہ! میں نے اپنی جان تیرے حوالے کر دی۔ اپنے چہرے کو تیری طرف پھیر دیا،

اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَيْكَ

اپنے معاملہ کو تیرے حوالے کر دیا۔ تیری محبت اور خوف کے ساتھ تجھ ہی پر ٹیک لگائی،

لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اَللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ

تجھ سے بھاگ کر صرف تیرے ہی پاس پناہ اور نجات کی جگہ ہے۔ اے اللہ! تو نے

اَلَّذِیْٓ اَنْزَلْتَ وَنَبِیِّكَ الَّذِیْٓ اَرْسَلْتَ ○ (مشکوۃ: ص۲۰۹)

جو کتاب اتاری ہے اس پر ایمان لایا اور تو نے جو نبی بھیجا میں اس پر ایمان لایا۔ اگر تم رات کو مر جاؤ' تو فطرت پر مرو گے۔ اس دعا کے بعد کوئی بات نہ کرو۔"

جنابت کی حالت میں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ جنابت کی حالت میں ہوتے اور کھانا یا سونا چاہتے تو وضو فرما لیتے' جیسا کہ آپ ﷺ نماز کے لیے وضو فرماتے تھے۔ (بخاری: ج۱' ص۱۴۳' مسلم: ج۱' ص۱۴۴)

غسل سے پیشتر:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب جنابت سے غسل فرماتے تو سب سے پہلے اپنے ہاتھ دھوتے' پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر استنجا کرتے' پھر وضو کرتے' جیسا کہ آپ نماز کے لیے وضو فرمایا کرتے۔ (مسلم: ج۱' ص۱۴۷)

ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنا:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر نماز کے لیے تازہ وضو فرمایا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے روز آپ ﷺ نے وضو فرماتے ہوئے موزوں پر مسح فرمایا اور پھر پانچوں نمازیں ایک ہی وضو سے ادا فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا' یا رسول اللہ! پہلے تو آپ ایسا نہیں کرتے تھے۔ فرمایا: "اے عمر! میں نے ایسا قصداً کیا ہے۔" (مسلم: ج۱' ص۱۳۵)

معذور کے وضو کا حکم:

وضو کے معاملہ میں اس شخص کو معذور سمجھا جاتا ہے' جو کسی ایسی بیماری میں

مبتلا ہو جس سے ہر وقت وضو توڑنے والی چیز لپٹی رہتی ہو اور مرض سے اتنی مہلت نہ ملتی ہو کہ طہارت سے نماز پڑھ سکے، مثلاً:

۱ سلسل البول، جس کی وجہ سے ہر وقت پیشاب کے قطرے خارج ہوتے رہتے ہیں۔

۲ ریاحی مرض، جس کی وجہ سے ہر وقت ہوا خارج ہوتی رہتی ہو۔

۳ پیٹ کی بیماری جس کی وجہ سے ہر وقت پاخانہ جاری رہتا ہو۔

۴ کسی کو منی یا مذی کا مرض ہو اور ہر وقت بہتی رہتی ہو۔

۵ کسی خاتون کو ہر وقت استحاضہ کا خون آتا رہتا ہو۔

ان تمام صورتوں میں ہر نماز کے لیے نیا وضو ضروری ہے اور یہ وضو اس نماز کے ختم ہونے کے ساتھ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:

> فتتوضأ لكل صلوة لكنها لا تصلي بذلك الوضوء أكثر من فريضة واحدة مؤدة أو مقضية لظاهر قوله، ثم توضئي لكل صلوة. وبهذا قال الجمهور. (فتح الباری: ج۱، ص۴۲۵)

رسول اللہ ﷺ نے استحاضہ والی عورت کو فرمایا کہ ہر نماز کے لیے الگ وضو کر لیا کرو، آپ ﷺ کے اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ مستحاضہ عورت ایک وضو سے صرف ایک ہی نماز پڑھ سکتی ہے۔ نماز خواہ وقتی ہو یا قضا۔ جمہور امت کا یہی مسلک ہے۔

دوسرے معذور افراد کا حکم بھی استحاضہ کا ہی ہے۔ کیونکہ علت اور سبب ایک ہی ہے۔

جرابوں اور موزوں پر مسح کرنے کا بیان

گوناگوں سہولتوں کے پیش نظر شریعت نے موزوں پر مسح کی اجازت دی ہے، سخت موسموں میں بالخصوص ان ممالک میں جہاں غیر معمولی سردی پڑتی ہے، شریعت کے اس انعام پر بے اختیار شکر کے جذبات بیدار ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بے پایاں رحم وکرم کا گہرا احساس پیدا ہوتا ہے اور یہ یقین بڑھتا ہے کہ دین نے ہماری کسی بھی ضرورت اور دشواری کو نظر انداز نہیں کیا۔

موزوں پر مسح خدا کے حکم سے ہے:

حضرت مُغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح کیا، میں نے عرض کیا حضرت! آپ بھول گئے ہیں، فرمایا نہیں بلکہ تم بھول گئے ہو مجھے اللہ نے اس کا حکم دیا ہے۔ (ابوداود: ج۱، ص۲۳)

نوٹ: یہ روایت سند کے لحاظ سے قدرے کمزور ہے۔

موزوں پر مسح تواتر سے ثابت ہے:

موزوں پر مسح رسول اللہ ﷺ سے بتواتر ثابت ہے، تمام ائمہ سنت اس پر متفق ہیں۔ شیعہ اور منکرینِ سنت کے سوا اسلامی فرقوں سے اس کا کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔ مصالح شرعیہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہ رخصت موجود رہے۔

بعض لوگوں نے مسح علی الخفین کے راویوں کو، جو طبقہ اُولیٰ کے ہیں، جمع کیا ہے، جن کی مجموعی تعداد اسی (۸۰) سے بھی بڑھ جاتی ہے، اس تعداد میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ ابن ابی شَیبہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"مجھ سے ستر صحابہ رضی اللہ عنہم نے موزوں پر مسح کرنے کی حدیث

بیان کی۔"

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میں موزوں پر مسح کرنے کا قائل اس وقت تک نہ ہوا جب تک دن کی روشنی کی طرح مجھ پر اس کی وضاحت نہیں ہوگئی۔"

یہ بھی آپ کا قول ہے کہ:

"جو شخص موزوں پر مسح کو جائز نہیں کہتا ہے' مجھے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔"

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"میرے دل میں موزوں پر مسح کے جواز کے متعلق کوئی کھٹکا باقی نہیں ہے۔"

اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی چالیس احادیث آئی ہیں جن میں سے کچھ مرفوع ہیں اور کچھ موقوف۔ (تفسیر مظہری: ج ۳' ص ۳۹۹)

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان احادیث میں سے مندرجہ ذیل دو احادیث بیان کی ہیں۔

حضرت مُغیرہ بن شُعبہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہم رقاب تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مغیرہ لوٹا لے لو' میں نے آپ ﷺ کے ارشاد پر لوٹا اٹھا لیا۔ آپ ﷺ تشریف لے چلے اور اتنی دور چلے گئے کہ میری آنکھوں سے چھپ گئے اور رفع حاجت کر کے واپس تشریف لائے۔ میں نے پانی ڈالا' آپ ﷺ نے نماز جیسا وضو فرمایا اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ نے

پیشاب کرنے کے بعد وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو یہ حدیث بہت پسند تھی کیونکہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ (اگر پاؤں دھونا ضروری ہوتا، جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیت وضو سے بظاہر معلوم ہوتا ہے، تو حضور ﷺ موزوں پر مسح نہ کرتے۔) (مسلم: ج۱، ص۱۳۲، بلوغ الامانی: ج۱، ص۵۷)

جرابوں پر مسح اور شرائطِ فقہاء:

جہاں تک چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کا تعلق ہے اس کے جواز پر قریب قریب تمام اہل سنت کا اتفاق ہے، مگر سوتی اور اونی جرابوں کے معاملے میں عموماً فقہاءِ کرام نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ موٹی ہوں اور شفاف نہ ہوں کہ ان کے نیچے سے پاؤں کی جلد نظر آئے اور وہ کسی قسم کی بندش کے بغیر خود قائم رہ سکیں، لیکن احادیث سے فقہاء کی ان عائد کردہ شرائط کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلاشبہ فقہاء کی یہ شرائط ایجادِ بندہ ہیں، جن پر عمل کرنے کے ہم پابند نہیں ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جو احادیث آئی ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں:

> **عن ثوبان قال بعث رسول الله ﷺ سرية فأصابهم البرد فأمرهم أن يمسحوا على العصائب والتَّساخِين.**

(مسند احمد: ج۵، ص۲۷۵، ابوداود: ج۱، ص۵۶)

> حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک فوجی دستہ بھیجا جنہیں سردی سے تکلیف ہوئی۔ جب وہ واپس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو انہوں نے سردی کی شدت کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ پگڑی اور جرابوں (وغیرہ) پر مسح کرلیا کریں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے توضأ

ومسح على الجوربين والنعلين. وضو کیا اور جراب اور جوتوں پر مسح کیا۔
(ترمذی: ج ۱ ص ۱۱۰)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أن رسول الله ﷺ توضأ ومسح على الجوربين والنعلين.

(ابن ماجہ: ج ۱ ص ۴۱)

رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا۔

حضرت ازرق بن قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

رأيت أنس بن مالك أحدث فغسل وجهه ويديه ومسح على الجوربين من صوف. فقلت: أتمسح عليهما؟ قال: إنهما خفان ولكنهما من صوف.

(الکنی والأسماء للدولابی: ج ۱ ص ۱۸۱)

میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا، انہوں نے حدث (بے وضو ہونا) کے بعد وضو کیا اور اونی جرابوں پر مسح کیا، تو میں نے عرض کی حضرت! آپ نے اونی جرابوں پر مسح کر لیا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”یہ بھی موزے ہیں اُون کے۔“

ان مذکورہ مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف جرابیں پہنے ہوئے جوتے پر مسح کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ ان روایات میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ نبی ﷺ نے فقہاء کی تجویز کردہ شرائط میں سے کوئی شرط بیان فرمائی اور نہ ہی یہ ذکر کسی جگہ ملتا ہے کہ جن جرابوں پر آپ ﷺ نے مسح فرمایا وہ کس قسم کی تھیں، اس لیے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ فقہاء کی عائد کردہ شرائط کا کوئی ماخذ نہیں۔

مسح علی الخفین کے مسئلے پر غور کر کے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ

دراصل یہ تیمّم کی طرح ایک سہولت ہے' جو اہل ایمان کو ایسی حالتوں کے لیے دی گئی ہے جبکہ وہ کسی صورت سے پاؤں ڈھانکے رکھنے پر مجبور ہوں اور بار بار پاؤں دھونا ان کے لیے موجب نقصان یا وجہ مشقت ہو۔ اس رعایت کی بنا اس مفروضے پر نہیں ہے کہ طہارت کے بعد موزے پہن لینے سے پاؤں نجاست سے محفوظ رہیں گے اس لیے ان کو دھونے کی ضرورت باقی نہ رہے گی' بلکہ اس کی بناء اللہ کی رحمت ہے' جو بندوں کو سہولت عطا کرنے کی مقتضی ہوئی۔ لہٰذا ہر وہ چیز جو سردی سے یا راستے کے گرد وغبار سے بچنے کے لیے یا پاؤں کے کسی زخم کی حفاظت کے لیے آدمی پہنے اور جس کے بار بار اتارنے اور پھر پہننے میں آدمی کو زحمت ہو' اس پر مسح کیا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ اونی جراب ہو یا سوتی' چمڑے کا جوتا ہو یا کرمچ کا کوئی کپڑا ہی ہو جو پاؤں پر لپیٹ کر باندھ لیا گیا ہو۔

آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم

امام ابوداودؒ کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما' براء بن عازب رضی اللہ عنہ' انس بن مالک رضی اللہ عنہ' ابوامامہ رضی اللہ عنہ' سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اور عمرو بن حُریث رضی اللہ عنہ نے جرابوں پر مسح کیا ہے' نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ فعل مروی ہے۔ ابن سید الناس نے شرح ترمذی میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ اور شرح الاقناع میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ' بلال رضی اللہ عنہ اور ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کے نام بھی مذکور ہیں۔

اس طرح ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد چودہ بن جاتی ہے پھر سابقہ روایات کی بنا پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کر لیا جائے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی کل تعداد پندرہ ہو جاتی ہے۔ (المسح علی الجوربین' از علامہ قاسمی: ۵۶)

باریک جرابوں پر مسح کا ثبوت:

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب (شافعیہ) نے جرابوں پر مسح کے جواز کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، خواہ وہ باریک ہی کیوں نہ ہوں، اس طرح امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، اور داود ظاہریؒ سے بھی ثابت ہے۔ پھر اس کے بعد امام نوویؒ لکھتے ہیں جن کے نزدیک مسح جائز ہے خواہ وہ باریک ہی کیوں نہ ہوں انہوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے دلیل پکڑی ہے کہ:

أن النبي ﷺ مسح علی جوربیه ونعلیه. (شرح المہذب: ج ۱، ص ۵۰۰)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی جرابوں اور جوتے پر مسح کیا۔

اس روایت میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ وہ جراب باریک تھی یا موٹی، بلکہ مطلق جراب کا ذکر ہے۔ لہٰذا اس اطلاق میں دونوں طرح کی جرابیں شامل ہیں۔

لفظ "جورب" کی لغوی تحقیق:

لغت کی معتبر کتاب "تاج العروس اور لسان العرب" میں ہے "جورب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو پاؤں پر پہنی جائے۔"

قاضی ابوبکر بن العربی لکھتے ہیں "جورب دراصل ان دو پردوں کو کہا جاتا ہے، جو گرمی حاصل کرنے کے لیے پاؤں میں پہنے جاتے ہیں۔"

التوضیح میں ہے "جورب، روئی یا اون وغیرہ سے موزے کی شکل پر بنی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔"

الروض المربع میں ہے "جورب، موزے کی شکل کی چیز جو پاؤں میں پہنی جاتی ہے اور چمڑے کی نہ ہو۔"

علامہ عینی لکھتے ہیں "جورب وہ چیز ہے جو شام کے سرد ترین علاقوں میں

پاؤں میں ٹخنوں سے اوپر تک پہنی جاتی ہے اور وہ اون کے دھاگے سے بنی ہوئی ہوتی ہے۔‘‘

علامہ حُلبی شرح المُنیہ میں لکھتے ہیں ’’جورب اس چیز کو کہتے ہیں جو پاؤں میں سردی وغیرہ کو رفع کرنے کے لیے پہنی جاتی ہے۔ بشرطیکہ وہ خُف اور جُرمُوق نہ ہو۔‘‘ فقہاء نے لکھا ہے کہ جَرموق کے معنی مُوق کے ہیں اور قاموس میں ہے کہ موق اس موٹے موزے کو کہتے ہیں جو اصل موزے کے اوپر پہنا جاتا ہے۔

ابن سیدہ نے کہا ہے کہ موق، موزے کی ایک قسم ہی ہے۔

عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے کہ ’’جرابیں روئی یا سوت کی ہوتی ہیں اور بالوں کی بھی بنتی ہیں۔‘‘

الغرض جراب جیسی مشہور ومعروف چیز کے لیے اس بات کی ضرورت نہیں کہ علماء کے اقوال سے اس کے لغوی یا شرعی معنی کی تائید کی جائے۔ لیکن مذکورہ عبارات ہم نے صرف اس لیے نقل کر دی ہیں تاکہ وہ قول غلط ہو جائے جو بعض کتابوں میں مرقوم ہے کہ ’’جورب اس موزے کو کہتے ہیں جو اصل موزے کے اوپر ٹخنوں تک پہنا جاتا ہے، تاکہ اصل موزے میل کچیل سے محفوظ رہیں۔‘‘

نیز لکھا ہے کہ ’’وہ چمڑے کی ہوتی ہیں۔‘‘

حالانکہ یہ لغت، عرفِ عام اور فقہ، تینوں کے خلاف ہے۔

خلاصہ:

مذکورہ تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ ہر قسم کے موزے پر اطمینان کے ساتھ مسح کیا جا سکتا ہے۔ چاہے وہ اونی ہو یا سوتی، نائیلون ہو یا کسی اور ریشے کا۔ خواہ چمڑے کا ہو یا آئل کلاتھ ریگزین کا۔ حد یہ ہے کہ اگر پاؤں پر کپڑا لپیٹ کر باندھ لیا ہو تو اس پر بھی مسح کرنا جائز ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا یہی فتوی ہے۔ (فتاوی: ج۲۱)

اس طرح حافظ ابن قیمؒ اور امام ابن حزمؒ کا بھی یہی مسلک ہے کہ کسی قید کے

بغیر ہر قسم کے موزے پر مسح کیا جا سکتا ہے۔ (زاد المعاد: ج۱، ص۵۲، محلی: ج۲، ص۸۴)

نیز جمال الدین قاسم الدمشقی نے اس موضوع پر ''مسح جورب'' کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ جس میں محققانہ طریق سے بحث کرتے ہوئے نہایت تفصیل سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے اور دلائل و براہین سے ہر قسم کی جرابوں پر خواہ وہ سوتی ہوں یا اونی، چرمی ہوں یا غیر چرمی، مسح جائز ثابت کیا ہے۔

موزوں اور جرابوں پر مسح کا طریقہ:

دونوں ہاتھوں کی انگلیاں تر کر کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو دائیں پاؤں پر پھیرا جائے اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو اسی طرح بائیں پاؤں پر پھیرا جائے اور پاؤں کی انگلیوں کی طرف سے ٹخنوں کی طرف انگلیاں کھینچی جائیں۔ مسح پاؤں کی پشت پر کیا جائے، پاؤں کے تلووں پر نہ کیا جائے۔ نیز مسح دونوں پاؤں پر صرف ایک بار کیا جائے۔

موزوں اور جرابوں پر مسح کرنے کی شرط:

موزوں اور جرابوں پر مسح اس حال میں جائز ہے جب انسان انہیں پہنے تو باوضو ہو۔ حضرت مُغیرہ بن شُعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ایک رات میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا۔ میں نے ایک برتن سے آپ ﷺ (کے ہاتھوں) پر پانی ڈالا۔ آپ ﷺ نے اپنا چہرہ مبارک اور بازو دھوئے اور سر پر مسح فرمایا۔ پھر جب میں آپ ﷺ کے موزے اتارنے کے لیے جھکا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''انہیں رہنے دو۔ میں نے ان کو پاک پہنا تھا۔'' (بخاری: ج۱، ص۳۳، مسلم: ج۱، ص۱۳۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> ''اگر دین کا مدار رائے وعقل پر ہوتا، تو موزوں کے نیچے مسح کرنا اوپر کرنے سے بہتر ہوتا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ

موزوں کے اوپر مسح فرماتے تھے۔'' (ابوداود: ج ۱' ص ۲۴)

یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ موزوں پر مسح اوپر کی جانب مشروع ہے' نیچے کی طرف نہیں۔ کیونکہ دین کی اساس و بنیاد قرآن و سنت ہے نہ کے بے سروپا عقل ورائے۔ اور اجتہاد و استنباط کی اس وقت ضرورت پڑتی ہے جب کہ قرآن وحدیث سے کوئی واضح اور بین چیز نہ مل سکے' قرآن و سنت کو چھوڑ کر قیاس ورائے پر عمل کرنا سراسر گمراہی اور مفت میں دوزخ خریدنا ہے' اس سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو بچائے۔

مسح کی مدت:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسافر کو تین دن اور تین رات اور مقیم کو ایک دن اور ایک رات مسح کی اجازت دی' جب کہ انہیں طہارت کے بعد پہنا ہو تو اس پر مسح کی اجازت ہے۔ (مشکوۃ: ج ۱' ص ۵۴)

مدت کا شمار کہاں سے ہوتا ہے؟

مسح کی مدت اس وقت شمار ہوتی ہے جب وضو ٹوٹتا ہے موزے پہننے کے وقت سے حساب نہیں لگایا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص نے صبح کا وضو کر کے موزے یا جرابیں پہن لی ہیں' پھر اس کا وہی وضو بارہ بجے دن تک رہا' تو گویا اس کی میعاد اب اس وقت سے شروع ہو کر اگلے دن کے بارہ بجے تک ایک دن' رات سمجھی جائے گی اور مسافر کے تین دن' رات اسی وقت سے شروع ہو کر چوتھے دن کے بارہ بجے تک سمجھے جائیں گے۔

مسح کو توڑنے والی چیزیں:

موزوں کا مسح چار چیزوں سے باطل ہو جاتا ہے:

① جن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے ان تمام چیزوں سے مسح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ یعنی وضو کرنے کے بعد دوبارہ مسح کرنا ضروری ہوگا۔

16065

(۲) کسی وجہ سے موزے اتار لیے جائیں یا خود اتر جائیں۔

(۳) جنبی ہونا۔

(۴) مسح کی مدت ختم ہو جائے' یعنی مقیم پر ایک دن رات گزر جائے اور مسافر پر تین دن تین راتیں گزر جائیں۔ (فقہ السنہ: ج ۱' ص ۶۴)

تیمّم کا بیان

حُصولِ طہارت کا اصل ذریعہ پانی ہے' جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل عمیم سے نہایت کثرت وفراوانی سے بندوں کے لیے مہیا کر رکھا ہے۔ لیکن پھر بھی بعض حالات ایسے ہیں کہ آدمی پانی استعمال نہیں کر سکتا۔ مثلاً کسی جگہ پانی میسر نہ آئے یا پانی تو موجود ہے لیکن اس کا حاصل کرنا آدمی کے بس میں نہ ہو۔ یا پھر استعمال سے شدید نقصان کا اندیشہ ہو تو ایسی صورتوں میں اللہ تعالیٰ نے مٹی سے طہارت حاصل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ اور اس کا طریق استعمال سکھایا ہے تاکہ بندوں کو دین پر عمل پیرا ہونے میں کوئی حرج یا تنگی محسوس نہ ہو۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶﴾ (المائدۃ)

''اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو۔ پس اس پر ہاتھ مار کر اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔ اللہ تم کو تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا' مگر وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دے۔ تاکہ تم اس کے شکر گزار بنو۔''

لغت میں تیمّم کے معنی ہیں ’’قصد وارادہ کرنا‘‘ یعنی پانی نہ ملے یا پانی موجود ہو اور اس کا استعمال ممکن نہ ہو تو پاک مٹی کا قصد کرو۔ طریقۂ تیمّم میں ائمۂ دین کے درمیان اختلاف ہے۔ ائمہ کے ایک گروہ کے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر منہ پر پھیر لیا جائے۔ پھر دوسری دفعہ ہاتھ مار کر کہنیوں تک پھیر لیا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور کچھ فقہاء کا یہی مذہب ہے۔

تیمّم کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک ہی دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر منہ پر پھیر لیا جائے۔ پھر اسی کو ہاتھوں پر گٹوں تک پھیر لیا جائے۔ کلائیوں اور کہنیوں تک مسح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مسلک اکثر محدثین کرام اور فقہاء عظام کا ہے۔ محدثین کے طریق پر سند کے لحاظ سے بھی یہی دوسرا مسلک زیادہ صحیح ہے کیونکہ پہلی حدیث جس میں دو دفعہ ضرب کے الفاظ ہیں وہ ضعیف ہے۔ اور اصول اختصار کے لحاظ سے بھی یہی مسلک زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اس میں اختصار زیادہ ہے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حالتِ سفر میں جنبی ہو گیا اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے خاک پر لوٹ پوٹ ہوا اور نماز پڑھی۔ پھر واپس آ کر یہ حال رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کیا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’تمہارے لیے ایسا کرنا کافی تھا۔‘‘ پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونکا اور پھر ان سے منہ اور ہتھیلیوں پر مسح کیا۔ (بخاری: ج ۱ ص ۵۰)

اس حدیث میں دلیل ہے کہ تیمّم کے لیے صرف ایک ہی ضرب ہے۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ تیمّم کے بارے میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اصل ہے، کیونکہ بخاری و مسلم کی حدیث سے زیادہ معتبر کوئی اور حدیث نہیں ہے اور اس میں صرف ایک ہی ضرب کافی ہے۔ (السیل الجرار: ج ۱ ص ۱۳۲)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ تیمّم کی کیفیت میں جتنی بھی احادیث آئی ہیں

ان میں سے صرف دو صحیح ہیں' ایک حضرت ابو جُہم رضی اللہ عنہ کی اور دوسری حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی۔ ان کے علاوہ جتنی بھی احادیث ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں یا ان کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ وہ مرفوع نہیں ہیں۔ ابو جہم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تو مجمل ہاتھوں کا ذکر ہے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں' جو بخاری و مسلم میں ہے' صرف ہتھیلیوں کا ذکر ہے' اس کے علاوہ کہنیوں اور نصف کلائی اور کندھوں تک کی احادیث میں لمبی چوڑی بحث ہے' اور زمانہ کے لحاظ سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث سب سے آخری ہے' لہٰذا یہ پہلی احادیث کی ناسخ ہے اور ہاتھوں کا مسح صرف ہتھیلیوں تک ہے۔ (فتح الباری: ج۱' ص۴۴۴)

شیخ الاسلام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ: ''رسول اللہ ﷺ تیمم میں صرف ایک ہی ضرب سے چہرہ اور ہتھیلیوں کا مسح کیا کرتے تھے۔ تیمم میں دو ضربیں اور کہنیوں تک کی بات آپ ﷺ سے (صحیح سند کے ساتھ) ثابت نہیں ہے۔''

(زاد المعاد: ج۱' ص۵۲)

مولانا عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں' تیمم میں ایک ضرب کے ساتھ چہرے اور ہتھیلیوں پر اکتفا کرنا دلیل کے لحاظ سے زیادہ صحیح ہے' کیونکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث جو تمام احادیث سے صحیح ترین حدیث ہے اس سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ (السعایہ)

حضرت نواب صدیق حسنؒ خان فرماتے ہیں: ''حق ایک ضرب کے قائلین کے ساتھ ہے۔ کیونکہ دو ضرب کی احادیث قابل حجت نہیں ہیں۔''

(فتح البیان: ج۱' ص۵۷۳)

تیمم کی ابتداء اور اس کا حکم:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے۔ یہاں تک کہ جب ہم بیداء یا ذات الجیش کے

مقام پر تھے تو وہاں میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا، میں نے اس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو کر دی تو اس کی تلاش کرانے کے لیے آپ ﷺ نے وہاں قیام فرما لیا اور آپ ﷺ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی ٹھہر گئے اور اس مقام پر پانی کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ کچھ لوگوں نے (میرے والد ماجد) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر کہا کہ آپ دیکھتے ہیں (آپ کی صاحبزادی) عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا ہے، انہوں نے (ہار گم کر کے) رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے سب ساتھیوں کو یہاں ٹھہرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ حالانکہ نہ یہاں پانی ہے اور نہ لشکر کے ساتھ پانی ہے، پس (والد ماجد) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے اور آپ کو نیند آ گئی تھی، پس مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے یہاں رکنے کا باعث بن گئی ہو اور صورتحال یہ ہے کہ یہاں (قرب وجوار) میں پانی نہیں ہے اور نہ ہی لشکر کے ساتھ پانی کا انتظام ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ والد ماجد نے مجھے خوب ڈانٹا ڈپٹا اور جو اللہ کو منظور تھا، اس وقت انہوں نے مجھے وہ سب کہا، اور (غصہ سے) میرے پہلو میں کونچے لگائے، لیکن رسول اللہ ﷺ چونکہ میری ران پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے اس لیے میں بالکل نہیں ہلی (کہ میرے حرکت کرنے سے آپ ﷺ کے آرام میں خلل نہ پڑے) پس رسول اللہ ﷺ سوتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ایسے مقام پر اور ایسی حالت میں صبح کی کہ وہاں پانی کا کوئی بندوبست نہیں تھا، تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل فرمائی۔ سب لوگوں نے تیمّم کیا (اور تیمّم کر کے نماز ادا کی گئی) تو اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

> ”اے آلِ ابوبکرؓ! یہ تیمّم کا حکم تمہاری پہلی برکت نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بھی تمہارے ذریعہ امت کو کئی برکتیں مل چکی ہیں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"(اس کے بعد) جب اس اونٹ کو اٹھایا گیا' جو میری سواری میں تھا تو میرا وہ ہار اس کے نیچے سے مل گیا۔"

(صحیح بخاری: ج۱' ص۴۸' صحیح مسلم: ج۱' ص۱۶۰)

تیمّم' وضو اور غسل جنابت' دونوں کے لیے مشروع ہے:

حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر کر رہے تھے' آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی' جب نماز سے فارغ ہوئے تو اچانک آپ ﷺ کی نظر ایک آدمی پر پڑی جو لوگوں سے الگ بیٹھا ہوا تھا۔ جس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے فلاں! تمہیں قوم کے ساتھ نماز ادا کرنے میں کس نے منع کیا ہے؟" اس نے کہا: میں جنبی ہوں اور پانی نہیں ملا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم مٹی (تیمّم کے لیے) استعمال کرو' وہ تمہارے لیے کافی ہے۔" (بخاری: ج۱' ص۴۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم' وضو اور غسل جنابت دونوں کے بجائے کیا جا سکتا ہے۔ یعنی اس کے ذریعہ آدمی حدث اصغر اور اکبر دونوں سے پاک ہو سکتا ہے۔ تیمّم کی یہ اجازت حضرت محمد ﷺ کی امت پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے۔ یہ امت جس کا دائرہ کار پوری دنیائے انسانیت اور جس کی مہلت عمل رہتی زندگی تک ہے۔ بجا طور پر اس سہولت اور رعایت کی مستحق تھی تاکہ کسی بھی دور میں کیسے ہی حالات ہوں اور دنیا کا کوئی بھی مقام ہو' دینی احکام کی تعمیل میں امت کو کوئی تنگی محسوس نہ ہو۔

جب تک پانی نہ ملے تیمّم جائز ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے اگرچہ دس سال تک پانی نہ ملے'

پس جب پانی مل جائے تو چاہئے کہ اس کو بدن پر استعمال کرے (یعنی اس سے وضو یا غسل کرے) کیونکہ یہ بہت اچھا ہے۔"

(مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۵۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر برس ہا برس تک ایک آدمی وضو یا غسل کے لیے پانی نہ پائے تو تیمّم اس کے لیے برابر کافی ہوتا رہے گا۔ البتہ جب پانی میسر آ جائے تو غسل یا وضو اس کے لیے ضروری ہو جائے گا۔

نماز کے بعد پانی ملے تو اعادہ ضروری نہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے دو شخص سفر میں گئے، کسی موقع پر نماز کا وقت آ گیا اور ان کے پاس پانی نہ تھا، اس لیے ان دونوں نے پاک مٹی سے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی۔ پھر نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پانی بھی مل گیا، تو ایک صاحب نے تو وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھ لی اور دوسرے نے نماز کا اعادہ نہیں کیا، پھر جب دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو اس کا ذکر کیا، تو جس صاحب نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا، اس سے آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نے سنت پر عمل کیا اور تمہاری نماز ہو گئی۔" اور جس نے وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھی تھی اس سے آپ ﷺ نے فرمایا: "تمہیں دو اجر ملیں گے۔" (ابوداود: ج ۱، ص ۵۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد پانی مل جائے تو نماز دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے۔ ہاں اگر تیمّم کیا اور نماز پڑھنے سے پہلے پانی مل گیا تو بالاتفاق تیمّم ٹوٹ گیا، اب وضو کر کے نماز پڑھے۔ دوبارہ پڑھنے والے کو جو یہ کہا کہ تمہیں دوہرا اجر ملے گا تو یہ دوبارہ نماز پڑھنے کا اجر نہیں بلکہ ایک اجر نماز کا ہے اور دوسرا اجر غلط اجتہاد کا، کیونکہ غلط اجتہاد پر بھی مجتہد کو ایک اجر ملتا ہے۔

احتلام کی صورت میں تیمّم:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر پر نکلے۔ ہم میں ایک آدمی کو پتھر لگا اور اس کے سر میں زخم ہو گیا۔ اور اسی حالت میں اسے احتلام ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ مجھے تیمّم کی اجازت ہے؟ انہوں نے کہا: ہمارے خیال میں تمہیں تیمّم کی اجازت نہیں، تمہیں پانی مل سکتا ہے۔ اس نے غسل کیا۔ (جس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی) جب ہم واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرے ان لوگوں نے اسے مار ڈالا۔ جب مسئلہ معلوم نہ تھا تو پوچھ کیوں نہ لیا؟ نہ جاننے کا علاج دریافت کر لینا ہے۔ اسے تیمّم کافی تھا وہ اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرتا اور باقی جسم کو دھو لیتا۔'' (ابوداود: ج۱، ص۵۴، ابن ماجہ: ج۱، ص۴۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کمزور یا بیمار آدمی کو احتلام ہو جائے اور غسل کرنا اس کے لیے موجب مرض یا باعث زیادتیٔ مرض دکھائی دے تو اسے تیمّم کر کے نماز پڑھ لینی چاہیے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ زخموں اور پھوڑوں کی پٹی پر مسح کر لینا درست ہے۔ محتلم (جس کو احتلام ہو گیا ہو) بھی بوقت ضرورت تیمّم کر کے نماز وغیرہ پڑھ سکتا ہے کیونکہ تیمّم بحالت عذر غسل اور وضو دونوں کے قائم مقام ہے۔ نیز اس حدیث میں اس آدمی کے لیے بھی وعید ہے جو بغیر علم کے فتویٰ دے۔ خصوصاً جب کہ کسی کی جان کا مسئلہ ہو۔

تیمّم کا مسنون طریقہ:

اس کا طریقہ یہ ہے کہ تیمّم کرنے والا طہارت کی نیت کر کے بسم اللہ پڑھ کر دونوں ہاتھ زمین پر مارے (یا) کسی ایسی چیز پر ہاتھ مارے جس پر مٹی یا گرد وغبار ہو۔ پھر دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں مل کر پھونکے تاکہ ہتھیلیوں پر زیادہ گرد

وغبار نہ رہے۔ پھر دونوں ہتھیلیوں کو منہ پر پھیر کر ہاتھوں پر گٹوں تک ملے۔ یہ تیمّم کی اصل صورت ہے۔

وہ کام جن سے تیمّم ختم ہو جاتا ہے:

جن اشیاء سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان اشیاء سے تیمّم بھی ٹوٹ جاتا ہے' اگر پانی مل جائے اور اس کو استعمال کرنے پر قادر بھی ہو تو ایسی صورت میں بھی تیمّم ٹوٹ جاتا ہے۔

ایک تیمّم سے کئی نمازیں:

تیمّم میں یہ پابندی نہیں ہے کہ ایک تیمّم سے ایک ہی وقت کی نماز پڑھی جائے' بلکہ جب تک تیمّم نہ ٹوٹے کئی کئی وقت کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح فرض کے لیے جو تیمّم کیا ہے اس سے فرض' نفل' نمازِ جنازہ' سجدۂ تلاوت' تلاوتِ قرآن وغیرہ سب ہی عبادتیں ادا کرنا جائز ہیں۔

تیمّم کی حکمت:

غسل اور وضو میں پانی استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجبوری کی حالت میں اس کی بجائے تیمّم کا حکم دیا ہے' جس میں مٹی کا استعمال ہوتا ہے۔ اس کی ایک حکمت تو اہلِ تحقیق نے یہ بیان کی ہے کہ پوری زمین کے دو ہی حصے ہیں۔ ایک بڑے حصہ کی سطح پانی ہے دوسرے حصہ کی سطح مٹی وغیرہ' اس لیے پانی اور مٹی میں خاص مناسبت ہے۔ نیز انسان کی ابتدائی تخلیق بھی مٹی اور پانی ہی سے ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں مٹی ہی ایسی چیز ہے جس کو انسان سمندر کے علاوہ ہر جگہ پا سکتا ہے اور مٹی کو ہاتھ لگا کر منہ پر پھیرنے میں تذلل اور خاکساری کی بھی ایک خاص شان ہے اور چونکہ انسان کا آخری ٹھکانہ مٹی اور خاک ہی ہے اور اس کو خاک ہی میں ملنا ہے اس لیے تیمّم میں موت اور قبر کی یاد بھی ہے۔

نماز کی عظمت واہمیت

ایمان کے بعد دینِ الٰہی کا پہلا سبق نماز ہے۔ یہ اسلام کا ایسا فریضہ ہے جس سے کوئی مسلمان ہوش وحواس میں ہوتے ہوئے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں کثرت سے اس کی تعریف‘ بجا آوری کا حکم اور تاکید آئی ہے۔ اس کی ادائیگی میں سستی وکاہلی نفاق کی علامت اور ترک‘ کفر کا نشان بتلایا گیا ہے۔ یہ وہ فرض ہے جو اسلام کے ساتھ پیدا ہوا اور اس کی تکمیل اس شبستانِ قدس میں ہوئی جس کو معراج کہتے ہیں۔

نماز کے علاوہ دوسری عبادتیں خاص خاص لوگوں پر مخصوص اوقات میں فرض ہیں‘ مثلاً: حج‘ زکوۃ صرف ان مسلمانوں پر فرض ہے جو مالدار ہوں اور روزے سال میں صرف ایک دفعہ فرض ہیں۔ لیکن نماز ایک ایسا عمل ہے جس کے لیے ایمان کے سوا کوئی اور شرط نہیں۔ ایمان لاتے ہی نماز ہر مسلمان‘ عاقل و بالغ پر‘ چاہے وہ مرد ہو یا عورت‘ امیر ہو یا فقیر‘ تندرست ہو یا مریض‘ مقیم ہو یا مسافر دن میں پانچ وقت فرضِ عین ہے۔ یہاں تک کہ میدانِ کارزار میں جب دشمن سے مڈبھیڑ کا ہر لحہ اندیشہ ہو‘ عین اس وقت بھی نہ صرف فرض ہے بلکہ جماعت کے ساتھ پڑھنے کی تاکید ہے اور صلوٰۃِ خوف کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا طریقہ بھی خود قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ ذیل میں نماز کی اہمیت وعظمت ملاحظہ فرمائیں۔

نماز دین کا ستون ہے:

جس طرح ستون گر جانے سے عمارت گر جاتی ہے اسی طرح نماز ترک کر دینے سے دینداری بھی ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہی اصل اسلام اور اساس

وبنیادِ اسلام ہے۔ اس مفہوم کی ایک روایت بھی ''کنز العمال'' میں آئی ہے' مگر وہ ضعیف ہے۔

اُس دین میں خیر نہیں جس میں نماز نہیں:

طائف کے وفد نے جب مدینہ منورہ آ کر صلح کی بات جیت شروع کی تو نماز' جہاد اور صدقات سے آزاد ہونا چاہا' تو آپ ﷺ نے وقتی طور پر جہاد اور صدقات سے مستثنیٰ فرما دیا۔ لیکن نماز کے متعلق فرمایا:

''لا خير في دين لا ركوع فيه''. (ابوداود: ج۲' ص۷۲)

''جس دین میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنا نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔''

نماز چھوڑنا اسلام کی راہ چھوڑنا ہے:

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہمارے اور (اسلام قبول کرنے والے عام) لوگوں کے درمیان نماز کا عہد و میثاق ہے۔ (یعنی ہر اسلام لانے والے سے ہم نماز کا عہد لیتے ہیں' جو ایمان کی خاص نشانی اور شِعار ہے) پس جس نے نماز چھوڑ دی تو گویا اس نے اسلام کی راہ چھوڑ کر کافرانہ طریقہ اختیار کر لیا۔'' (مشکوۃ: ج۱' ص ۵۸)

حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے دیدہ و دانستہ اور عمداً نماز چھوڑ دی تو وہ ہماری ملت سے خارج ہو گیا۔'' (ترغیب وترہیب: ج۱' ص ۴۸۵)

قیام کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''قیامت کے دن اعمال میں سب سے پہلے جس چیز کا حساب

ہو گا وہ نماز ہے۔ اگر نماز ٹھیک ہوئی تو نجات مل جائے گی اور اگر نماز خراب ہوئی تو مارا جائے گا اور نقصان اٹھائے گا۔"

(ترمذی: ج ۱، ص ۹۴)

چنانچہ یہی مضمون آپ نے اکثر مساجد کی پیشانی پر اس شعر کی صورت میں لکھا ہوا دیکھا ہو گا۔

روزِ محشر کہ جان گداز بود
اولین پرسش نماز بود

کفر اور اسلام میں نماز حدِّ فاصل ہے:

نماز کی ترغیب و تاکید کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت کو دلوں میں جمانے کے لیے قرآن مجید نے اس ہولناک انجام اور زبردست رسوائی سے بھی پوری قوت کے ساتھ ڈرایا ہے جس سے تارکینِ صلوٰۃ دو چار ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی نماز کی غیر معمولی فضیلت و اہمیت اور اس کو چھوڑ دینے کی بدترین سزاؤں پر مختلف طریق سے روشنی ڈالی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "مومن اور کافر کے درمیان نماز حدِ فاصل ہے۔" (مسلم: ج ۱، ص ۶۱)

بے نماز، کفار کا ساتھی ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

"جو بندہ، نماز پابندی اور اہتمام سے ادا کرے گا تو وہ قیامت کے دن اس کے لیے نور ہو گی۔ (جس سے قیامت کے اندھیروں میں اس کو روشنی ملے گی اور اس کے ایمان اور اللہ سے اس کی وفاداری اور اطاعت شعاری کی نشانی) اور دلیل ہو گی اور اس کے لیے نجات کا ذریعہ بنے گی اور جس شخص نے نماز کی

ادائیگی کا اہتمام نہیں کیا (اور اس سے غفلت اور بے پرواہی برتی) تو وہ اس کے لیے نہ نور بنے گی نہ دلیلِ ایمان اور نہ ہی وہ عذابِ الٰہی سے بچانے کا سبب ہو گی اور وہ بدبخت روزِ قیامت قارون‘ فرعون‘ ہامان اور (مشرکینِ مکہ کے سرغنہ) ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔“ (مشکوٰۃ: ج۱‘ ص۵۹)

نماز پڑھو‘ مشرک نہ بنو:

﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝۳۱﴾ (الروم)

”اور نماز قائم رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔“

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید و ایمان کے بعد سب سے اہم چیز نماز ہے۔ ترکِ نماز سے انسان کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ایمان کے بعد پہلا مطالبہ:

ایمان لانے کے بعد مسلمان سے اولین مطالبہ یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ...... ۝۱۴﴾ (طٰہٰ)

”بے شک میں ہی اللہ ہوں‘ میرے سوا کوئی معبود نہیں‘ پس میری بندگی کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔“

عقائد کے باب میں‘ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان پورے دین کا سرچشمہ ہے۔ اسی طرح اعمال کے باب میں نماز پورے دین کی عملی بنیاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں تمام عبادتوں سے زیادہ نماز کی تاکید کی گئی ہے اور ایمان کے بعد سب سے پہلا مطالبہ بھی اسی کا ہے۔

نماز سے گناہ دور ہوتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ جاڑے کے دنوں میں (جب پتے جھڑ رہے تھے) باہر تشریف لائے اور آپ ﷺ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑ کر ہلائیں، تو کھڑ کھڑ کر کے پتے جھڑنے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر! جب کوئی مسلمان یکسوئی اور اخلاص کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ بھی جھڑ جاتے ہیں، جیسے اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں۔'' (مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۵۸)

ایک دفعہ نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا:

> ''اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر بہہ رہی ہو، جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو، تو بتاؤ اس کے جسم پر کچھ بھی میل کچیل رہ سکتا ہے؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا نہیں۔ اس کے جسم پر تو ذرا بھی میل کچیل نہ رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی حال پانچ وقت کی نمازوں کا ہے، اللہ تعالیٰ ان نمازوں کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔'' (مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۵۷)

نماز اللہ اور بندے کے درمیان عہد ہے:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے خلیل محبوب ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ اللہ کے ساتھ کبھی کسی چیز کو شریک نہ کرنا، اگرچہ تمہارے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ اور تمہیں آگ میں بھون دیا جائے اور خبردار کبھی نماز نہ چھوڑنا، کیونکہ جس نے دیدہ ودانستہ وعمداً نماز چھوڑ تو اس کے بارہ میں وہ ذمہ داری ختم ہوگئی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے وفادار اور صاحبِ ایمان بندوں کے لیے ہے اور خبردار شراب کبھی نہ پینا، کیونکہ وہ ہر برائی کی چابی ہے۔

(مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۵۹)

نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے:

عبادات صحیحہ جس قدر بھی ہیں سب سے عابد کے اخلاق کی درستگی اور اس کے نفس کی اصلاح ہوتی ہے۔ مثلاً نماز کے آثار ونتائج کے متعلق حق سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ الصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ ﴿٤٥﴾﴾ (العنکبوت)

"بیشک نماز، فحش اور بری باتوں سے بچاتی ہے۔"

نماز ہر بھلائی کی چابی ہے:

نماز سے دین ودنیا میں عزت، سرخروئی، ترقی اور برتری حاصل ہوتی ہے۔ اس سے تمام مرادیں پوری ہوتی ہیں اور ہر قسم کی بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اور نماز جنت کی چابی بھی ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"الصلوۃ مفتاح کل خیر". (مسند احمد)

"نماز ہر خیر کی چابی ہے۔"

نماز غم وفکر کا علاج اور تسکین قلب کا باعث ہے:

جب نبی اکرم ﷺ پر کسی قسم کا حزن وملال، غم اور فکر لاحق ہوتا، تو آپ ﷺ نماز شروع کر دیتے۔ جس سے قلب مطمئن ہو جاتا اور دل کو تسکین حاصل ہوتی اور چہرے پر مسرت وبشاشت چھا جاتی۔ (بلوغ الامانی: ۲/۲۰۶)

حکام کے نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان:

خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت کے ذمہ داروں کو تحریری ہدایات جاری کرتے ہوئے فرمایا:

> "میرے نزدیک تمہارے تمام مسائل میں سب سے اہم نماز ہے، جس نے اپنی نماز کی حفاظت کی اس نے اپنے پورے دین کو محفوظ کرلیا۔ جس نے اپنی نماز کو ضائع کر دیا۔ وہ باقی دین کو بھی

ضائع کر کے رہے گا۔" (مشکوٰۃ' باب المواقیت: ج ۱' ص ۵۹)

نوٹ: یاد رہے کہ یہ روایت منقطع ہے۔

نماز کے متعلق آپ ﷺ کی آخری وصیت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زندگی کے آخری لمحات میں نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک پر یہ کلمات تھے "نماز' نماز' اور غلاموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔" (ابوداود: ج ۲' ص ۳۵۴)

الغرض قرآن وسنت کی ان تصریحات سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ نماز کی اہمیت وعظمت بہت زیادہ ہے اور یہ ایمان کی لازمی علامت ونشانی ہے جہاں ایمان ہوگا وہاں لازماً نماز موجود ہوگی اور جہاں نماز موجود ہے وہاں پورا دین موجود ہے اور اگر نماز ضائع ہوگئی تو پھر دین کی موجودگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

نمازِ عصر چھوڑنا اعمال کی بربادی کا سبب ہے:

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من ترك صلوة العصر فقد حبط عمله". (بخاری: ج ۱' ص ۷۸)

"جس شخص نے نماز عصر چھوڑ دی' پس اس کے اعمال باطل ہو گئے۔"

مطلب یہ ہے کہ نماز عصر چھوڑنے سے اللہ تعالیٰ اس قدر ناراض ہوتے ہیں کہ اس کے دوسرے اعمال بھی قبول نہیں کرتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الذی تفوته صلوة العصر فكأنما وتر أهله وماله"

(بخاری: ج ۱' ص ۷۸)

"جس شخص کی عصر کی نماز ضائع ہوگئی' یوں سمجھو کہ اس کا گھر بار

سب لٹ گیا۔“

مطلب یہ ہے کہ عصر کی نماز میں کوتاہی کرنا اتنا ہی بڑا دینی حادثہ ہے جتنا کہ دنیا میں یہ حادثہ ہے کہ کسی کا مال اور اولاد سب برباد ہو جائیں۔

فرضیتِ نماز:

پانچ وقت کی نماز باقاعدہ شبِ معراج میں فرض ہوئی۔ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے معراج کروائی اور اپنی ملاقات کا شرف بخشا۔ اسی موقع پر آپ ﷺ کو نماز کا تحفہ عطا کیا گیا۔ اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر امام بن کر آپ ﷺ کو نماز کے اوقات بتائے اور نماز پڑھنے کا طریقہ سکھایا۔ قرآن میں نماز کی فرضیت صریح الفاظ میں موجود ہے اور تمام عبادات سے زیادہ نماز کی تاکید کی گئی ہے۔ جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار کرے وہ یقیناً مسلمان نہیں ہے۔

اوقاتِ نماز کا بیان

نماز سے جو ارفع و اعلیٰ مقاصد اور منافع وابستہ ہیں اور سنت کے ادا کرنے والے خوش نصیب بندوں کے لیے اس میں جو لذتیں ہیں ان کا تقاضا تو یہ تھا کہ زندگی کے اگر سارے لمحات نہیں تو کم از کم دن، رات کے اکثر اوقات نماز میں صرف کرنے ضروری قرار دیئے جاتے، لیکن چونکہ حکمتِ الٰہی نے انسانوں پر اور بھی بہت سی ذمہ داریاں ڈالی ہیں۔ اس لیے دن، رات میں صرف پانچ وقت کی نمازیں فرض کی گئی ہیں اور ان کے اوقات ایسی حکمت سے مقرر کئے گئے ہیں کہ نماز سے جو مقاصد وابستہ ہیں وہ بھی پورے ہوں اور دوسری ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بھی خلل نہ پڑے۔ ذیل میں اول وقت نماز پڑھنے کی اہمیت ملاحظہ فرمائیں۔

وقت کی پابندی:

وقتِ مقررہ پر پابندی سے نماز ادا کرنا خود قرآن مجید کا حکم ہے۔ چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿إِنَّ الصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾﴾ (النساء)

"بلاشبہ نماز مسلمانوں پر مقررہ اوقات میں فرض ہے۔"

اللہ کے نزدیک محبوب عمل:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

أي الأعمال أحب إلى الله؟ قال: "الصلوة لوقتها".

(مشکوٰۃ: ج۱، ص۵۸)

اللہ کے نزدیک سب سے پیارا عمل کونسا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "سب سے زیادہ پیارا عمل یہ ہے کہ نماز وقت پر پڑھی جائے۔"

تین چیزوں میں تاخیر درست نہیں:

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، اے علی!

"ثلاث لا تؤخرهن، الصلوة إذا أتت والجنازة إذا حضرت والأيم إذا وجدت لها كفوا". (مشکوٰۃ: ج۱، ص۶۱)

"تین چیزوں میں تاخیر مت کرو، نماز جب اس کا وقت آ جائے (تو فوراً ادا کرو) بیوہ کے لیے کفو مل جائے تو نکاح میں دیر نہ کرو، جنازہ جب حاضر ہو جائے تو تاخیر نہ کرو۔"

اوّل وقت نماز پڑھنے کی فضیلت:

اول وقت نماز پڑھنے کی فضیلت واہمیت بہت زیادہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول اول وقت نماز پڑھنے کا تھا۔ آپ ﷺ نے

متعدد احادیث میں اول وقت نماز پڑھنے کی فضیلت، عظمت اور اہتمام کی ترغیب دی ہے ذیل میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

اوّل وقت نماز پڑھنا بہترین عمل ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الصَّلٰوةُ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا". (ترمذی: ج۱، ص۲۴)

"اعمال میں بہترین اور افضل عمل، نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھنا ہے۔"

چنانچہ حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: "الصلوة لأول وقتها". (مشکوٰۃ: ج۱، ص۶۱) "اول وقت نماز پڑھنا۔"

اوّل وقت نماز، مال ومنال اور اہل وعیال سے بہتر ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إن أحدكم ليصلي الصلوة لوقتها وقد ترك من الوقت الأول ما هو خير له من أهله وماله". (دارقطنی: ج۱، ص۲۴۸)

"ایک شخص نماز آخر وقت میں ادا کرتا ہے، حالانکہ اس کو اول وقت پڑھنا اس کے اہل ومال سے زیادہ بہتر ہے۔"

نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا پسندیدہ وقت:

امام ترمذیؒ امام شافعیؒ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ:

"نماز کا اول وقت افضل ہے، اس کی فضیلت کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اول وقت ہی میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ اگر اول وقت افضل نہ ہوتا تو یہ اس کو کیوں اختیار فرماتے؟" (ترمذی: ج۱، ص۲۴)

رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اول وقت نماز پڑھتے رہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"ما صلى رسول الله ﷺ صلوة لوقتها الآخر مرتين حتى قبضه الله تعالى". (مشکوٰۃ: ج۱ ص۶۱)

"رسول اللہ ﷺ نے آخر وقت میں دو بار نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فوت کر لیا۔"

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اول وقت پر ہی نماز پڑھتے رہے، صرف بیانِ جواز کے لیے ساری عمر میں ایک دفعہ آخری وقت میں نماز پڑھی ہے۔ غور فرمائیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری زندگی میں پانچوں نمازیں اول وقت ہی میں پڑھی ہیں اور کبھی ان میں تاخیر نہیں ہونے دی۔ آج ہمارا یہ حال ہے کہ صبح خوابِ خرگوش سے ہمیں سورج کی حدت وحرارت ہی جھنجوڑ کر اٹھاتی ہے، ظہر کی نماز ایسے وقت جا پڑھتے ہیں کہ عصر کا وقت قریب آ جاتا ہے۔ عصر کی بے روح نماز زردیٔ آفتاب کے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ نمازوں پر محافظت کے ساتھ ان کے اوقات کا بھی خیال رکھیں اور پوری پوری کوشش کریں کہ ہماری نمازیں اول وقت میں ادا ہوں۔

اوقاتِ نماز:

فرض نمازوں کے اوقات قرآن وسنت کی تصریح کے مطابق پانچ ہیں:

① فجر، ② ظہر، ③ عصر، ④ مغرب، ⑤ عشاء

ذیل میں ان کے اوقات سے متعلقہ چند ایک احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بیت اللہ شریف کے قریب دو مرتبہ

> نماز پڑھائی، پہلے دن ''ظہر'' کی نماز ایسے وقت میں پڑھائی جبکہ سورج ابھی ڈھلا ہی تھا اور سایہ ایک جوتی کے تسمہ سے زیادہ دراز نہ تھا۔ پھر ''عصر'' کی نماز ایسے وقت پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے اپنے قد کے برابر تھا۔ پھر ''مغرب'' کی نماز ٹھیک اس وقت پڑھائی جبکہ روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے۔ پھر ''عشاء'' کی نماز شفق غائب ہوتے ہی پڑھائی اور ''فجر'' کی نماز اس وقت پڑھائی جبکہ روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔
>
> دوسرے دن انہوں علیہ السلام نے مجھے ''ظہر'' اس وقت پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے قد کے برابر تھا۔ ''عصر'' کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے قد سے دوگنا ہو گیا۔ ''مغرب'' کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے۔ ''عشاء'' کی نماز ایک تہائی رات گزر جانے پر اور ''فجر'' کی نماز اچھی طرح روشنی پھیل جانے پر۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے پلٹ کر مجھ سے کہا، اے محمد! یہی اوقات آپ سے پہلے انبیاءؑ کے نماز پڑھنے کے ہیں، ان دونوں وقتوں کے درمیان درمیان نمازوں کے اوقات ہیں۔'' (مشکوٰۃ: ج۱، ص۵۴)

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے اوقات کے بارہ میں سوال کیا، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ دو دن (یعنی آج اور کل) تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو، پھر پہلے دن جیسے ہی سورج ڈھلا آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، اذان ہوئی۔ پھر آپ ﷺ نے (ظہر کی) نماز پڑھائی۔ پھر عصر کی نماز ایسے وقت پڑھائی کہ سورج ابھی خوب اونچا اور پوری طرح روشن وصاف تھا۔ پھر مغرب پڑھائی جبکہ سورج ابھی

غروب ہی ہوا تھا' پھر عشاء پڑھائی جب کہ ابھی دن کی سرخی غائب ہی ہوئی تھی' پھر فجر کی نماز صبح صادق ہوتے ہی پڑھائی۔

اس کے بعد دوسرے دن ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھا' پھر عصر کی نماز پڑھائی' جبکہ سورج ابھی بلند ہی تھا۔ لیکن گذشتہ کل کے مقابلے میں زیادہ مؤخر کر کے پڑھی۔ مغرب کی نماز آپ ﷺ نے سورج کی سرخی غائب ہونے سے پہلے پڑھی۔ عشاء تہائی رات گزر جانے پر پڑھی۔ پھر فجر پڑھائی' جبکہ سفیدی ہوگئی تھی۔ (مشکوٰۃ: ج۱' ص ۵۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے لے کر ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہونے تک ہے۔ (یعنی عصر کا وقت آنے تک) اور عصر کا وقت ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہونے سے لے کر سورج کے زرد ہونے تک ہے اور مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے لے کر سورج کی سرخی (یعنی شفق) کے غائب ہونے تک ہے اور عشاء کا وقت غروبِ شفق سے نصف رات تک ہے۔ اور فجر کا وقت طلوعِ فجر سے لے کر سورج کے طلوع ہونے سے پہلے پہلے ہے۔'' (مشکوٰۃ: ج۱' ص ۵۹)

یہ تین احادیث ہیں۔ ایک حدیث میں جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اوقات بتائے۔ دوسری میں آپ ﷺ نے کسی آدمی کو اوقات بتائے اور تیسری حدیث قولی ہے اس میں آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے وقتوں کی نشاندہی فرما دی ہے۔ نیز ان احادیث سے معلوم ہوا کہ چار نمازوں کے وقت آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ یعنی ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی عصر کا شروع ہو جاتا ہے' اسی

طرح مغرب کا وقت ختم ہوتے ہی عشاء کا شروع ہو جاتا ہے۔ ذیل میں پانچوں نمازوں کا علیحدہ علیحدہ وقت احادیث کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

نمازِ فجر کا وقت:

صبح صادق، یعنی پو پھٹنے کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور طلوعِ آفتاب تک باقی رہتا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ساری زندگی بغیر عذر کے فجر کی ایک نماز بھی دیر سے نہیں پڑھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

”لیصلی الصبح فتنصرف النساء متلففات بمروطهن ما یعرفن من الغلس“. (مشکوٰۃ: ج۱، ص۶۰)

”رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز ایسے وقت پڑھا کرتے کہ عورتیں نماز سے فارغ ہو کر اپنی چادروں میں لپٹی واپس جاتیں تو اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جا سکتیں۔“

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أقام الفجر حین انشق الفجر والناس لا یکاد یعرف بعضهم بعضا. (مسلم: ج۱، ص۲۲۳)

رسول اللہ ﷺ (نمازِ) فجر اس وقت پڑھتے جب صبح پھوٹتی اور لوگ ایک دوسرے کو نہ پہچانتے۔

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

صلی صلوٰۃ الصبح مرة بغلس ثم صلی مرة أخری فأسفر بها ثم کانت صلوته بعد ذلك التغلیس حتی مات لم یعد إلی أن یسفر. (ابوداود: ج۱، ص۶۳)

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھی اور ایک مرتبہ روشن کر کے پڑھی، پھر وفات تک اندھیرے میں ہی

پڑھتے رہے سفیدی کر کے کبھی نہیں پڑھی۔

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا معمول ہمیشہ اندھیرے میں اول وقت نماز پڑھنے کا تھا۔ اگرچہ نماز کا وقت صبح صادق سے سورج نکلنے تک ہے لیکن اول وقت پڑھنا افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام عمر وفات تک سب نمازیں ہمیشہ اول وقت پر ہی پڑھی ہیں' ما سوائے ایک بار کے۔ وہ بھی جواز بیان کرنے کے لیے۔ اگر اتفاق سے نماز کا اول وقت جاتا رہے اور آخرِ وقت مل جائے تو پڑھ لی جائے' چھوڑی نہ جائے اس کی مزید تصدیق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہوتی ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات تک کوئی نماز دوبارہ آخر وقت میں نہیں پڑھی۔'' (یعنی ہمیشہ اول وقت ہی پڑھتے رہے۔ صرف جواز کے لیے ساری عمر میں ایک بار آخری وقت پڑھی)۔ (مشکوٰۃ: ج۱' ص۶۱)

ایک شبہ کا ازالہ:

ترمذی' ابوداود اور دارمی میں ایک روایت آئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

> ''صبح کی نماز روشن کر کے پڑھا کرو' اس میں اجر زیادہ ہوتا ہے۔''

اس حدیث اور مذکورہ احادیث میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ ائمہ دین اور محدثین عظام نے اس تعارض کے کئی جواب دیئے ہیں۔ امام طحاویؒ نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ ''ابتداء اندھیرے میں کرے اور قراءت لمبی کر کے انتہا اِسفار میں کرے۔''

اس تطبیق کو بہت سے علماء نے پسند کیا ہے۔ (عون المعبود: ج۱' ص۱۶۲)

بعض علماء نے ''اسفار'' سے ''تبیینِ صبح'' مراد لیا ہے۔ یعنی اتنی سویرے صبح کی نماز نہ پڑھی جائے کہ صبح ہونے ہی میں شک باقی رہ جائے' اسفار کے

بعد پھر اصفرار ہے' جبکہ سرخی ظاہر ہونے لگے۔ آج کل عام طور پر لوگ سرخی پھیل جانے کے بعد نماز پڑھتے ہیں جو کسی طرح بھی درست نہیں۔ عون المعبود میں ہے کہ:

آپ ﷺ نے یہ حکم چاندنی راتوں میں دیا تھا' کیونکہ چاند کی روشنی میں صبح جلدی ظاہر نہیں ہوتی۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا: ''صبح ظاہر ہو جانے دیا کرو۔'' (عون المعبود: ج۱' ص۱۶۲)

بہرکیف یہ روایت غلس کے خلاف نہیں ہے' اسفار کے باوجود غلس ہو سکتا ہے جو لوگ اس وقت نماز پڑھتے ہیں' جب مشرق کی طرف زردی پھیل جائے۔ یہ ''اصفار'' بالصاد کا مفہوم ہے۔ ''اسفار'' بالسین کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ صبح صاف ہو جائے۔ اس میں شبہ نہ رہے۔ زردی کے وقت نماز بالکل مکروہ ہے۔

نمازِ ظہر کا وقت:

نماز ظہر کا وقت سورج ڈھلنے کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک ہر چیز کا سایہ اس کے برابر نہ ہو جائے۔ دوسری نمازوں کی نسبت آپ ﷺ نماز ظہر جلدی پڑھا کرتے تھے' جیسے کہ حدیث میں ہے:

كان رسول الله ﷺ أشد تعجيلا للظهر منكم. (مشکوٰۃ: ج۱' ص۶۲)

''رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ جلدی (اہتمام کے ساتھ) نماز ظہر پڑھنے والے تھے۔''

گرمیوں میں نمازِ ظہر کو ٹھنڈا کرنا:

البتہ سخت گرمی میں ظہر کی نماز ذرا تاخیر کر کے پڑھا کرتے اور فرماتے:

''یہ گرمی جہنم کی لو سے ہے اس لیے نماز کو کچھ ٹھنڈا کر لیا کرو۔'' (مسلم: ج۱' ص۲۲۴)

نمازِ ظہر کا وقت ایک مثل تک رہتا ہے' یہ مسلک امام شافعی رحمہ اللہ' امام مالک

رحمہ اللہ‘ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ‘ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ وغیرہ کا ہے اور ایک روایت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے۔ کسی صحیح حدیث سے دو مثل تک ظہر کا وقت ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے عام احناف جو دو مثل کے قائل ہیں یہ ان کے اپنے ائمہ کی تصریحات کے بھی خلاف ہے اور حدیث کے بھی۔

نمازِ عصر کا وقت:

ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے‘ یعنی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت ہو گیا۔ (مسلم: ج ١‘ ص ٢٢٤)

رسول اللہ ﷺ کا معمول:

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا نمازِ عصر کے بارے میں معمول بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”آپ ﷺ نمازِ عصر اس وقت پڑھ لیا کرتے جب کہ سورج ابھی بلند اور زندہ ہوتا تھا۔“ (مشکوۃ: ج ١‘ ص ٦٠)

نمازِ عصر میں بلاوجہ تاخیر نفاق کی علامت ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”یہ منافق کی نماز ہے کہ آدمی بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ زرد پڑ جائے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جائے‘ تو کھڑا ہو اور چار ٹھونگیں مارے اور ان میں اللہ کو بہت ہی تھوڑا یاد کرے۔“ (مشکوۃ: ج ١‘ ص ٦٠)

یعنی عصر کی نماز میں بلا کسی عذر و مجبوری کے اتنی تاخیر کرنا کہ سورج میں زردی آ جائے اور آخری اور تنگ وقت میں مرغ کی ٹھونگوں کی طرح جلدی جلدی چار رکعت پڑھنا۔ جن میں اللہ کے ذکر کی مقدار بہت کم بلکہ برائے نام ہو‘ ایک منافقانہ عمل ہے۔ مومن کو چاہیے کہ ہر نماز‘ خاص کر عصر کی نماز اپنے صحیح وقت پر طمانیت اور تعدیلِ ارکان کا خیال رکھتے ہوئے پڑھے۔ جلدی جلدی

رکوع وسجود کرنے کی کیفیت کو مرغ کی ٹھونگوں سے تشبیہ دی گئی ہے، غالباً اس سے بہتر کوئی تشبیہ نہیں ہو سکتی۔

نمازِ مغرب کا وقت:

نمازِ مغرب کا وقت سورج غروب ہونے سے سرخی غروب ہونے تک ہے۔ (مشکوۃ: ج ۱، ص ۵۹)

نمازِ مغرب کے متعلق حدیث میں ہے کہ اس کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک شفق غائب نہ ہو۔ یہ شفق کیا چیز ہے؟ اس کے تعین وتحقیق میں ائمہ کا اختلاف ہے، اتنی بات تو لوگ عام طور سے جانتے ہیں کہ غروبِ آفتاب کے بعد مغرب کی جانب کچھ دیر تک سرخی رہتی ہے اور اس کے بعد وہ سرخی ختم ہو جاتی ہے اور اس جگہ کچھ دیر تک سفیدی آ جاتی ہے۔ پھر وہ سفیدی بھی غائب ہو جاتی ہے اور سیاہی آ جاتی ہے۔ اکثر ائمہ کرام کی تحقیق یہ ہے کہ شفق، غروبِ آفتاب کے بعد والی سرخی کا نام ہے۔ اس لیے ان حضرات کے نزدیک سرخی ختم ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ ائمۂ ثلاثہ کا یہی مسلک ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کا مشہول قول یہ ہے کہ غروبِ آفتاب کے بعد والی سرخی کے بعد جو سفیدی رہ جاتی ہے اس کا نام ''شفق'' ہے۔ اس لیے ان کے قول کے مطابق مغرب کا وقت اس وقت ختم ہوتا ہے جب مغربی افق پر سفیدی باقی نہ رہے اور سیاہی آ جائے اور اسی وقت ان کے نزدیک عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت دوسرے ائمہ کی تحقیق کے مطابق بھی منقول ہے اور یہی اس مسئلہ میں ان کے دونوں شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی بھی تحقیق ہے۔ بدیں وجہ کئی علماء احناف نے اسی پر فتوی دیا ہے۔

مغرب کی نماز رسول اللہ ﷺ اول وقت ہی پڑھا کرتے تھے۔ نیز امت کو بھی ہدایت فرمائی کہ اول وقت ہی پڑھا کریں، چنانچہ نبی اکرم ﷺ

فرماتے ہیں:

> ”میری امت ہمیشہ خیر کے ساتھ رہے گی جب تک کہ مغرب کی نماز اتنی مؤخر کر کے نہ پڑھے کہ ستارے چمکنے لگیں۔“

(مشکوۃ: ج ۱ ص ۶۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی عذر و مجبوری کے بغیر اس میں اتنی تاخیر کرنا کہ ستاروں کا جال آسمان پر پھیل جائے، ناپسندیدہ بلکہ مکروہ ہے۔ حضرت رافع بن خَدِیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”ہم مغرب کی نماز کے بعد تیر اندازی کرتے، تو تیر گرنے کی جگہ تو دیکھ سکتے تھے۔“ (مشکوۃ: ج ۱ ص ۶۰)

نمازِ عِشاء کا وقت:

عِشاء کا وقت سرخی غائب ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے اور آدھی رات تک رہتا ہے۔ لیکن اکثر آپ ﷺ عشاء کی نماز تیسری رات کے چاند ڈوبنے تک پڑھاتے۔ (مشکوۃ: ج ۱ ص ۵۹)

غروبِ آفتاب سے لے کر تیسری رات کے چاند ڈوبنے کا درمیانی وقفہ اندازاً دو گھنٹے کا ہوتا ہے۔ یہ عشاء کا مختار وقت ہے جواز اور مجبوری کا وقت طلوعِ صبح تک ہے۔

عِشاء سے پہلے سونا اور بعد میں باتیں کرنا منع ہے:

حدیث میں آتا ہے کہ ”آپ ﷺ نے عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور بعد ازاں باتیں کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (مشکوۃ: ج ۱ ص ۶۰)

اس کی حکمت یہ ہے کہ نماز سے پہلے سونے سے نماز کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور بعد میں باتیں کرنے سے صبح کی نماز متاثر ہوتی ہے۔

نماز کے مکروہ اوقات:

مندرجہ ذیل اوقات میں نماز پڑھنی منع ہے:

① زوال کے وقت‘ جمعہ کے دن کے سوا‘
② نماز فجر کے بعد آفتاب بلند ہونے تک‘
③ نماز عصر کے بعد آفتاب غروب ہونے تک۔ (مشکوۃ: ج۱‘ ص۹۴)

سبھی نماز جو کسی سبب سے رہ جائے وہ بھی ہر وقت درست ہے جیسے فجر کی سنتیں جماعت میں شامل ہونے کے سبب رہ جائیں‘ تو جماعت سے فراغت کے بعد پڑھ لے۔

اسی طرح پو پھٹنے کے بعد نمازِ فجر سے پہلے سنت فجر کے سوا کوئی نماز نہیں مگر سبھی جائز ہے۔ مثلاً وتر رہ گئے ہوں تو پڑھ لے۔ اسی طرح فرض نمازوں کی قضا کا حکم ہے اسی طرح جو شخص سو جائے یا بھول جائے جب جاگے یا یاد آئے۔ وہی اس کا وقت ہے۔ خواہ طلوع وغروب کا وقت ہی کیوں نہ ہو۔ جس کی نمازِ فجر یا نمازِ عصر مؤخر ہوگئی ہو اور طلوع یا غروب سے پہلے اس نے ایک رکعت پالی تو اس کی ساری نماز وقت پر ادا ہوئی‘ وہ اپنی نماز پوری پڑھ لے۔

بیت اللہ شریف میں ہر وقت نماز جائز ہے:

حضرت جُبیر بن مُطعِم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "اے بنی عبد مناف‘ بیت اللہ میں کوئی کسی وقت طواف کرے یا نماز پڑھے‘ اسے مت روکو‘ دن کا وقت ہو یا رات کا۔"

(بلوغ المرام: ص۱۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ کا طواف اور طواف کے بعد دو رکعتیں ہر وقت جائز ہیں‘ وہاں ان اوقاتِ مکروہ کا کوئی اثر نہیں ہے۔ حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ بنو عبدِ مناف کو رسول اللہ ﷺ نے مخاطب کر کے فرمایا کہ کسی کو بیت اللہ شریف کے طواف سے مت روکو‘ جس وقت بھی کوئی طواف کرنا چاہے‘ خواہ سورج نکل رہا ہو یا دوپہر کا وقت ہو یا سورج غروب ہو رہا ہو۔ جب

طواف کی ہر وقت اجازت ہے۔ تو طواف کے لیے دوگانہ جو شریعت نے مقرر کیا ہے وہ بھی بہر حال ساتھ ہی ادا کرنا ہوگا' کیونکہ ان کے بغیر تو طواف' طواف ہی نہیں ہے۔ بنو عبدِ مناف چونکہ خانہ کعبہ کے متولی تھے اور حج کی تمام خدمات کا بندوبست کرنا انہی کا ذمہ تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے ان کو مخاطب کر کے یہ الفاظ فرمائے اور اس کے بعد یہ خیال بھی گزرتا تھا کہ شاید طواف کے دوگانہ کی تو اجازت ہو' لیکن دوسری نمازوں کی شاید اجازت نہ ہو' تو اس کے لیے نماز پڑھنے کے الفاظ الگ بیان کر دیئے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ خانہ کعبہ میں اوقاتِ ممنوعہ کی پابندی کوئی نہیں۔ اہلحدیث' امام شافعیؒ امام محمدؒ اور امام اسحٰقؒ اسی کے قائل ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ مکہ کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے' مگر یاد رہے کہ دلیل کی رو سے پہلا مسلک ہی صحیح ہے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ' از مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ)

اَذان واقامت کے اَحکام ومسائل کا بیان

امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''اذان کے لغوی معنی اطلاع دینا اور خبردار کرنا ہے اور شریعت کی اصطلاح میں اذان کا معنی لوگوں کو نماز کے وقت کی اطلاع دینا اور اس کے مخصوص الفاظ کو بلند آواز سے کہنا ہے۔'' (نیل الاوطار: ص ۱۶۴)

نماز صحیح قول کے مطابق ۱۲ ؁ نبوی ﷺ میں معراج کی رات کو فرض ہوئی' اس کے بعد ۱۳ ؁ نبوی میں آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی۔ مکہ مکرمہ میں کوئی انتظام نہ تھا۔ مخالفت زیادہ تھی' حرم میں آپ ﷺ آزادی سے نماز ادا نہیں کر سکتے تھے۔ نماز کی فرضیت کے بعد جبریل علیہ السلام کی امامت کا ذکر تو آتا ہے لیکن بیت اللہ میں باقاعدہ جماعت کا ذکر نہیں ملتا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ اس وقت اذان کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

ہجرت کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجد تعمیر کی گئی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ جماعت کا وقت قریب ہونے کی عام اطلاع کے لیے اعلان کا کوئی خاص طریقہ اختیار کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بارہ میں مشورہ بھی فرمایا' چنانچہ اس سلسلہ میں تین تجاویز پیش ہوئیں:

① کسی نے کہا کہ یہودیوں کی طرح سینگ بجا لینا چاہیئے' جسے سن کر لوگ آ جائیں۔

② کسی نے کہا' عیسائیوں کی طرح گھڑیال بنانا چاہیئے' جو لوگوں کو آواز دے کہ نماز کے لیے آؤ۔

③ مجوسیوں کی طرح آگ جلائی جائے' جسے دیکھ کر لوگ نماز کے لیے جمع ہو جائیں۔

ان مذکورہ تجاویز میں سے آپ ﷺ کو کوئی پسند نہ آئی' کیونکہ یہ دوسری غیر مسلم اقوام کی نقالی تھی جو ایک زندہ قوم کے لیے موت کے مترادف ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم ہمیشہ دوسری قوموں کی نقالی سے بچتے تھے۔ فوجوں کو جو ہدایات بھیجی جاتی تھیں ان میں بھی یہ اصول پیش نظر رہتا۔ اس لیے یہ سب چیزیں ناپسند کر دی گئیں اور مجلس کسی فیصلہ کے بغیر ہی ختم ہو گئی۔

یہ مسئلہ ابھی حل طلب ہی تھا کہ ایک صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ان کو نماز کے وقتوں کی اطلاع اور (مروجہ) اذان کے الفاظ سکھا رہا ہے وہ صبح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واقعہ بیان کرنے آئے تو دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی دوڑے چلے آ رہے ہیں۔ اور آپ رضی اللہ عنہ حلفیہ بیان دیتے ہیں کہ خواب میں ان کو بھی ہو بہو ان ہی کلمات کی تلقین کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ یہ بیانات سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

"یہ خواب بالکل سچے ہیں۔"

یہ خواب کا واقعہ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے بعد پہلے سال ہی کا ہے۔

بہر حال آپ ﷺ نے اس صحابی عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے ان کلمات کی تلقین کرو۔ ان کی آواز زیادہ بلند ہے۔ وہ ہر نماز کے لیے اسی طرح اذان دیا کریں۔ بس اس دن سے اذان کا یہ نظام قائم ہوا جو آج تک دینِ اسلام اور امتِ مسلمہ کا خاص الخاص شِعار ہے۔

کلماتِ اذان:

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی آواز رسول اللہ ﷺ کو پسند آئی، تو آپ ﷺ نے ان کو "دہری اذان" سکھائی۔ (بلوغ المرام: صفحہ ۳۰) جس کے کلمات یہ ہیں:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں...... میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔

حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ

آؤ نماز کو آؤ نماز کو

حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ

آؤ نجات کو آؤ نجات کو

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ○ (مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۶۳)

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے...... اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

فجر کی اذان میں:

فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دو بار یہ کلمات زیادہ کریں:

اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ

نیند سے نماز بہتر ہے۔ نیند سے نماز بہتر ہے۔ (مشکوٰۃ: ج۱، ص۶۳)

اذان میں ترجیع:

اذان کے بارے میں بعض روایات میں پندرہ کلمات وارد ہوئے ہیں۔ جیسا کہ عوام میں اذان کا مروجہ طریقہ ہے، لیکن بعض روایات میں انیس کلمات بھی آئے ہیں۔ اور یہ اس بنا پر کہ اذان ترجیع کے ساتھ دی جائے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ شہادت کے ہر دو کلمات کو پہلے دو دو مرتبہ آہستہ کہا جائے، پھر انہی کو دو دو مرتبہ بلند آواز سے کہا جائے۔ امام ترمذیؒ نے ان الفاظ میں باب منعقد کیا ہے: "باب ما جاء في الترجيع في الأذان".

یعنی ترجیع کے ساتھ اذان کہنے کے بیان میں۔ پھر آپؒ حدیث ابومحذورہ رضی اللہ عنہ لائے ہیں، جس سے اذان میں ترجیع ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

> **حديث أبي محذورة في الأذان حديث صحيح وقد روى عنه من غير وجه وعليه العمل بمكة وهو قول الشافعي.**

(ترمذی: ج۱، ص۲۷)

> یعنی اذان کے بارے میں ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ہے جو مختلف طُرق سے مروی ہے۔ مکہ شریف میں اسی پر عمل ہے اور امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

> **في هذا الحديث حجة بينة ودلالة واضحة لمذهب مالك**

والشافعي وأحمد وجمهور العلماء أن الترجيع في الأذان ثابت مشروع. (شرح مسلم: ج۱، ص۱۶۵)

یعنی حدیث ابومحذورہ رضی اللہ عنہ واضح اور روشن دلیل ہے کہ اذان میں ترجیع مشروع ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

ابن سید الناس فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، انس رضی اللہ عنہ، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، زہری رحمۃ اللہ علیہ، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ، ابوثور رحمۃ اللہ علیہ، یحیٰی بن یحیٰی رحمۃ اللہ علیہ، اور ابن مَندہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور سوائے احناف کے اس کا کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔

احناف کا عجب رویہ:

برادرانِ احناف نے عجیب رویہ اختیار کر رکھا ہے کہ جن احادیث میں اذان دو بار آئی ہے ان میں اقامت ایک ایک بار آئی ہے اور جن میں اذان ترجیع کے ساتھ آئی ہے ان میں اقامت دو دو بار آئی ہے۔ احناف نے اذان تو ان احادیث سے لے لی ہے جن میں اذان دو، دو بار کہنی چاہیے۔ اور ان احادیث کا پچھلا حصہ چھوڑ دیا، جس میں اقامت کا ایک ایک مرتبہ ذکر ہے۔ اور اقامت ان احادیث سے لے لی ہے جن میں اذان ترجیع کے ساتھ ہے اور ان احادیث کا پہلا حصہ چھوڑ دیا، سوال یہ ہے کہ اگر یہ حدیثیں حجت کے قابل ہیں، تو ان کے دوسرے حصے حجت کے قابل کیوں نہیں ہیں، یہ صریحاً بے انصافی ہے۔ بلاشبہ وہ حدیثیں بھی صحیح ہیں جن میں اذان ترجیع کے ساتھ آئی ہے اور اقامت دو دو بار اور یہ سب سے زیادہ بھی ہیں اور صحیح بھی اور وہ حدیثیں بھی صحیح ہیں جن میں اذان دو بار ہے اور اقامت ایک ایک بار، لیکن ایسی کوئی حدیث نہیں ہے جس میں اذان بھی دو دو بار آئی ہو اور تکبیر بھی دو دو بار۔ اس کا ثبوت برادرانِ

احناف کے ذمہ ہے، پھر اس پر ستم یہ ہے کہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعلق کہہ دیا جاتا ہے کہ چونکہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے شہادتین کے کلمے بلند آواز سے نہیں کہے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے ان کو دوبارہ کہلوایا، حالانکہ یہ توجیہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے خود رسول اللہ ﷺ نے اذان سکھائی اور اس میں حکماً فرمایا کہ شہادتین میں پہلی مرتبہ نیچی آواز رکھو اور پھر جب دوبارہ شہادتین کے کلمات کہلوائے، تو پھر فرمایا کہ اب ان کو اونچی آواز سے کہو۔ پھر انہی ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری حدیث آئی ہے جس میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اذان میں انیس (۱۹) کلمے بتائے اور اقامت کے سترہ اور یہ انیس کلمے ترجیع کے ساتھ ہی بنتے ہیں۔

(حاشیہ مشکوۃ، از مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ: ج۱، ص۴۶۴)

بعض حدیث دان علماء احناف بھی ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اور ان کا عمل دیکھ کر اذان ترجیع کے قائل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ مولانا منظور احمد نعمانی فرماتے ہیں:

> ”ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان ترجیع کا رسول اللہ ﷺ کو علم تھا، لیکن آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ اس لیے اس کے جواز میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔“ (معارف الحدیث: ج۱، ص۱۵۳)

صاحب ”تفہیم البخاری“ فرماتے ہیں: ”اذانِ ترجیع کا طریقہ مکروہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔“

صاحب ”بحر الرائق“ نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے اور اس آخری دور میں حنفیت اور حدیث کے امام حضرت علامہ انور شاہ صاحب نے بھی اسی فیصلہ کو درست کہا ہے۔ (تفہیم البخاری، کتاب الاذان: ج۱، ص۵۰)

یہ مختصر تفصیل اس لیے دی گئی ہے کہ ہمارے حنفی دوستوں کی اکثریت،

اذانِ ترجیع سے واقف ہی نہیں اور اگر اتفاقاً کہیں اہل حدیث مسجد میں اسے سن پاتے ہیں تو حیرت واستعجاب سے سنتے ہیں۔

اکہری تکبیر

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

أمر بلال أن يشفع الأذان وأن يوتر الإقامة إلا الإقامة.

(بخاری: ج۱، ص۸۵، مسلم: ج۱، ص۱۶۴)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہیں اور تکبیر کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہیں، سوائے "قد قامت الصلوۃ" کے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں اذان دہری اور تکبیر سوائے کلمات "قد قامت الصلوۃ" کے اکہری کہی جاتی تھی۔ (مشکوۃ: ج۱، ص۶۳)

ان مذکورہ احادیث کے علاوہ بھی متعدد احادیث میں اکہری تکبیر کا ذکر ہے۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں: "امام خطّابی نے کہا ہے کہ جمہور علماء کا یہی فتویٰ ہے کہ تکبیر اکہری کہی جائے۔ حرمین، حجاز، شام، یمن، مصر اور دور دراز تک تمام ممالک اسلامیہ میں یہی معمول ہے کہ تکبیر اکہری کہی جاتی ہے۔" (نیل الاوطار: ج۲، ص۴۱)

اقامت کے کلمات:

اقامت کے کلمات اس طرح مروی ہیں:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللہ سب سے بڑا ہے	اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللہ سب سے بڑا ہے
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ...... میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں

حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ　　حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ

آؤ نماز کو　　آؤ نجات کو

قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ　　قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ

نماز کھڑی ہو گئی　　نماز کھڑی ہو گئی

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ　　لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

اللہ سب سے بڑا ہے' اللہ سب سے بڑا ہے۔...... اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

آذان کا جواب:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

”قولوا مثل ما يقول المؤذن“. (مشکوۃ: ج۱' ص۶۴)

”(جب اذان سنو تو) اسی طرح کہو جیسے مؤذن کہتا ہے۔“

یعنی جو جو کلمہ مؤذن کہے وہی کلمہ سننے والا کہتا جائے' مگر جب مؤذن ”حی علی الصلوة“ اور ”حی علی الفلاح“ کہے تو سننے والا ”لا حول ولا قوة الا بالله“ پڑھے۔ (مشکوۃ: ج۱' ص۶۶)

یعنی گناہ سے پھرنا اور نیکی کی توفیق اللہ کی طرف سے ہے۔

اذان کے جواب کی فضیلت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو (اذان) سننے والا اذان کی طرح جواب دیتا ہے اور اس پر اس کا ایمان بھی ہے تو وہ (شخص) ضرور جنت میں داخل ہوگا۔“
(مشکوۃ: ج۱' ص۶۵)

اس لیے اذان کی آواز سن کر خاموش ہو جانا چاہیے اور مؤذن کے کلمات سن کر اس کا جواب دینا چاہیے اور ثواب کا حق دار بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اقامت کا جواب:

اذان کے جواب کی طرح جب اقامت ہو تو جو کلمات تکبیر کہنے والا کہے وہی سننے والا بھی کہے، مگر ابوداود کی روایت میں اس طرح ہے کہ جب وہ "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ" (یعنی نماز کھڑی ہوگئی) کہے تو سننے والا "اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا" (اللہ اس نماز کو قائم و دائم رکھے) کہے۔ مگر یاد رہے کہ ابوداود کی یہ روایت ضعیف ہے۔ لہٰذا یہ الفاظ نہ کہے جائیں۔

اذان کے بعد کی دعائیں اور ان کی فضیلت:

نزولِ رحمت: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

> "جب تم اذان سنو تو جو جو کلمہ مؤذن کہتا ہے وہی تم بھی کہتے جاؤ، پھر مجھ پر درود پڑھو، کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس پر دس بار اپنی رحمت نازل فرماتے ہیں۔" (مشکوٰۃ: ج۱، ص۶۴)

لہٰذا اذان کے بعد سب لوگوں کو ایک بار درود ابراہیمی پڑھنا چاہیے۔

اذان کی پہلی دعا: جب اذان ختم ہو جائے تو درود شریف پڑھ کر مندرجہ ذیل دعا پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ! رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ

اے اللہ! جو تو اس پوری پوری دعوتِ توحید اور قائم ہونے والی نماز کا مالک ہے،

اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا

حضرت محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا کر اور ان کو فائز کر مقامِ

مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ ○

محمود پر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ (مشکوۃ:۶۵)

حصولِ شفاعت کا ذریعہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''جس شخص نے اذان کے بعد یہ دعا مانگی وہ میری شفاعت کا حقدار ہوگا۔'' (مشکوۃ: ج ۱، ص ۶۵)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تین چیزوں کی دعا کا ذکر کیا گیا ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ جو بندہ اذان سننے کے بعد اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ ﷺ کے لیے ان تین چیزوں کو عطا کرنے کی دعا کرے گا وہ قیامت کے دن شفاعتِ محمدی ﷺ کا خاص طور پر حقدار ہوگا۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں؛...... ① وسیلہ، ...... ② فضیلہ، ...... ③ مقامِ محمود۔

وسیلہ کیا ہے: وسیلہ سے مراد جنت میں قُربِ الٰہی کا وہ امتیازی مقام جو صرف نبی ﷺ کو حاصل ہوگا، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

> ''جب تم میں سے کوئی مؤذن کی اذان سنے تو جو الفاظ مؤذن کہے وہی خود بھی دہرائے، پھر مجھ پر درود بھیجے، کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔ پھر اللہ سے میرے لیے ''وسیلہ'' طلب کرے، یہ جنت کا ایک خاص مقام ہے جو اللہ کے کسی ایک بندہ کے لیے مخصوص ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا۔ جو میرے لیے وسیلے کی دعا کرے گا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہے۔'' (مشکوۃ: ج ۱، ص ۶۵)

فضیلہ: فضیلہ سے مراد بھی قُربِ الٰہی کا مخصوص ترین مقام ہے جو نبی کریم ﷺ کو حاصل ہوگا۔

مقامِ محمود: مقامِ محمود سے مراد مقبولیت کا وہ بلند مقام ہے جس پر فائز ہونے والا دنیا اور آخرت میں ''محمود خلائق'' ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں نبی ﷺ سے اس کا وعدہ فرمایا ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝۷۹﴾ (بنی اسرائیل)

''عنقریب تمہارا رب تمہیں مقامِ محمود پر فائز کرے گا۔''

دعوتِ تامہ: دعوتِ تامہ سے مراد توحید کی وہ پکار ہے جو پانچوں وقت ہر مسجد سے بلند ہوتی ہے اور قیامت تک بلند ہوتی رہے گی اور نماز کو صلوٰۃِ قائمہ اس لیے فرمایا کہ وہ قیامت تک قائم رہنے والی ہے۔

دعائے اذان کے الفاظ میں اضافہ:

دعاؤں کے الفاظ اسی طرح پڑھنے چاہئیں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں' کیونکہ غیر ثابت شدہ الفاظ کہنا بدعت ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال وفرامین میں بے جا اضافہ ہے جو کسی طرح بھی قابل مدح وستائش نہیں ہوسکتا۔ بعض لوگوں نے مذکورہ دعائے اذان میں کچھ الفاظ اپنی طرف سے بڑھا لیے ہیں' مثلاً ''والدرجة الرفيعة'' یا ''وارزقنا شفاعته يوم القيامة''. وغیرہ۔ ان الفاظ کو نہیں پڑھنا چاہیے۔

اذان کی دوسری دعا: ایک حدیث میں اذان سننے کے وقت مندرجہ ذیل دعا بھی آئی ہے اس کے پڑھنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ
شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اسکا کوئی شریک نہیں اور بیشک
مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ
محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اللہ کو رب مان کر اور حضرت محمد ﷺ کو
رَسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا ○

رسول مان کر اور دینِ اسلام کو دینِ حق مان کر راضی وخوش ہوں۔ (مشکوٰۃ: ص ٦٥)

مغرب کی اذان کی دعا: مندرجہ بالا دعاؤں کے علاوہ مغرب کی اذان کے بعد ایک اور دعا بھی منقول ہے۔

اَللّٰهُمَّ! هٰذَا اِقْبَالُ لَيْلِكَ وَاِدْبَارُ نَهَارِكَ وَاَصْوَاتُ

اے اللہ! یہ تیری رات کے آنے کا وقت ہے اور تیرے دن کی واپسی کا وقت ہے اور

دُعَائِكَ فَاغْفِرْ لِيْ ○ (مشکوٰۃ: ص ٦٥)

تیرے لیے پکارنے والوں کی آوازیں آنے کا وقت ہے، سو مجھے معاف فرما۔

اذان اور مؤذن کی فضیلت

اذان، امت مُسلِمہ کی امتیازی علامت ہے۔ حدیث میں اذان کی فضیلت وعظمت سے متعلق بہت کچھ آیا ہے بطور نمونہ رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

مؤذن کے ایمان کی گواہی:

> ”اذان کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے اور اس کو جو (انسان وجن) بھی سنتے ہیں۔ وہ سب قیامت کے روز اذان دینے والے کے ایمان کی گواہی دیں گے۔“ (مشکوٰۃ: ج ١، ص ٦٤)

جب مؤذن اذان دیتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور اس کی توحید اور اس کے رسول ﷺ کی رسالت اور اس کی دعوت کا اعلان کرتا ہے، تو جن وانس کے علاوہ دوسری مخلوقات بھی اس کو سنتی اور سمجھتی ہیں، اور قیامت کے دن اس کی شہادت ادا کریں گی اور بلاشبہ اذان اور مؤذن کی یہ بڑی قابلِ رشک فضیلت ہے۔

اذان دینے سے جنت واجب ہو جاتی ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''جو شخص بارہ سال تک اذان کہتا رہے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے اور ہر روز اس کی اذان سے اس کے لیے ساٹھ نیکیاں اور ہر تکبیر کے بدلے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔''

(ابن ماجہ: ج۱، ص۲۴۱)

قیامت کے دن مؤذن کا امتیازی نشان:

> ''قیامت کے دن اذان دینے والوں کی گردنیں بلند ہوں گی۔''

(مشکوٰۃ: ج۱، ص۶۴)

یعنی مؤذن کو روز قیامت امتیازی شان اور عزت سے نوازا جائے گا اور بطور نشان ان کی گردنیں باقی لوگوں سے اونچی ہوں گی، کیونکہ وہ دنیا میں ذکرِ الٰہی کو پانچ وقت بلند کرتے تھے۔

اذان سے شیطان بھاگتا ہے:

> ''اذان کے وقت شیطان پر خوف وہیبت طاری ہوتی ہے اور وہ انتہائی بدحواسی کے عالم میں بھاگتا ہے اور مقام ''رَوْحَاء'' کے برابر دور چلا جاتا ہے۔'' (مشکوٰۃ: ج۱، ص۶۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے روایت کرنے والے راوی طلحہ بن نافع کا بیان مروی ہے کہ ''روحاء'' مدینہ سے ۳۶ میل دور ہے۔ حدیث کی روح یہ ہے کہ اذان جو توحید اور ایمان کی پکار ہے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے اور اس کے اچھے بندے اس کو سن کر مسجدوں کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اسی طرح شیطان مردود کے لیے وہ گویا بم کا گولا ہے۔ ادھر اللہ کے منادی نے اذان شروع کی ادھر اس نے بھاگنا شروع کیا، جیسے نور آفتاب وماہتاب سے

اندھیرہ کافور ہوتا ہے۔

اذان آفات وعذاب سے بچاؤ اور نزولِ رحمت کا باعث ہے:

"جس مقام پر اذان دی جاتی ہے وہاں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور وہ مقام عذاب و آفات سے محفوظ رہتا ہے۔" (طبرانی)

اذان پر قُرعہ اندازی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"اگر لوگوں کو اذان کے ثواب کا علم ہوتا اور ویسے موقع نہ ملتا تو قرعہ ڈال کر اذان دیتے۔" (مسند احمد: ج۲' ص۲۷۸)

قارئین! ملاحظہ فرمائیں کہ اذان اور مؤذن کی احادیث میں کس قدر فضیلت بیان کی گئی ہے' مگر مقامِ افسوس ہے آج ہم مسلمانوں نے اس حقیقت کو بھلا دیا ہے اور اذان کہنا ایک حقیر وذلیل پیشہ بن گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عظیم ترین اجتماعی گناہ کو معاف فرمائے اور توبہ و اِصلاح کی ہمیں توفیق دے۔

اذان کے مسائل وآداب

مؤذن خوش اَلحان اور بلند آواز ہونا چاہیے:

حتی الوسع مؤذن خوش اَلحان' بلند آواز اور نیک ہونا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کو ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی آواز اچھی لگی' تو آپ ﷺ نے ان کو اذان سکھا دی۔

(سبل السلام' شرح بلوغ المرام: ج۱' ص۱۲۳)

اذان کے الفاظ ترتیل اور اقامت کے روانی کے ساتھ ادا کرنے چاہئیں:

اذان کے الفاظ ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنے چاہئیں اور اقامت جلدی اور روانی سے کہنی چاہیے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

”إذا أذنت فترسل وإذا أقمت فاحدر“. (ترمذی: ج۱ ص۴۸)

”جب تو اذان کہے تو ٹھہر ٹھہر کر کہہ اور جب اقامت کہے تو روانی کے ساتھ جلدی جلدی کہہ۔“

عورت اذان نہ کہے: عورت اذان نہ کہے، کیونکہ اس کی آواز بھی ستر ہے۔

اذان باوضو کہنی چاہیے:

بے وضو اذان اگرچہ منع نہیں، مگر بہتر یہ ہے کہ باوضو کہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”فلا يؤذن أحدكم إلا وهو طاهر“. (سبل السلام: ج۱ ص۱۲۹)

”مؤذن باوضو ہو کر اذان کہے۔“

اذان بلند مقام پر کہنی چاہیے:

اذان قبلہ رو ہو کر مسجد میں کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر کہنی چاہیے۔

(ابوداود: ج۱ ص۸۴)

اذان وقت مقررہ پر کہنی چاہیے:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان وقت مقررہ پر کہتے اور وقت سے مؤخر نہیں کرتے تھے۔ (ابن ماجہ: ج۱ ص۵۲)

مؤذن ہی اقامت کہے:

جو شخص اذان دے، اقامت بھی اسی کا حق ہے۔ ہاں اگر وہ کسی دوسرے کو اجازت دے دے تو جائز ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے اقامت کہنے سے روک دیا اور فرمایا:

”ومن أذن فهو يقيم“. (ترمذی: ج۱ ص۵۰)

”جو اذان دے وہی اقامت کہے۔“

اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں رکھنا:

اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں رکھنا مسنون ہے۔ حضرت ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں رکھتے تھے۔ (ابن ماجہ: ج۱، ص۵۲)

نیز حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے کانوں میں انگلیاں رکھنے کا حکم دیا، کیونکہ اس سے آواز بلند ہو جاتی ہے۔ (ابن ماجہ: ج۱، ص۵۲)

اذان کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا:

اذان میں "حی علی الصلوٰۃ" کہتے وقت دائیں جانب منہ پھیرنا اور "حی علی الفلاح" کہتے وقت بائیں جانب منہ پھیرنا سنت ہے، البتہ اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ چھاتی قبلہ کی طرف سے نہ پھرنے پائے۔ (ابوداود: ج۱، ص۸۴)

اذان اور اقامت کے درمیان دعا قبول ہوتی ہے:

اذان اور تکبیر کا درمیانی وقفہ قبولیتِ دعا کا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی۔" (یعنی قبول ہوتی ہے۔) (ابوداود: ج۱، ص۸۴)

اذان کے بعد مسجد سے نکلنا نفاق کی علامت ہے:

اذان کے بعد نماز باجماعت ادا کئے بغیر مسجد سے نکلنا جائز نہیں ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے، پھر (مسجد) سے بغیر ضرورت کے نکلے اور واپسی کا ارادہ نہ ہو تو وہ شخص منافق ہے۔"

(ابن ماجہ: ج۱، ص۵۴)

سفر میں اذان و تکبیر:

> "اگر کوئی شخص حالتِ سفر میں ہو تو اذان اور تکبیر کہہ کر نماز

پڑھے۔" (ابوداود: ج ۱ ص ۱۷۷)

وباء اور حوادث کے وقت اذان:

بعض لوگ بیماریوں اور وباء کے مواقع پر اذانیں دیتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے وباء دور ہو جائے گی' یہ بدعت ہے' سنتِ رسول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

ہدایہ مترجم (ص ۳۴۲) پر اس طرح اذانیں دینا بیوقوفی کی نشانی لکھا ہے۔

مؤذن اجرت لینے والا نہ ہو:

"مؤذن وہ نہیں ہونا چاہئے جو اپنی اذان پر اجرت لے۔"

(مشکوٰۃ: ج ۱ ص ۶۵)

اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام:

عام طور پر بریلوی حضرات کی مساجد میں اذان سے پہلے لاؤڈ سپیکر (اگر بجلی آ رہی ہو) پر "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کی رٹ لگائی جاتی ہے جو بلاشبہ بدعت ہے۔ اس بدعت کی تاریخِ ایجاد ملاحظہ فرمائیں۔

۷۹۱ھ میں ایک گورنر نے جس کا نام منطاش تھا' بعض جاہل فقیروں اور صوفیوں کے مشورہ سے ایک جھوٹی خواب گھڑی اور مصر کے داروغہ نجم الدین الطنبزی کو سنا کر تثویب کے طور پر اذان سے پہلے "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" بلند آواز سے جاری کر دی۔ یہ داروغہ بقول علامہ مقریزی بڑا راشی' جاہل اور ظالم تھا۔ آج کل بعض مساجد میں اذان کے ساتھ جو صلوٰۃ فلمی انداز سے گائی جاتی ہے یہ فاطمی رافضیوں کی سنت ہے اور داروغہ نجم الدین الطنبزی کی ایجاد ہے۔ اسلام میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ آٹھویں صدی میں شروع ہوئی۔ چند سالوں سے ہمارے ملک میں بھی بریلوی حضرات نے جاری کر لی ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الخطط والآثار مقریزی: ج ۲ ص ۴۴)

اذان اور اقامت کے درمیان وقفہ:

احادیث سے اذان اور اقامت کے درمیان وقفہ کی کوئی معین مقدار ثابت نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مُغَفَّل مُزَنِی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے۔“ (ایسا آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا۔) (بخاری: ج ۱ ص ۸۷)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے مؤذن اذان کے بعد ٹھہر جایا کرتے اور اس وقت تک اقامت نہ کہتے جب تک وہ نبی ﷺ کو باہر آتے نہ دیکھ لیتے۔ جب وہ نبی ﷺ کو دیکھ لیتے تو اقامت کہتے۔ (ابوداود: ج ۱ ص ۸۶)

لیکن ان احادیث سے اور بعض دوسری احادیث سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہر اذان اور اقامت کے درمیان اتنا وقفہ ضروری ہونا چاہئے کہ نمازی استنجا اور وضو وغیرہ سے فارغ ہو لے۔

اقامت اور نماز کے درمیان وقفہ:

اقامت اور نماز کے درمیان بات کرنا جائز ہے اس کے بعد دوبارہ اقامت نہیں کہی جائے گی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن اقامت کہی گئی اور نبی اکرم ﷺ مسجد کے ایک کونے میں ایک شخص سے گفتگو فرما رہے تھے، آپ ﷺ اپنی جگہ سے نماز کے لیے نہیں اٹھے یہاں تک کہ لوگوں کو نیند آنے لگی۔ (بخاری: ج ۱ ص ۸۹)

دوسری روایت میں ہے کہ ایک روز اقامت ہو چکی تھی کہ نبی اکرم ﷺ کو یاد آیا کہ آپ ﷺ کو غسل کرنا ہے، آپ ﷺ نے گھر جا کر غسل فرمایا، پھر واپس آ کر بغیر اقامت کے نماز پڑھائی۔ (بخاری: ج ۱ ص ۷۹)

مساجد کا بیان

مسجد، اسلامی تہذیب وثقافت کا محور ہے:

مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ یادِ الٰہی کے لیے مسجد تعمیر کریں۔ آپ ﷺ کی قیام گاہ کے قریب ہی سَہل اور سُہیل (دو یتیم بچوں) کی کچھ زمین تھی۔ آپ ﷺ نے دونوں کو بلا کر ان سے زمین خرید لی اور مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خود نبی ﷺ بھی برابر تعمیر کے کام میں مصروف رہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اپنے مبارک ہاتھوں سے اینٹ اور پتھر اٹھاتے ہوئے دیکھ کر کہا: ''اگر ہم یونہی بیٹھے رہیں اور اللہ کے نبی ﷺ اپنے ہاتھوں سے کام کریں تو ہماری یہ روش ہمیں گمراہ کر ڈالے گی۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے جوش وخروش اور ولولہ سے کام کر رہے تھے، اور نبی اکرم ﷺ ان کے لیے یہ دعا فرما رہے تھے:

اللهم لا عيش إلا عيش الآخرة فارحم الأنصار والمهاجِرة

> ''خدایا! حقیقی زندگی تو بس آخرت ہی کی ہے۔ پس تو انصار ومہاجرین پر رحم فرما اور انہیں وہاں کی زندگی میں کامیاب وکامران فرما۔''

دراصل مسجد اسلامی تہذیب وثقافت کا ایک ایسا محور ہے جس کے گرد مسلمانوں کی پوری زندگی گزرتی ہے۔ اس کے بغیر اسلامی بستی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ پہنچتے ہی سب سے پہلے اس کا اہتمام کیا اور خود اپنے ہاتھوں سے اینٹ، پتھر ڈھو کر اس کی تعمیر فرمائی۔ مسلمانوں میں دینی روح بیدار رکھنے، وجود ملی کا حقیقی شعور پیدا کرنے اور ان کے شیرازہ کو مجتمع رکھنے کا اصل ذریعہ یہی ہے کہ مسجدوں کو حیاتِ اسلامی کا محور بنایا جائے اور

ان میں نماز باجماعت کا انتظام قائم کیا جائے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو ہدایت کی گئی تھی کہ مصر میں کچھ عمارات کو مخصوص کر کے ان میں نماز باجماعت کا انتظام کرو اور ان کو مسلمانوں کی تہذیب وثقافت اور زندگی کے لیے محور ومرکز قرار دے کر اپنی منتشر قوتوں کو ان کے ذریعے مجتمع کرو۔

مسجد کو سادہ بنانے اور سادہ رکھنے کا حکم:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ”قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک وہ زمانہ نہ آجائے کہ لوگ آپس میں مسجدوں پر فخر کریں گے۔“ (یعنی اپنا تفوّق اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے ایک کے مقابلہ میں ایک شاندار مسجد بنائے گا۔) (ابوداود: ج۱، ص۷۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”مجھے اللہ کی طرف سے مسجدوں کو بلند اور شاندار بنانے کا حکم نہیں دیا گیا۔“ (یہ حدیث بیان فرمانے کے بعد) حدیث کے راوی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے (بطور پیشین گوئی) فرمایا کہ: ”یقیناً تم لوگ اپنی مسجدوں کی آرائش وزیبائش اسی طرح کرنے لگو گے جس طرح یہود ونصاریٰ نے اپنی عبادت گاہوں کی کی ہے۔“ (ابوداود: ج۱، ص۷۱)

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا منشأ اور اس کی روح یہ ہے کہ مسجدوں میں ظاہری شان وشوکت مطلوب اور محمود نہیں ہے، بلکہ ان کے لیے سادگی ہی مناسب اور پسندیدہ ہے۔

مسجد بنانے کا اجر و ثواب:

رسول اللہ ﷺ نے تعمیرِ مسجد اور اس کو آباد رکھنے کی طرح طرح سے رغبت دی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

> ''من بنی مسجدا یبتغی به وجه الله بنی الله له مثله فی الجنة''. (ابن ماجہ: ج۱ ص۵۴)

> ''جس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا جوئی کے لیے مسجد تعمیر کی اس کے لیے اللہ جنت میں اسی طرح کا گھر بنائے گا۔''

مسجد تعمیر کرنے سے مراد مسجد کی عمارت بنانا ہے' لیکن مسجد کی حقیقی آبادی یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور نماز باجماعت کا نظم و انتظام کیا جائے۔

اللہ کی پسندیدہ جگہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''شہروں اور بستیوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ان کی مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ مبغوض ان کے بازار ہیں۔'' (مشکوۃ: ج۱ ص ٦٨)

یعنی مساجد اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ جگہیں ہیں' کیونکہ ان میں بکثرت ذکرِ الٰہی' نمازیں اور تلاوتِ قرآن کی جاتی ہے' جبکہ بازار' شیطانوں کی آماجگاہ' بدمعاشی' بے حیائی' فحاشی' عریانی اور دیگر تمام برائیوں کے سرچشمہ ہیں' اس لیے رسول اللہ ﷺ کا اصل منشأ یہ ہے کہ اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ جگہ' یعنی مسجدوں سے زیادہ سے زیادہ تعلق رکھیں اور انہی کو اپنا مرکز بنائیں اور بازاروں سے حتی الوسع احتراز کریں۔

دنیا کی بہترین جگہ:

دربارِ رسالت ﷺ میں ایک یہودی نے پوچھا کہ دنیا میں سب سے بہتر جگہ کونسی ہے؟ رحمتِ عالم ﷺ نے یہ سن کر سکوت فرمایا اور کہا: ''میرا یہ سکوت حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد تک ہے۔'' آپ ﷺ ابھی اسی حال میں تھے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے' نبی ﷺ نے فرمایا کہ: ''میں نے وہ سوال ان پر پیش کر دیا۔ جبریل علیہ السلام فرمانے لگے' میرا علم اس سلسلہ میں آپ ﷺ سے زیادہ نہیں ہے' ہاں پروردگارِ عالَم سے معلوم کر کے بتا سکتا ہوں' پھر تھوڑی دیر میں جبریل علیہ السلام آ کر کہنے لگے' اے اللہ کے پیارے رسول ﷺ میں دربارِ ایزدی میں حاضر ہوا اور اس قدر قریب ہوا جتنی قُربت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا وہ نزدیکی کیسی تھی؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا' میرے اور رب العزت کے درمیان ستر ہزار نوری پردے حائل تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے پہلے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''خير البقاع المساجد وشر البقاع الأسواق''. (مشکوٰۃ: ج۱ ص۷۱)

''دنیا کی بہترین جگہ مسجدیں ہیں اور دنیا کی بدترین جگہ بازار ہیں۔''

کیونکہ مساجد کی بنا اللہ کے ذکر کے لیے ہے اور ان میں صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے' ذکر اور مساجد بذاتِ خود نزولِ رحمت کی جگہ ہے' نیز مساجد کے اندر افعالِ قبیحہ اور گفتارِ شنیعہ ممنوع ہے اس لیے مساجد کے برابر کوئی دوسری جگہ نہیں ہو سکتی۔

مسجد کی خبر گیری اور اس سے تعلق ایمان کی نشانی ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب تم کسی کو دیکھو کہ اس کو مسجد سے شغف ہے اور وہ اس کی

دیکھ بھال میں لگا رہتا ہے، تو گواہ رہو کہ وہ صاحبِ ایمان ہے۔"
(مشکوٰۃ: ج۱، ص۶۹)

مساجد کو آباد کرنا ایمان والوں کا کام ہے:

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴿١٨﴾﴾ (التوبة)

"اللہ تعالیٰ کی مساجد کو وہی لوگ آباد رکھتے ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔"

نورِ کامل کی بشارت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بشر المشائين في الظلم إلى المساجد بالنور التام يوم القيامة". (ابن ماجہ: ج۱، ص۵۷۲)

"جو بندے تاریکی میں مسجدوں کو جاتے ہیں، انہیں بشارت سنا دو کہ قیامت کے دن ان کو اللہ کی طرف سے نورِ کامل عطا ہوگا۔"

مسجد میں جانے والا عرش کے سایہ میں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تین خصلتیں ایسی ہیں جن کے کرنے والے کو اللہ تعالیٰ (روز قیامت) عرش کے سایہ میں جگہ دے گا، اس دن عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا:

① پانی کے ناگوار معلوم ہوتے ہوئے وضو پورا کرنا۔

② اندھیرے کے باوجود مساجد کی طرف چلنا۔

③ بھوکے کو کھلانا۔" (البدور السافرة في الامور الآخرة: ص۵۳)

مسجد میں آنے والے اللہ کے مہمان ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص صبح وشام مسجد میں حاضر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مہمانی کا کھانا تیار کرتے ہیں، جو جنت میں صبح وشام مہمانی پیش کی جائے گی۔" (مشکوٰۃ: ج۱، ص۶۹)

مسجدیں چونکہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہیں اور یہ بات مسلمہ ہے کہ میزبان مہمان کی دعوت کرتا ہے، لہٰذا نمازی حکماً اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوئے، اللہ تعالیٰ دنیا کے بدلہ جنت میں مہمانی پیش کریں گے۔

مسجد میں جانا ظِلِّ الٰہی کے حصول کا سبب ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ عرش کے سایہ میں جگہ دے گا، جس دن اس کے عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا:

① عادل حکمران

② وہ جوان جس کی جوانی اللہ تعالیٰ کی بندگی میں گزری ہو

③ وہ آدمی جس کا دل مسجد سے لگا رہتا ہے۔ (جب مسجد سے نکلتا ہے تو پھر دوبارہ مسجد میں داخل ہونے کا انتظار کرتا رہتا ہے۔)

④ وہ آدمی جن کی دوستی کی بنیاد اللہ تعالیٰ اور اللہ کا دین ہے، اسی جذبہ کے ساتھ وہ اکٹھے ہوتے ہیں اور یہی جذبہ لیے جدا ہوتے ہیں۔

⑤ وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔

⑥ وہ آدمی جس کو کسی اونچے خاندان کی حسین وجمیل عورت نے بدکاری کی دعوت دی تو اس نے محض اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس کی دعوت کو رد کر دیا۔

⑦ وہ آدمی جس نے اس طرح صدقہ کیا کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی نہیں جانتا کہ دایاں ہاتھ کیا دے رہا ہے۔"

(صحیح بخاری: ج۱' ص ۱۹)

مسجد کی طرف باوضو چلنے سے درجات کی بلندی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی وضو کرتا ہے' پھر صرف نماز ہی کے لیے مسجد میں آتا ہے تو وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتا' مگر اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ایک درجہ بلند کرتے ہیں اور اس کا ایک گناہ معاف کرتے ہیں' یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے۔"

(ابن ماجہ: ج۱' ص ۵۶)

مسجد کی قربت:

اس گھر کی فضیلت کا یہ حال ہے کہ اس کا فیض پڑوس کو بھی محروم نہیں کرتا۔ بارانِ رحمت کے چھینٹے اڑ اڑ کر ان پر بھی پڑتے رہتے ہیں' جس سے ان کا درجہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔

مسجد میں دور سے آنے والے کا درجہ:

جہاں مسجد سے قریب رہنے والے کا درجہ ہے وہاں مسجد سے دور رہنے والوں کو محروم نہیں رہنے دیا گیا' بلکہ ان کا اجر وثواب قریب والوں سے بھی زیادہ بیان کیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"زیادہ اجر اُن کے لیے ہے جو دور سے چل کر آتے ہیں اور جو

مسجد میں آ کر جماعت سے نماز پڑھتے ہیں وہ تنہا نماز پڑھ کر سونے والے سے بہتر ہیں۔" (مسلم: ج۱، ص۲۳۵)

اس حدیث میں ان کے لیے تسلی و تسکین اور دلجمعی ہے جو مسجد سے دور بستے ہیں، اور پڑوس کی محرومی کا تدارک اس ثوابِ عظیم سے کیا گیا ہے جو دور سے چل کر آنے میں ہوتا ہے اور اس چلنے کے ثواب کی کثرت و زیادتی کا یہ حال ہے کہ مسجد کی طرف اٹھنے والا ہر قدم ثواب و اجر کا مجسمہ اور ذخیرۂ آخرت بن جاتا ہے۔

ـــــ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: "ہمارا گھر مسجد سے دور تھا ایک دفعہ میں نے ارادہ کیا کہ اپنا گھر بیچ ڈالوں اور چل کر مسجدِ نبوی ﷺ کے پڑوس میں اقامت اختیار کر لوں، لیکن آپ ﷺ نے مجھے اس ارادہ سے روک دیا اور فرمایا:

"اِنَّ لَكُمْ بِكُلِّ خَطْوَةٍ دَرَجَةً". (مسلم: ج۱، ص۲۳۵)

"بے شک تمہارے لیے ہر قدم پر ایک درجہ ہے۔"

ـــــ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مسجدِ نبوی ﷺ کے پڑوس میں کچھ خالی جگہ ہوئی، بنو سلمہ قبیلہ جو مسجد سے دور آباد تھا، اس کا ارادہ ہوا کہ مسجد کے قریب آ کر آباد ہو جائیں اور پہلی جگہ چھوڑ دیں، جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"اے بنی سلمہ! اپنے مکانوں کو لازم پکڑو، تمہارے نشانِ قدم لکھے جائیں گے۔" (مشکوٰۃ: ج۱، ص۶۸)

ـــــ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ایک انصاری کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی میرے علم میں سب سے زیادہ دور رہتے تھے، مگر ان کا حال یہ تھا کہ ہر وقت پابندی کے ساتھ مسجد میں حاضر ہوتے تھے، کبھی بھی ان کی جماعت نہیں

چھوٹی تھی، ایک مرتبہ ان سے کہا گیا کہ کاش آپ سواری کے لیے ایک گدھا خرید لیتے تا کہ آپ کو رات کی تاریکی اور (گرمی) کے تپتے دن میں مسجد آنے میں آرام رہتا، انہوں نے یہ سن کر فرمایا، مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں مسجد کے قریب ہوتا اور چلنے کی مشقت سے بچ جاتا۔ بلکہ میری خواہش تو یہ ہے کہ آنے جانے میں جو قدم اٹھیں ان کے تمام نشانِ قدم میرے نامۂ اعمال میں لکھ دیئے جائیں۔ (یعنی آنے کے بھی اور واپسی کے بھی) رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''آمد و رفت دونوں کے ثواب اللہ نے تم کو عطا کیئے۔'' (مسلم: ج۱، ص۲۳۵)

مسجد کی طرف جانے والے کا اللہ ضامن ہے:

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تین آدمیوں کا اللہ ضامن ہے، ایک وہ آدمی جو بغرضِ جہاد اللہ کے راستے میں نکلے۔ پس اللہ اس کا وفات تک ضامن ہے۔ (یا تو میدانِ جہاد میں اس کو شہید کر کے) جنت میں داخل کرے۔ یا ثواب و غنمت دے کر (گھر) واپس کرے۔ اور (دوسرا) آدمی جو مسجد کی طرف (بغرضِ نماز) جائے وہ بھی وفات تک اللہ کی ضمان میں ہے، چاہے اس کو جنت میں داخل کرے یا اجر وثواب دے کر واپس لوٹا دے۔ اور (تیسرا) وہ شخص جو ''السلام علیکم'' کہہ کر گھر میں داخل ہو تو وہ بھی اللہ کی حفاظت میں ہے۔''

(مشکوٰۃ: ج۱، ص۷۰)

مسجد کے آداب واَحکام

مساجد شعائر اللہ میں داخل ہیں، اس لیے ان کی عظمت وحُرمت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ مسجد میں داخلے کے بعد آدمی پر کچھ پابندیاں عائد ہوتی ہیں، جن کا لحاظ رکھنا ہر آدمی پر ضروری ہے، ورنہ مسجد کا تقدّس مجروح ہو جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں شعائر اللہ کی عظمت وحرمت کا خیال رکھنے کے متعلق فرمایا گیا ہے، شعائر اللہ کی تعظیم کرنا دل کی پرہیز گاری والوں کے افعال سے ہے۔ ذیل میں مسجد کے آداب واَحکام ملاحظہ فرمائیں۔

مسجد کی طرف جاتے وقت کی دعا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب نماز کے لیے (مسجد کی طرف) جاتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ
اے اللہ! میرے دل میں نور کر اور میری آنکھوں میں اور میرے
سَمْعِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّخَلْفِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ
کانوں میں، اور میری دائیں جانب، اور میرے پیچھے نور کر دے، اور میرے
لِّیْ نُوْرًا وَّفِیْ عَصَبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ لَحْمِیْ نُوْرًا وَّفِیْ
لیے (ایک خاص) نور کر دے اور میرے پٹھوں میں اور میرے گوشت میں،
دَمِیْ نُوْرًا وَّفِیْ شَعْرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَشَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ
اور میرے خون میں، اور میرے بالوں، اور میری کھال میں، اور میری
لِسَانِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا ○
زبان میں، اور میری جان میں نور کر دے، اور مجھے نور عظیم دے۔ (بخاری: ج ۵، ص ۲۳۲۸)

مسجد میں داخلے کی دعا:

مسجد میں پاک بدن سے داخل ہوں، داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں رکھنا چاہیے اور پھر درود شریف پڑھ کر مندرجہ ذیل دعا پڑھنی چاہیے:

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ ○

الٰہی! میرے لیے رحمت کے دروازے کھول دے۔

ایک اور روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ جب داخل ہو تو یوں کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ○

یعنی (میں) اللہ کے نام سے (مسجد میں داخل ہوتا ہوں) الٰہی! محمد ﷺ پر درود بھیج۔

اس کے بعد مذکورہ دعا پڑھے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھتے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِیْمِ وَبِسُلْطَانِهِ

میں عظمت والے اللہ اور اس بزرگ ذات اور اس کی قدیم بادشاہت کی

الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○

شیطان مردود سے پناہ مانگتا ہوں۔ (تحفۃ الذاکرین: ص۱۱۲، مشکوۃ: ص۷۲)

اس دعا کے پڑھنے سے آدمی تمام دن شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔

تحیۃ المسجد:

مسجد کے حقوق اور اس میں داخلے کے آداب میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہاں جا کر بیٹھنے سے پہلے اگر جماعت میں کچھ وقفہ ہو تو دو رکعت نماز ادا کی جائے، یہ گویا بارگاہِ ایزدی کی سلامی ہے۔ اسی لیے اس کو تحیۃ المسجد کہتے ہیں۔ (تحیۃ کے معنی سلامی کے ہیں) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس کو چاہیے کہ بیٹھنے

سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔“ (ابوداود: ج ۱، ص ۴۷)

افسوس کہ آج کل عام مسلمان اس سنت سے غافل ہو رہے ہیں، حالانکہ تحیۃ المسجد کی دو رکعت کے متعلق بعض ائمہ (داود ظاہری وغیرہ) کا خیال ہے کہ یہ واجب ہے، کیونکہ حدیث میں امر وارد ہے اور امر وجوب کو چاہتا ہے۔ جب تک کوئی قرینہ صارِفہ الی الاستحباب نہ پایا جائے۔ مگر دوسرے امام صرف استحباب کے قائل ہیں۔ بہرحال دیگر نوافل کی پابندی کرنے والے کو تحیۃ المسجد کی پابندی بھی کرنی چاہیے۔

نوٹ: تحیۃ المسجد کے لیے ضروری ہے کہ مکروہ اوقات میں نہ پڑھی جائے، جس میں آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور وہ تین اوقات ہیں: ① طلوع شمس، ② غروب شمس، ③ نصف النہار (زوال سے تھوڑا پہلے) اسی طرح صبح صادق ہونے کے بعد۔ صبح کی دو سنتوں کے سوا بطور تحیۃ المسجد کے کچھ اور نہیں پڑھنا چاہیے۔

سفر سے واپسی پر مسجد کی حاضری:

مسجد کی عظمت و شان یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر سے جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد ہی میں تشریف لاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ وہاں لوگوں سے مل جل کر گھر تشریف لے جاتے۔ (مشکوٰۃ: ج ۲، ص ۳۳۹)

مسجدوں میں صفائی اور خوشبو کا حکم:

مسجد میں سونا: مسجد میں سونا، رہنا، یہاں تک کہ خیمہ لگا کر بوقت ضرورت قیام کرنا جائز ہے، مگر یہ خیال رہے کہ مسجد کو اپنے گھر کی طرح بے ادبی کے ساتھ استعمال میں نہ لائے۔ مسجد کے ادب واحترام کی شریعت میں بہت سخت تاکید فرمائی گئی ہے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جنگِ خندق میں زخمی ہو گئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے مسجد ہی میں ان کے لیے ایک خیمہ لگوا دیا تھا تاکہ آپ

ﷺ قریب ہی سے عیادت کر سکیں۔ (سبل السلام: ج۱ ص ۹۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

> ''ایک سیاہ فام لونڈی کا خیمہ مسجد میں نصب تھا، وہ کبھی کبھی آتی تو مجھ سے گفتگو کیا کرتی۔'' (سبل السلام: ۱/ ۹۷)

امیر یمانیؒ صاحب ''سبل السلام'' اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

> ''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں اس شخص کے لیے سونا جائز ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو۔ خواہ مرد ہو یا عورت، خیمہ وغیرہ بھی لگا سکتے ہیں، بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔''

گھر والا آدمی بھی اگر وقتاً فوقتاً مسجد میں سو رہے یا کھا پی لے تو شرعاً کوئی حرج نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ''ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے مبارک عہد میں مسجد میں سویا کرتے تھے۔ باوجودیکہ ہم لوگ نوجوان اور گھر والے تھے۔'' (جمع الفوائد: ج۱ ص ۶۸)

مسجد میں جائز قسم کی بات چیت: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

> ''ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسجد میں لوگوں کی بات چیت اپنے دنیوی معاملات میں ہوا کرے گی۔ تمہیں چاہیے کہ ان لوگوں کے پاس بھی نہ بیٹھو۔ اللہ کو ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں۔''

(مشکوۃ: ج۱ ص ۷۱)

مسجد چونکہ خانۂ خدا ہے اس لیے اس کے ادب کا بھی تقاضا ہے کہ اس میں ایسی باتیں نہ کی جائیں جن کا اللہ کی رضا طلبی اور دین سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ہاں! مسلمانوں کے اجتماعی اور ملی مسائل کے بارے میں خواہ ان کا تعلق مسلمانوں کی زندگی کے کسی شعبہ سے ہو، مسجدوں میں مشورے کیے جا سکتے ہیں

اور اس سلسلہ کے کاموں کے لیے مسجدوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے، لیکن اس میں بھی مسجدوں کے عام آداب کا لحاظ ضروری ہے۔ نیز یہ شرط ہو گی کہ یہ جو کچھ ہو اللہ کی ہدایت کے تحت ہو اس سے آزاد ہو کر نہ ہو۔

مسجد میں کھانا پینا: حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''ہم عہد رسالت میں مسجد میں گوشت اور روٹی کھا لیتے تھے۔'' (منتقی: ج ۱، ص ۳۵۵)

ضرورت کے وقت سوال کرنا: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

> ایک روز نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ آج تم میں سے کسی نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، جب میں مسجد میں داخل ہوا، تو دیکھا کہ ایک سائل سوال کر رہا ہے، میں نے عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا دیکھا جو میں نے اس سے لے کر سائل کو دے دیا۔

(ابوداود: ج ۱، ص ۲۴۲)

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کا انتقال ہو گیا تو لوگ نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے ان کی میت مسجد میں لے آئے، اس پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''نبی اکرم ﷺ نے حضرت سہل اور سہیل رضی اللہ عنہما (ابن بیضاء) پر مسجد میں ہی نماز پڑھی تھی۔'' (منتقی: ج ۱، ص ۷۳۶)

حضرت عُروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر مسجد میں نماز پڑھی گئی۔ (منتقی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی تھی۔ (موطأ: ج ۱، ص ۲۱۱)

مسجد میں کون سے کام ممنوع ہیں:

گندگی اور بدبو پھیلانا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ”مسجدوں میں پیشاب کرنا اور گندگی پھیلانا منع ہے۔ یہ صرف اللہ کا ذکر کرنے اور قرآن کی تلاوت کرنے کے لیے ہیں۔“

(بخاری: ج۱، ص۳۵، مسلم: ج۱، ص۱۳۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ”جس شخص نے پیاز، لہسن یا گرّاث (گندنا، ایک بدبو دار سبزی) کھائی ہو، وہ ہماری مسجد کی طرف نہ آئے، اس لیے کہ جس چیز سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔“ (مسلم: ج۱، ص۲۰۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جمعہ کے روز خطبہ دیا اور فرمایا:

> ”اے لوگو! تم دو سبزیاں کھاتے ہو، جنہیں میں گندی خیال کرتا ہوں۔ ایک پیاز، دوسرا لہسن۔ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ جب کسی آدمی سے ان کی بدبو پا لیتے، تو اسے بقیع کی طرف نکل جانے کا حکم دیتے، لہٰذا جو شخص انہیں کھائے اسے چاہیے کہ انہیں پکا کر کھائے۔“ (مسلم: ج۱، ص۲۰۹)

گم شدہ چیزوں کی تلاش: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”جو شخص کسی کو مسجد میں گم شدہ چیز تلاش کرتے ہوئے دیکھے تو اس سے کہے کہ اللہ کرے تمہاری چیز نہ ملے، اس لیے کہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں۔“ (مسلم: ج۱، ص۲۱۰)

اگر چیز کسی دوسری جگہ گم ہوئی ہو تو اس کی تلاش کے لیے مسجد میں ہنگامہ بپا کرنا منع ہے۔ اور مساجد کے آداب کے منافی ہے۔ اگر چیز مسجد میں ہی گم ہوئی ہو یا ممکن ہو کہ مسجد میں تذکرہ کرنے سے مل جائے گی تو ایسی صورت میں مسجد میں تذکرہ کرنا ممنوع نہیں ہے۔

خرید وفروخت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ''جب تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جو مسجد میں خرید وفروخت کر رہا ہو تو اسے کہو اللہ تمہاری تجارت میں فائدہ نہ دے۔'' (مشکوٰۃ: ج ۱ ص ۷۰)

فضول قسم کے اَشعار: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مسجد میں خرید وفروخت کرنے، شعر پڑھنے، گم شدہ چیزیں تلاش کرنے اور جمعہ کے روز نماز سے پہلے حلقے بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

(ابوداود: ج ۱ ص ۱۶۱، نسائی: ج ۱ ص ۸۳)

اس حدیث میں اِشعار سے مراد گندے اور فضول قسم کے اشعار ہیں، کیونکہ جن اشعار میں اسلام کی تعریف بیان کی گئی ہو اور لوگوں کو نیک کاموں کی دعوت دی گئی ہو، ان کا مسجدوں میں پڑھنا جائز ہے۔

بلند آواز سے بولنا یا قرآن پڑھنا: جب لوگ نماز پڑھ رہے ہوں، تو بلند آواز سے بولنا اور قرآن پڑھنا منع ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک روز نبی ﷺ مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ لوگ بلند آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا:

> ''نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اس لیے اسے یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ اپنے رب سے کیا سرگوشی کر رہا ہے، تم میں سے کوئی شخص اس طرح بلند آواز سے قرآن نہ پڑھے کہ دوسروں کو

وقت ہو۔" (مسند احمد: ج۲، ص۳۶)

حدود نافذ کرنا: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "مسجد میں حدود نافذ نہیں کی جائیں گی اور نہ امیر سے کسی قاتل کو قتل کرنے کے لیے کہا جائے گا۔" (ابوداود: ج۱، ص۲۶۹)

مسجد میں تھوکنا: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "مسجد میں تھوکنا گناہ ہے، اگر ایسا ہو جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے دفن کر دے۔"

مسجد میں دفن کرنے کی صورت اس وقت ہے کہ مسجد کا فرش کچا ہو اور ریت وغیرہ ہو، جیسا کہ عام طور پر عرب میں ہے، اس صورت میں وہ دفن ہو جائے گا اور مسجد کا فرش پختہ ہو تو ہرگز نہ تھوکے بلکہ کپڑے میں تھوک کر اسے آپس میں مل دے۔

جمعہ کے دن حلقہ بنا کر بیٹھنا: عمرو بن شعیب کے دادا کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں شعر پڑھنا، اس میں خرید وفروخت کرنا اور جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے حلقے بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ (ابوداود: ج۱، ص۱۶۱)

قبرستان اور حمام کو مسجد بنانا منع ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "اللہ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔" (مشکوۃ: ج۱، ص۲۹)

ایک روایت میں انبیاءؑ کے ساتھ صالحین کا لفظ بھی آیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "تمام زمین مسجد ہے، (اور اس پر نماز پڑھنی جائز ہے) سوائے

قبرستان اور حمام کے۔" (مشکوٰۃ: ج۱، ص۷۰)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ انبیاءؑ، شہداء اور صالحین کی قبروں کو مسجد بنانا، ان پر اعتکاف کرنا، نماز اور ذکر الٰہی کا وہاں شغل کرنا منع ہے۔ نیز حمام کو مسجد بنانا درست نہیں۔

مسجد سے نکلنے کی دعا:

جب مسجد سے باہر نکلے، تو پہلے بایاں پاؤں باہر رکھے اور درود شریف پڑھ کر مندرجہ ذیل دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ! اِنِّیْ اَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ ○ (مسلم: ج۵، ص۲۲۴)

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کی درخواست کرتا ہوں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز

حضرت ابوحُمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں فرمایا کہ:

"میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو آپ حضرات سے زیادہ جانتا ہوں۔ انہوں نے کہا، اسے بیان کرو۔ فرمایا: جب آپ ﷺ نماز کے لیے قیام فرماتے تو کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے، تکبیر کہتے، قراءت کرتے، پھر تکبیر کہہ کر کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے، پھر رکوع کرتے اور ہاتھ گھٹنوں پر رکھ دیتے، پھر پشت ہموار کر لیتے۔ نہ سر نیچا کرتے نہ اونچا کرتے، پھر سر اٹھاتے "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے اور کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے اور سیدھے کھڑے ہو جاتے، پھر اللہ اکبر کہہ کر زمین کی طرف جھکتے اور سجدہ فرماتے اور ہاتھوں کو دونوں پہلوؤں سے الگ رکھتے اور پاؤں

کی انگلیاں کھول دیتے۔ پھر سر اٹھاتے اور بایاں پاؤں دوہرا کر کے اس پر بیٹھ جاتے، پھر سیدھے ہو جاتے، ہر ہڈی اپنی جگہ پر آجاتی، پھر سجدہ کرتے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر سر اٹھاتے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے، پھر سیدھے ہو جاتے، یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر آجاتی، پھر اٹھ کر دوسری رکعت اسی طرح ادا فرماتے، پھر جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے جس طرح شروع نماز میں کیا تھا۔ پھر باقی نماز میں بھی اسی طرح کرتے۔ یہاں تک کہ جب آخری سجدہ کرتے تو بایاں پاؤں دوہرا کر لیتے اور دائیں جانب پیٹھ کے بل بیٹھ جاتے، پھر سلام کہتے، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا، تم نے صحیح فرمایا، واقعی آپ ﷺ اسی طرح نماز ادا فرماتے تھے۔ (ابوداود: ج۱، ص۱۳)

رسول اللہ ﷺ کی نماز کے اہم نکات:

اس حدیث میں نماز کی پوری کیفیت بیان کر دی گئی ہے، نمازی کو چاہیے کہ اس حدیث پر اپنی نماز کی بنیاد رکھے اور حق تو یہ ہے کہ اگر نماز کی کیفیت میں اس حدیث کے علاوہ کوئی اور حدیث نہ بھی ہوتی تو یہ کافی تھی۔

اس حدیث میں قابل غور باتیں یہ ہیں:

① رسول اکرم ﷺ نے شروع نماز میں رفع یدین فرمائی۔

② رفع یدین کے وقت دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھائے۔

③ رکوع میں جاتے ہوئے اللہ اکبر کہا، پھر رفع یدین کی۔

④ رکوع نہایت اطمینان اور سکون سے کرتے، رکوع میں نہ سر جھکاتے اور نہ اونچا رکھتے۔ کمر بالکل سیدھی رکھتے۔

۵ رکوع سے سر اٹھاتے وقت "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے اور رفع یدین فرماتے۔

۶ قومہ میں سیدھے کھڑے ہو جاتے' یہاں تک کہ ہر عضو اپنی جگہ پر آ جاتا اور پورا اطمینان حاصل ہونے کے بعد سجدہ میں جاتے۔

۷ پہلا سجدہ کرنے کے بعد بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر سکون و اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاتے اور تمام اعضاء اپنے اصلی مقام پر آ جاتے۔

۸ دوسرے سجدہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بڑے اطمینان اور دلجمعی سے بیٹھ جاتے۔ اس کا نام جلسۂ استراحت ہے۔ پھر آپ ﷺ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جاتے۔

۹ جب آخری رکعت کا دوسرا سجدہ مکمل کر کے اٹھتے' تو قعدہ میں دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر چوتڑوں پر بیٹھ جاتے' اسے تورُّک کہتے ہیں۔

۱۰ تشہد کے وقت انگشت شہادت اٹھاتے۔

۱۱ دوسری رکعت میں تشہد پڑھ کر اٹھتے تو چوتھی دفعہ رفع الیدین کرتے۔

نماز کی تفصیلی کیفیت کا بیان

اِستِقبالِ قبلہ:

طہارت کے بعد نمازی خانہ کعبہ کی طرف منہ کرے۔ قرآن مجید کی تین آیات میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ نے تکرار حکم کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم اس شخص کے لیے ہے جو مکہ میں خانہ کعبہ کے پاس ہو۔ دوسرا حکم اس کے لیے ہے جو مکہ میں تو ہو' لیکن کعبہ سے غیر حاضر ہو اور تیسرا حکم مکہ سے باہر والوں کے لیے ہے۔ (تفسیر کبیر: ج ۴' ص ۱۵۴)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

''اول حکم اس شخص کے لیے ہے جو مکہ میں ہو' خواہ کعبہ کے پاس ہو یا نہ ہو۔ اور دوسرا حکم غیر ممالک والوں کے لیے ہے۔ اور تیسرا حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو سفر میں ہوں۔'' (تفسیر قرطبی: ج ۲ ص ۱۶۸)

الغرض بوقت نماز ہر شخص کے لیے خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ خواہ آدمی سفر میں ہو یا حضر میں۔ بیت اللہ شریف کے پاس ہو یا دور۔

استقبالِ قبلہ کے دیگر مسائل و آداب:

چونکہ بیت اللہ شریف شعائر اللہ میں داخل ہے اس کی عظمت و حُرمت ضروری ہے۔ قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنا' پاخانہ کرنا اور تھوکنا منع ہے پاخانہ کی صورت میں پیٹھ کرنا بھی منع ہے۔ (ابوداود: ج ۱ ص ۳)

اندھیری رات' جنگل یا ایسے مقام پر جہاں کعبہ کی سَمت معلوم نہ ہو' ظن غالب کی بنا پر نماز پڑھ لینی چاہئے اور اگر نماز سے فراغت کے بعد معلوم ہو کہ صحیح سَمت میں نماز نہیں پڑھی گئی تو اِعادہ کی ضرورت نہیں' نماز ہو جاتی ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ: ج ۲ ص ۳' فقہ السنہ: ج ۱ ص ۱۲۹)

ریل' کشتی اور جہاز وغیرہ میں کعبہ کی طرف منہ نہ ہو سکتا ہو تو نماز شروع کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کر لی' پھر خواہ سمت تبدیل ہو جائے' نماز جاری رکھیں۔ (منتقی: ج ۱ ص ۲۶۰)

سترہ کا بیان

اگر کوئی شخص ایسی جگہ پر نماز پڑھ رہا ہو' جہاں سامنے سے لوگ گزرتے ہوں' تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ اپنے سامنے لکڑی یا کوئی اور چیز کھڑی کر لے جس کا طول کم از کم ایک ہاتھ ہو۔ (مشکوۃ: ج ۱ ص ۷۴)

نمازی کے آگے سے گزرنا کبیرہ گناہ ہے:

حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر یہ جان لے کہ اس پر کتنا گناہ ہے تو چالیس سال تک ایک جگہ کھڑا رہنا پسند کرتا' مگر آگے سے نہ گزرتا۔'' (مشکوٰۃ: ج۱' ص۷۴)

ایک دوسری ضعیف روایت میں سوسال کا بھی ذکر آیا ہے۔ (مشکوٰۃ: ج۱' ص۷۴)

سُترہ سے متعلق دیگر مسائل:

① نمازی کو سترہ کے قریب کھڑا ہونا چاہیے۔ (فقہ السنہ: ج۱' ص۲۵۷)

② سترہ عین ناک کی سیدھ پر نہ ہو' بلکہ ذرا سا کنارے پر ہونا چاہیے۔

③ جو شخص سترہ کے اندر سے گزرنا چاہے تو اسے ہاتھ سے ہٹا دے اگر نہ ہٹے تو دھکا دے کر ہٹا دے۔ (مشکوٰۃ: ۱/۷۴)

④ نمازی کے آگے سے گزرنا منع ہے' لیکن اگر کوئی شخص پہلے سے نمازی کے سامنے بیٹھا یا لیٹا ہوا ہے' تو اس کا نمازی کے آگے سے ہٹ جانا منع نہیں ہے۔ ایسی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی اور نہ لیٹنے والے یا بیٹھے رہنے والے کو گناہ ہوتا ہے۔

⑤ سترہ نہ ہونے کی صورت میں اگر کوئی چیز سامنے سے گزر جائے تو صحیح مذہب یہ ہے کہ نماز نہیں ٹوٹتی۔ جن احادیث میں ٹوٹنے کا ذکر آیا ہے اس سے مراد خشوع اور توجہ میں خلل واقع ہونا معلوم ہوتا ہے۔

⑥ امام کا سترہ' سارے مقتدیوں کا سترہ ہوتا ہے' اگر جماعت کے کچھ حصہ سے گزرنے کی ضرورت پیش آ جائے' تو حرج نہیں۔ (فقہ السنہ: ج۱' ص۲۵۷)

نیت کرنے کا شرعی طریقہ:

''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ''. (مشکوٰۃ: ج۱' ص۱۱)

"عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔"

جیسی نیت ہو گی ویسا پھل ملے گا اس لیے جب نماز پڑھیں، تو خالص رضائے الٰہی مقصود ہونی چاہیے۔ تب ہی نماز قیامت کے دن نجات کا ذریعہ بنے گی۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اسلام کا تیسرا حصہ ہے، کیونکہ اعمال یا تو دل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ یا زبان اور دیگر جوارح سے۔ نیت دل کا عمل ہے اگر زبان سے بولے تو قول ہو گا، نیت نہیں ہو گی۔ عام لوگ نماز سے پہلے زبانی نیت کرتے ہیں جو باتفاق ائمۂ اسلام منع ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

> "زبانی نیت کرنا نہ واجب ہے نہ مستحب۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور تمام ائمۂ دین اس پر متفق ہیں کہ جو شخص زبانی اونچی آواز سے نیت کرے وہ سنت کا مخالف ہے۔" (فتاویٰ ابن تیمیہؒ: ج۲، ص۳۷۵)

محققین احناف نے بھی زبان سے نیت کرنے کو بدعت لکھا ہے، چنانچہ مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں اور شیخ عبدالحق دہلویؒ نے مشکوٰۃ کی شرح "اشعۃ اللمعات" میں اور علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے اپنی متعدد تصنیفات میں اس کی تصریح کی ہے، اس لیے زبان سے کہنے کے بجائے یہ ارادہ دل میں کرنا چاہیے۔ نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کے علاوہ کوئی اور لفظ زبان سے نہیں کہنا چاہیے۔

تکبیر اولیٰ

جب نماز شروع کرنے کا ارادہ کریں، تو پوری یکسوئی کے ساتھ قبلہ رو اس طرح کھڑے ہوں کہ پاؤں اور کندھوں کا فاصلہ برابر ہو، تاکہ اگر دوسرے کے ساتھ ملے تو نیچے اوپر سے سارا مل سکے، اور نظر پاؤں کی جگہ رہے تو بہتر

ہے۔ اگر پاؤں سے ہٹ جائے تو سجدہ کی جگہ سے آگے نہیں بڑھنی چاہیے۔ اپنے دل کو پورا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر کے "اللہ اکبر" کہتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں یا کندھوں تک اس طرح اٹھائے کہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں قبلہ کی طرف رہیں اور انگلیاں اپنے حال پر کشادہ رہیں۔ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ میں تمام چیزوں سے ہاتھ اٹھا کر اس کی ذات کی طرف متوجہ ہو گیا ہوں، جو سب سے بڑی ہے۔

بعض لوگ "اللہ اکبر" سے پہلے "بسم اللہ" پڑھتے ہیں، سو یاد رہے کہ اس کا کوئی خاص ذکر نہیں آیا اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ ہر اہم کام کو اللہ کے نام سے شروع کرنا چاہیے۔ اس پر "اللہ اکبر" کہنے سے عمل ہو گیا، کیونکہ یہ بھی اللہ کا نام ہے۔ اس لیے دوبارہ "بسم اللہ" کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر دونوں ہاتھ سینہ پر اس طرح باندھ لیجیے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رہے اور داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑ لیا جائے اور باقی انگلیاں ہاتھ کی کلائی پر ملی ہوئی دراز رہیں۔

(مرعاۃ: ج ١، ص ٥٥٦)

طریقہ نماز میں مرد و زن برابر ہیں:

مرد و عورت کے لیے نماز کا طریقہ ادا اور ہیئت و شکل یکساں ہیں، بعض لوگ مرد اور عورت میں فرق کرتے ہیں اور اپنی طرف سے حکم لگاتے ہیں کہ عورت سینہ پر ہاتھ باندھے اور مرد زیر ناف۔ زیر ناف والی حدیث ضعیف ہے، لیکن سینہ پر ہاتھ باندھنے والی روایت مرفوع ہے۔ اس میں مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں بتایا گیا۔ اس لیے حدیث کی پیروی کر کے مرد بھی سینہ پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھیں۔

رفع یدین کے لیے ہاتھ کب اٹھائے جائیں؟

اس بارہ میں احادیث مختلف ہیں کہ ہاتھوں کو کب اٹھایا جائے' آیا تکبیر تحریمہ سے پہلے یا بعد میں یا پھر تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ "تمام احادیث کو دیکھنے کے بعد ترجیح اسی مذہب کو دی جا سکتی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی ہاتھوں کو اٹھایا جائے۔ کیونکہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعض طرق میں اس کی صراحت ہے۔ (فتح الباری: ج ۲' ص ۲۶۰)

سینے پر ہاتھ باندھنا:

سینے پر ہاتھ باندھنے کے بارے میں کئی احادیث قوی وصریح مروی ہیں۔ چنانچہ ذیل میں چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

قبیصہ بن ہلبؒ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

رأیت رسول اللہ ﷺ ینصرف عن یمینه وعن یساره ورأیته یضع یده علی صدره. (تحفۃ الاحوذی: ج ۱' ص ۲۱۶' بحوالہ مسند احمد)

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو (نماز سے فارغ ہونے کے بعد) دائیں بائیں طرف پھرتے اور (نماز میں) سینہ پر ہاتھ رکھے ہوئے دیکھا ہے۔"

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

صلیت مع رسول اللہ ﷺ فوضع یده الیمنی علی یده الیسری علی صدره. (صحیح ابن خزیمہ: ج ۱' ص ۲۴۳)

"میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی' تو آپ ﷺ نے بائیں ہاتھ پر سیدھا ہاتھ سینہ پر رکھا۔"

امام بیہقیؒ نے اس حدیث پر یوں باب باندھا ہے:

باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوۃ من السنة.

"یعنی نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا سنت ہے۔" (بیہقی: ج۲، ص۳۰)

حضرت طاؤس ؒ فرماتے ہیں کہ:

"نبی ﷺ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھتے اور ان کو خوب مضبوطی کے ساتھ ملا کر سینہ پر باندھا کرتے۔" (عون المعبود: ج۱، ص۲۷۵)

حدیث وائل رضی اللہ عنہ کے متعلق علماء احناف کی رائے:

① حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث زیر ناف والی حدیث سے زیادہ صحیح اور موثق ہے۔ چنانچہ علامہ عینی ؒ حنفی جو اپنے مذہب کی تائید میں بڑے مستعد ہیں، فرماتے ہیں:

"امام شافعی ؒ نے وائل رضی اللہ عنہ والی حدیث سے حجت پکڑی ہے جس کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ (اور وہ روایت یہ ہے کہ) "میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، تو آپ ﷺ نے اپنا سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینہ پر رکھا۔" اور ہمارے علماء حنفیہ ایسے دلائل سے حجت پکڑتے ہیں جو مُوثق نہیں ہیں۔" (فتح الغفور: ص۷)

② ابن امیر الحاج ؒ حنفی شرح مُنیہ میں بایں الفاظ معترف ہیں:

"یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا سنت ہے، مگر ایسی کوئی حدیث پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی، جس کی رو سے بدن کے کسی خاص مقام پر ہاتھ رکھنا واجب ہو، سوائے وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث کے۔"

(فتح الغفور: ص۷)

③ مرزا مظہر جان جاناں ؒ حنفی کے معمولات میں لکھا ہوا ہے کہ "نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایت زیر ناف کی روایت سے زیادہ راجح ہے۔"

(مِسک الختام: ج۱، ص۲۱۷)

نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایات اور انکی اصلیت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''(سیدھا) ہاتھ (بائیں) ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے۔'' (دار قطنی: ج۱، ص ۱۰۷، ابوداود: ص ۸۴)

یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحٰق ہے جس کو امام احمد بن حنبل، امام ابوحاتم، ابن معین، امام بخاری اور امام بیہقی (رحمہم اللہ) نے ضعیف کہا ہے۔ (تعلیق المغنی: ص ۱۰۷، از علامہ شمس الحق عظیم آبادی)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ: ''اس حدیث (زیر ناف) کے ضعف پر (ائمۂ حدیث) متفق ہیں اور عبدالرحمٰن بن اسحاق بالاتفاق (ائمۂ محدثین) ضعیف ہے۔'' (شرح مسلم: ج۱، ص ۱۷۳)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: ''عبدالرحمٰن بن اسحاق ضعیف ہے اور ساتویں طبقہ سے ہے۔'' (تقریب التہذیب: ص ۲۲۵)

اس حدیث کی سند میں دوسرا راوی زیاد بن زید السوائی کو امام بخاریؒ نے ضعیف کہا ہے۔ (تعلیق المغنی) اسی طرح حافظ زیلعی نے اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے۔ (نصب الرایہ: ج۱، ص ۳۱۴)

دوسری حدیث شیخ قاسم بن قطلو بغا نے کتاب تخریج احادیث الاختیار عن أبی شیبۃ میں نقل کیا ہے کہ ''علقمہ بن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز میں بائیں ہاتھ پر سیدھا ہاتھ ناف کے نیچے رکھے ہوئے دیکھا۔''

اس حدیث میں تحت السرۃ (زیر ناف) کا اضافہ صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ حدیث مسند احمد اور دار قطنی وغیرہ میں اسی سند کے ساتھ موجود ہے، لیکن تحت السرۃ کے لفظ موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ علامہ سندھیؒ حنفی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''میں کہتا ہوں کہ جو اضافہ زیر ناف کا کیا گیا

ہے اس کے ثبوت میں نظر و تامل ہے، بلکہ یہ غلط ہے جو سہواً وقوع میں آیا ہے۔ کیونکہ میں نے کتاب ''مصنف'' کا صحیح نسخہ دیکھا ہے تو اس میں حدیث مذکورہ اسی سند اور انہی الفاظ کے ساتھ دیکھی مگر اس میں الفاظ تحت السرۃ (یعنی زیر ناف) نہیں تھے۔ البتہ کتاب مذکور میں اس حدیث کے بعد نخعی کے اثر کا ذکر ضرور تھا، اور اس اثر کے آخری الفاظ بھی اس حدیث کے الفاظ کے لگ بھگ تھے، اس اثر کے آخری الفاظ یہ تھے کہ:

> ''نماز میں زیر ناف اور (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) شاید کاتب کی نظر ایک جگہ سے دوسری جگہ چوک گئی۔ یہی وجہ ہوئی کہ موقوف (حدیث) کو مرفوع لکھ دیا اور میرے اس بیان کی دلیل یہ ہے کہ اس زیادتی (زیر ناف) پر کل نسخے متفق نہیں ہیں۔ نیز یہ کہ اکثر اہل حدیث نے اس حدیث کو روایت کیا ہے مگر کسی نے تحت السرۃ کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ اور میں نے سوائے قاسم بن قطلو بغا کے کسی اہل حدیث کو نہیں دیکھا اور نہ سنا، جس نے اس حدیث کو اس اضافہ کے ساتھ ذکر کیا ہو۔ (ابکار المنن: ص ۱۱۶)

الغرض از روئے دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ یہ بات مُسلَّم ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنا موثق اور صحیح ہے، اور اس کے مقابل زیر ناف والی احادیث قابل حجت نہیں ہیں، اس لیے منکرین وضع علی الصدور کو چاہیے کہ حکم رسول اللہ ﷺ مان کر اس پر عمل کریں اور نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھا کریں۔ ضد، تعصب اور اپنی خواہش کی پیروی کرنا ایمان کے منافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی خواہشات کو میری شریعت کا تابع نہ کر دے۔'' (شرح السنۃ للبغوی: ج ۱ ص ۲۱۳)

مطلق ہاتھ باندھنے کی حکمت:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "نماز تَمَسکُن، تَوَاضُع اور تَخَشُّع کی صورت ہے۔" (مسند احمد)

یعنی جب نماز عاجزی اور مسکینی کی صورت ہے تو اس کے لیے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا نہایت موزوں و مناسب ہے، کیونکہ اس میں زیادہ عاجزی ظاہر ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

> "علماء نے لکھا ہے کہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے میں ذلیل و عاجز سائل کی صورت کا اظہار ہے۔ نیز (ہاتھ باندھنا) عبث و فضول کام سے بھی روکتا ہے اور خشوع و خضوع کے زیادہ قریب ہے۔ امام بخاریؒ نے اسی نکتہ کو سامنے رکھ کر اس کے بعد خشوع کا باب باندھا ہے۔" (فتح الباری: ج ۲ ص ۲۲۴)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> "زمانۂ رسالت مآب ﷺ میں لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ ہر آدمی نماز میں اپنا داہنا ہاتھ بائیں پر رکھے۔" (بخاری: ج ۱ ص ۱۰۲)

الغرض زمانۂ رسالت میں ہاتھ باندھ کر نماز کے لیے کھڑے ہونے کا معمول تھا۔ اس میں عاجزی و مسکینی زیادہ ہے، لہٰذا سینہ پر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا چاہیے۔ جیسا کہ تفصیلاً پہلے گزر چکا ہے۔

سینہ پر ہاتھ رکھنے کی حکمت:

دل چونکہ جذبات، عقیدت، خلوص اور بے چینی و اضطراب کا محل ہے۔ بوقتِ اضطراب، حصولِ سکون و آرام کی خاطر دل پر ہی ہاتھ رکھا جاتا ہے۔ قراءتِ قرآن کے وقت رسول اللہ ﷺ کے سینہ مبارک سے ہنڈیا کے جوش جیسی آواز سنائی دیتی تھی، لہٰذا سینہ پر ہاتھ باندھنا نہایت مناسب اور اس کی حکمت آسانی

کے ساتھ سمجھ میں آسکتی ہے۔

دعائے اِستِفتاح:

جب تکبیر تحریمہ (یعنی اللہ اکبر) کہہ کر دونوں ہاتھوں سے رفع یدین کرتے ہوئے سینہ پر ہاتھ باندھ لیں، تو مندرجہ ذیل دعاء پڑھیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (جب نماز شروع کرتے تو) تکبیر تحریمہ کے بعد تھوڑی دیر خاموش رہتے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ تکبیر (تحریمہ) اور قراءت کے درمیان کیا پڑھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا، میں یہ دعاء پڑھتا ہوں:

اَللّٰھُمَّ! بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ

اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان مشرق اور مغرب جتنا فاصلہ کر

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اَللّٰھُمَّ! نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا

دے۔ اے اللہ! مجھے گناہوں سے اس طرح صاف کر دے جسطرح

یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ

سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کر دیا جاتا ہے۔ اے اللہ! میرے گناہ

خَطَایَایَ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ ○ (مشکوٰۃ: ص ۷۷)

پانی، برف اور اولوں سے دھو دے۔

② یا تکبیر تحریمہ کے بعد یہ دعا پڑھیں:

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی

اے اللہ! تو اپنی تعریفوں سمیت پاک ہے۔ تیرا نام بڑا مبارک ہے۔ تیرا مقام

جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ ○ (مشکوٰۃ: ص ۷۸)

بہت برتر ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

نوٹ: دوسری دعا کی سند ضعیف ہے، پہلی دعا بالاتفاق صحیح ہے اس لیے اسی کو ہی معمول بنانا چاہیے۔ ان دو دعاؤں کے علاوہ اور دعائیں بھی احادیث میں آئی ہیں۔ اگر یاد ہوں تو وہ بھی آپ پڑھ سکتے ہیں۔

تعوّذ:

دعاء یا ثناء کے بعد تعوّذ پڑھیے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

میں اللہ کے ساتھ شیطان مردود سے پناہ مانگتا ہوں۔

حدیث میں اس طرح بھی تعوذ آیا ہے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

میں شیطان مردود سے سمیع وعلیم اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، اس کے وسوسوں سے

مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ ○ (ابوداود: ج۱، ص۱۲۰)

اس کے پھونکنے سے، اس کے اِلقاء سے۔

سورۂ فاتحہ:

تعوّذ کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

رحمان ورحیم اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳﴾

ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے، نہایت رحم والا (اور) بہت مہربان ہے

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۵﴾

روز جزا کا مالک ہے، (اے اللہ) ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿٦﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ

ہمیں سیدھا راستہ دکھا‘ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا‘

عَلَيْهِمْ ‘ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿٧﴾

ان پر غضب نہیں کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔

آمین

سورۂ فاتحہ کے اختتام پر آمین کہیں (یعنی اے اللہ! ہماری یہ دعاء والتجاء قبول فرما۔) (ترمذی: ج۱‘ ص ۵۷)

نوٹ: آمین قراءت کے تابع ہے‘ یعنی اگر فاتحہ آہستہ پڑھی جائے تو آمین بھی آہستہ کہیں اور اگر بلند آواز سے پڑھی جائے تو آمین بھی بلند آواز سے کہیں۔ (زاد المعاد: ج۱‘ ص ۲۰۷)

آمین کا ماخذ اور معنی:

آمین کا لفظ عبرانی اور عربی میں استعمال ہوتا ہے اس کا معنی یہ ہے: یعنی ”اے اللہ! (ہماری دعاؤں کو) سن اور قبول فرما‘ یا (اس کا معنی یہ ہے) ایسا ہی ہو۔“

سابقہ امتوں میں آمین کا رواج:

آمین کہنے کا رواج مسلمانوں سے پہلے دوسری امتوں میں بھی پایا جاتا تھا‘ چنانچہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی۔“ (سورۂ یونس)

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے جاتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے جاتے تھے۔“ (ابن کثیر: ج۲‘ ص ۳۴۵)

زبور میں حضرت داوٗد علیہ السلام کی دعا کے بعد آمین کا ذکر ہے:

> ”تو اے خداوند! مجھ پر رحم کر کے مجھے اٹھا، کھڑا کر، تاکہ میں ان کو بدلہ دوں (اس کے آخر میں ہے) ازل سے ابد تک مبارک ہو۔ آمین ثم آمین۔“ (کتاب مقدس: ص ۵۵۱)

اسی طرح زبور، کتاب چہارم کے آخر میں ہے:

> ”ازل سے ابد تک مبارک ہو، اور ساری قوم کہے آمین۔“

(کتاب مقدس: ص ۵۹۲)

قراءت فاتحہ کے بعد آمین:

حضرت ابومیسرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جناب نبی کریم ﷺ کو سورۂ فاتحہ پڑھائی اور ولا الضالین پر پہنچ کر فرمایا: آمین کہیے۔“ (ابن ابی شیبہ، دلائل نبوۃ، از بیہقی، تفسیر مدارک: ج ۱، ص ۵، از علامہ نسفی حنفی)

آمین دعا پر مُہر ہے:

حضرت ابوزہیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”آمین ایسے ہے جیسے خط پر مُہر“ پھر آپ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

> ”ہم ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلے اور چلتے چلتے ہمارا گزر ایک ایسے شخص پر ہوا جو جناب الٰہی میں دعا کر رہا تھا اور نہایت الحاح وزاری سے دعا کرتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کی یہ الحاح وزاری دیکھ کر فرمایا: ”اس کی دعا قبول ہوئی اگر اس نے دعا پر مُہر بھی لگائی۔“ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ دعا پر کس چیز کی مُہر لگائی جاتی ہے؟ فرمایا: ”لفظ (آمین) کی۔“ (ابوداود: ج ۱، ص ۱۴۲)

آمین کہنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو' کیونکہ جس شخص کی آمین کو فرشتوں کی آمین سے موافقت ہو گئی تو اس کے تمام گزشتہ گناہوں پر قلمِ عفو کھینچ دیا جائے گا۔“

امام زُہریؒ فرماتے ہیں کہ: ”رسول اللہ ﷺ خود بھی بلند آواز سے آمین کہا کرتے تھے۔“ (بخاری: ج۱' ص ۱۰۸' مسلم: ج۱' ص ۱۷۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین کہنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اس لیے ہر مسلمان کو اپنے گناہوں کی معافی کے لیے آمین کہنی چاہیے۔

آمین کہنے والے اللہ کے محبوب ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب امام ﴿غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین﴾ کہے تو تم بھی آمین کہو' اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب رکھے گا۔“ (تحفۃ الذاکرین: ص ۱۱۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین کہنے والے اللہ تعالیٰ کے پیارے' محبوب اور پسندیدہ بندے ہیں' ان سے خواہ مخواہ دشمنی نہیں رکھنی چاہیے' بلکہ خود بھی اس سنت کو ادا کر کے اللہ کے محبوبین میں شامل ہونا چاہیے۔

یہودی آمین سے چڑتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”یہودی جتنا سلام اور آمین سے حسد کرتے ہیں' اتنا کسی اور شے پر حسد نہیں کرتے۔“ (ابن ماجہ: ج۱' ص ۶۲' صحیح ابن خزیمہ: ج۱' ص ۲۸۶)

اس سے معلوم ہوا کہ جس کو آمین کا کہنا برا لگے اس میں ایک طرح کا شائبہ یہودیت ہے۔ پس مسلمانوں کو اس پر غور کرنا چاہیے اور اس امر کا خاص

خیال رکھنا چاہیے کہ ارشاد نبوی ﷺ کی سرتابی نہ ہو۔ نیز اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آمین بلند آواز سے کہنی چاہیے۔ کیونکہ بلند آواز سے آمین وسلام کہنے سے بہت سی آوازیں مل جاتی ہیں جس سے اسلامی وحدت کی نمائش ہوتی ہے اس لیے یہود کو حسد آتا ہے۔ ورنہ آہستہ میں کچھ معنی نہیں، کیونکہ جب کچھ سنا ہی نہیں تو حسد کس بات پر۔

بلند آواز سے آمین کہنا:

مذکورہ تمام روایات سے آمین اور اس کے فضائل ثابت ہو گئے۔ اب امام کے پیچھے با آواز بلند یا آہستہ کہنے کا اختلاف رہ گیا، سو یہ کوئی اتنا بڑا اختلاف نہیں ہے۔ سوائے حنفیہ کے باقی سب بلند آواز سے کہتے اور اسے نہ صرف جائز بلکہ موجبِ ثواب (سنتِ نبوی ﷺ) سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خود اونچی آمین نہ کہتا ہو، تو اسے اونچی کہنے والوں کو برا نہ سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ مثل امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ اسی طرف گئے ہیں۔ ذیل میں تفصیلاً بلند آواز سے آمین کہنے کا ثبوت ملاحظہ فرمائیں۔

امام اور مقتدی دونوں آمین کہیں:

نُعیم المُجمِر کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے پہلے بسم اللہ پڑھی۔ جب آپ سورۂ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوئے تو آمین کہی اور ان لوگوں نے بھی آمین کہی جو آپ رضی اللہ عنہ کے پیچھے تھے، جب سلام پھیرا، تو کہا: ”اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تم سب سے بڑھ کر نماز میں رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہوں۔“

(ابن حبان: ج۵، ص۱۰۴، شرح معانی الآثار: ج۱، ص۱۹۹)

شیخ الاسلام حافظ ابن قیمؒ نے نہایت مختصر الفاظ میں ایسی احادیث کا خلاصہ اس طرح بیان کیا ہے:

فإذا فرغ من قراءة الفاتحة قال آمين. فإن كان يجهر بالقراءة رفع بها صوته وقالها من خلفه. (زادالمعاد: ج۱ ص۵۴)

”جب آپ ﷺ قراءت فاتحہ سے فارغ ہوتے، تو آمین کہتے پس اگر اونچی قراءت پڑھتے تو آمین بھی اونچی آواز سے پکارتے، اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی جو آپ ﷺ کے پیچھے ہوتے وہ بھی آمین کہتے۔“

اس سے ثابت ہوا کہ امام اور مقتدی دونوں بلند آواز سے آمین کہیں، اب صرف یہ باقی رہ گیا ہے کہ کیا اکیلا نمازی بھی فاتحہ کے بعد آمین کہے، سو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ آمین فاتحہ کے تابع ہے۔ اکیلا بھی جب فاتحہ سے فارغ ہو تو آمین کہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إذا قال أحدكم آمين، وقالت الملائكة في السماء آمين فوافق أحدهما الآخر غفر الله له ما تقدم من ذنبه. (بخاری: ج۱ ص۱۰۸)

”جب تم میں سے کوئی آمین کہتا ہے اور فرشتے (جو) آسمان پر آمین (کہا کرتے ہیں وہ بھی) کہیں اور پھر دونوں آمین موافق ہو جائیں تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

وأحب قولها لكل من صلى رجل أو امرأة أو صبي في جماعة أو غير جماعة. (کتاب الأم: ج۱ ص۹۵)

”میں ہر نماز پڑھنے والے کے لیے آمین کا کہنا محبوب رکھتا ہوں، خواہ مرد ہو یا عورت یا لڑکا۔ جماعت میں ہو یا اکیلا نماز پڑھے۔“

شیخ عبدالحق حنفیؒ فرماتے ہیں: "آمین گفتن بعد قرائتِ فاتحہ در نماز سنت است' وفضل بسیار دارد۔" یعنی نماز میں فاتحہ کے خاتمہ پر آمین کہنا سنت اور بڑی فضیلت والی بات ہے۔ (شرح سفر السعادت: ج۱' ص۵۳)

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ: "امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اکیلا نماز پڑھنے والا بھی آمین کہے۔" (نیل الاوطار: ج۲' ص۲۲۲)

رسول اکرم ﷺ بلند آواز سے آمین کہتے تھے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"جب نبی ﷺ سورۂ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔" (دارقطنی: ج۱' ص۳۳۵)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا' جب آپ ﷺ نے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ پڑھا تو آپ ﷺ نے بلند آواز سے آمین پکاری۔" (ترمذی: ج۱' ص۵۷' ابوداود: ج۱' ص۱۴۲)

آخری صف میں آمین کی آواز:

(ایک صحابیہ) ام حصین رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی' جب آپ ﷺ نے ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ پڑھا' تو بلند آواز سے آمین کہا' پس اس نے آپ ﷺ کی آمین سن لی۔ حالانکہ وہ عورتوں کی صف میں مردوں کے بہت پیچھے کھڑی تھیں۔" (تخریج ہدایہ زیلعی: ج۱' ص۱۹۶)

آمین کی آواز سے مسجدِ نبوی ﷺ میں گونج:

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور جو لوگ ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے' اتنی بلند آواز سے آمین پکارتے تھے کہ مسجد گونج اٹھتی۔ (بخاری: ج۱' ص۱۰۷)

آمین کی آواز بیت الحرام میں:

حضرت عطاء بن رَباحؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ: ''میں نے خانہ کعبہ میں دو سو اصحاب رسول ﷺ کو پایا کہ جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ﴾ کہتا تو میں ان کی آمین کی گونج سنتا تھا۔'' (اعلام الموقعین: ج۲' ص۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی امام کو ہدایت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروان کی طرف سے مؤذن تھے اور صفوں کی درستی کی خدمت بھی آپ کے سپرد تھی۔ چنانچہ آپ امام سے فرمایا کرتے تھے کہ:

''دیکھنا کہیں میری آمین فوت نہ کر دینا۔'' (بخاری: ج۱' ص۱۰۷)

یعنی میں صفیں ہی درست کرتا رہ جاؤں اور تم جلدی جلدی قراءت کر کے آمین کہہ جاؤ' بلکہ مجھے بھی شامل کر لینا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی لوگوں کو ترغیب:

حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آمین نہ چھوڑتے تھے اور لوگوں کو (بھی) اس کی ترغیب دیتے تھے۔ اور میں نے (آمین کے متعلق) آپ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بھی سنی ہے۔'' (بخاری: ج۱' ص۱۰۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''رسول اللہ ﷺ جب ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ﴾ کہتے' تو آمین پکارتے۔'' (ابن ماجہ: ج۱' ص۶۲)

علمائے احناف کی شہادت:

بعض اختلافی مسائل میں جانبین کے پاس دلائل کا کچھ نہ کچھ سہارا ہوتا ہے مگر آمین کے مسئلہ میں فریقِ مخالف کے پاس تنکے کا سہارا بھی نہیں ہے' چنانچہ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں:

ولیس بید من خالف فی ذلك شيء يصلح للتمسك به

أصلا. (تحفۃ الذاکرین: ص۱۲۰)

"آمین کی مخالفت کرنے والوں کے پاس ایک بھی صحیح دلیل نہیں ہے۔"

اسی وجہ سے بعض محققین علمائے احناف آمین بالجہر کی احادیث کو دیکھ کر اس کے قائل ہو گئے ہیں۔ ذیل میں ہم چند باکمال حنفی علماء کے اقوال درج کرتے ہیں، جنہوں نے آمین بالجہر کو تسلیم کیا ہے۔

امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ: ابن ہمامؒ احناف میں خاص قابلیت کے بزرگ گزرے ہیں، وہ اپنی مایہ ناز کتاب "فتح القدیر" میں فرماتے ہیں:

"اگر فیصلہ میرے سپرد ہوتا، تو میں (جہر واخفاء کی روایات میں) یوں موافقت پیدا کرتا کہ آہستہ کہنے کی حدیث سے مراد یہ ہے کہ چلا کر نہ کہے اور جہر کی حدیث سے یہ مراد ہے کہ درمیانی آواز سے کہے۔" (ج۱، ص۱۱۷)

مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کا انصاف: مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں:

والإنصاف أن الجهر قوي من حيث الدليل. (التعليق الممجد: ص۱۰۵)

"انصاف کی بات تو یہ ہے کہ دلیل کی رو سے آمین بالجہر قوی ہے۔"

مولانا سراج احمد رحمۃ اللہ علیہ: یہ بھی حنفی بزرگ ہیں، لکھتے ہیں:

أحاديث الجهر بالتأمين أكثر وأصح. (شرح ترمذی: ج۱، ص۲۷۳)

"بلند آواز سے آمین کہنے کی احادیث زیادہ بھی ہیں اور صحیح بھی۔"

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اِظہارِ حق:

"سورۂ فاتحہ کے اختتام پر رسول اللہ ﷺ آمین کہتے تھے، جہری نماز میں جہری، اور سری نماز میں آہستہ آواز سے۔ اور آپ ﷺ

کی موافقت میں مقتدی بھی آمین کہتے تھے۔ جہر نماز میں آمین بلند آواز سے کہنے کے متعلق کئی ایک احادیث (مروی) ہیں۔"

(مدارج النبوۃ: ج۱' ص۴۰۱)

امام ابن امیر الحاج رحمہ اللہ: یہ بھی حنفی بزرگ اور امام ابن ہمام کے تلامذہ میں سے ہیں' انہوں نے بھی اپنے استاد کے فیصلے کو قبول کیا ہے' چنانچہ ابن ہمام کا فیصلہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "ہمارے مشائخ نے جن دلائل سے اپنے مذہب کو ترجیح دی ہے وہ تامل سے خالی نہیں۔" (التعلیق المجد: ص۱۰۵)

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ارشاد: شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ "غنیۃ الطالبین" میں لکھتے ہیں:

"قراءت اور آمین اونچی آواز سے کہنی چاہیے۔" (ج۱' ص۲۳)

ان علماء کے علاوہ دیگر علماء بھی اسی طرح لکھتے ہیں' مگر ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔ تسلی واطمینان کے لیے جو کچھ لکھا گیا ہے' اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ ضد وتعصب سے محفوظ رکھے اور صحیح سنت نبوی ﷺ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

"بسم اللہ" آہستہ اور بلند آواز سے پڑھنا

بسم اللہ آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں علماء کے دو مسلک معروف ہیں۔

① ایک مسلک آہستہ پڑھنے کا ہے۔ یہ مسلک حضرت امام ابوحنیفہؒ اور بعض شافعی علماء اور تمام اہل حدیث کا ہے۔

② دوسرا مسلک بسم اللہ جہر سے پڑھنے کا ہے۔ یہ مسلک امام شافعیؒ اور ان کے متبعین نے اختیار کیا ہے۔

بسم اللہ آہستہ یا بلند دونوں طرح جائز ہے۔ پڑھنے والے کو اختیار ہے خواہ آہستہ پڑھے خواہ جہر سے۔ لیکن جہاں تک افضلیت کا تعلق ہے وہ بسم اللہ کو سِرًّا پڑھنا ہی ہے۔ بسم اللہ جہر سے پڑھنے کے متعلق کئی ایک احادیث آئی ہیں۔ امام دارقطنیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع اور موقوف روایات وآثار ذکر فرمائے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بسم اللہ جہر سے پڑھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بسم اللہ جہر سے پڑھنا منقول ہے۔ لیکن اکثر کی سندیں ضعیف ہیں۔ مجموعی طور پر ان سے جہر کے لیے استدلال کی گنجائش موجود ہے۔ مگر افضل طریقہ آہستہ پڑھنے کا ہی ہے۔ چنانچہ شارح ترمذی حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> واستدلوا بحديث الباب بعدة أحاديث أخرى، أكثرها ضعيفة. (تحفۃ الاحوذی: ج۱، ص۲۰۵)
>
> ”باب کی حدیث اور اس طرح کی دیگر احادیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ نماز میں بسم اللہ جہر سے پڑھنی چاہیے۔ مگر اس مضمون کی اکثر وبیشتر احادیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ”اسی طرح بسم اللہ کے آہستہ اور بلند آواز سے پڑھنے کا مسئلہ ہے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم جہر کے قائل ہیں اور اکثر آہستہ پڑھنے کے۔ اور بعض جہر واِخفاء دونوں کو درست سمجھتے ہیں، لیکن صِحاح اور سُنَن میں جو روایات نبی ﷺ سے نقل کی گئی ہیں ان کا مفاد یہ ہے کہ آپ ﷺ بسم اللہ کو جہر نہیں کرتے تھے، جیسا کہ اکثر صحابہ

رضی اللہ عنہم اور امت کا عمل ہے۔ (پھر تھوڑا سا آگے چل کر لکھتے ہیں)

جن احادیث میں بسم اللہ جہری پڑھنے کی صراحت ہے وہ محدثین کے نزدیک تمام کی تمام ضعیف ہیں۔ (پھر) امام ابوداودؒ کی کتاب "**الناسخ والمنسوخ**" سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ جب مکہ میں تھے' تو **بسم اللہ** جہر کر کے پڑھتے تھے' لیکن مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد وفات تک (**بسم اللہ**) آہستہ پڑھتے رہے' یہی امر واقعہ ہے۔"

(خلاف الأمة في العبادات ومذهب أهل السنة والجماعة: ص ۲۷' ۲۸)

بسم اللہ آہستہ پڑھنا افضل ہے:

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنے سے متعلق جو احادیث و آثار وارد ہیں وہ زیادہ بھی ہیں اور صحیح بھی۔ امام ترمذیؒ نے ترک جہر پر باب قائم کر کے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"میں نے نماز میں بسم اللہ جہر سے پڑھی تو میرے باپ رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا: بیٹے! بسم اللہ جہر سے پڑھنا بدعت ہے اور بدعت سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ میں نے اصحابِ رسول ﷺ کو دیکھا ہے' وہ بدعت کو بہت مبغوض جانتے تھے اور میں نے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے میں نے کسی کو بسم اللہ جہر کر کے پڑھتے ہوئے نہیں سنا' لہٰذا تم بھی جہر سے بسم اللہ نہ پڑھو۔"

اس حدیث کو احمد نے (ج ۴' ص ۸۵' ج ۵' ص ۵۵)' ترمذی نے (ص ۲۲۴)' نسائی نے (ج ۲' ص ۱۳۵)' ابن ماجہ نے (ص ۸۱۵)' بخاری نے تاریخ کبیر (ج ۸' ص ۴۴۱' ۴۴۲) میں' دولابی نے کُنیٰ (ج ۲' ص ۹۶) میں' بیہقیؒ نے سُنَن (ج ۲' ص ۵۲) میں اور خطیب نے مُوضِح (ج ۲' ص ۳۲۷' ۳۲۸) میں روایت کیا ہے۔

علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ:

> عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ "بسم اللہ" آہستہ پڑھنے کا عمل امت نے رسول اللہ ﷺ سے یکے بعد دیگر بطور میراث پایا ہے۔ اور یہی ایک بات اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے، کیونکہ جہر نمازوں میں اگر رسول اللہ ﷺ کا ہمیشہ کا معمول جہری "بسم اللہ" پڑھنے کا ہوتا تو اہل علم کا اس میں اختلاف نہ ہوتا۔ پھر تو اس کا علم ہر ایک کو ہونا چاہیے تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت مغفل رضی اللہ عنہ بھی پورے وثوق سے یہ اعلان نہ کرتے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم "بسم اللہ" جہر سے نہ پڑھتے تھے۔ اور جہر سے پڑھنے کو بدعت بھی نہ کہتے۔ اہلِ مدینہ کا مسجدِ نبوی ﷺ اور اس کے محراب میں ہمیشہ سے "بسم اللہ" آہستہ پڑھنے کا ہی عمل چلا آ رہا ہے اور کوئی بھی عقل مند انسان یہ گمان نہیں کر سکتا کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظامؒ اور اکثر اہلِ علم شروع سے آج تک رسول اللہ ﷺ کے خلاف عمل کرتے چلے آ رہے ہوں۔" (نصب الرایہ: ج۱، ص۳۳۲)

سُنَن بیہقیؒ میں ایک راوی نے اس حدیث کو عبداللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ عنہما کی بجائے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ مگر حدیث عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما زیادہ صحیح ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے کہا ہے۔

یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے مگر دوسری سند سے، حدیث عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما کو ان سے ان کے بیٹے یزید نے روایت کیا ہے، جس کو حافظ ابن حجرؒ نے "تہذیب التہذیب" (ج۲، ص۳۲۶) میں ذکر کیا ہے۔ مگر اس

کے بارے میں انہوں نے کسی قسم کی جرح یا تعدیل ذکر نہیں کی۔ لیکن ان کی اس حدیث کی تائید انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے۔

حدیث انس رضی اللہ عنہ کو بخاری (ص ۷۴۳)، مسلم (ج ۴، ص ۱۱۰، ۱۱۱)، ابوداود (ص ۷۸۲)، ترمذی (ص ۲۴۶)، نسائی (ج ۲، ص ۱۳۳، ۱۳۵)، ابن ماجہ (ص ۸۱۳)، ابن جارود (ص ۱۸۱، ۱۸۳)، ابن خزیمہ (ص ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۴، ۴۹۸) اور ابن حبان (ج ۵، ص ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ قراءت کی ابتداء ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے کرتے تھے۔ یہی بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی حدیث میں بیان کی ہے۔ ان کی حدیث کو مسلم (ج ۴، ص ۲۱۳)، ابوداود (ص ۸۷۳) اور ابن ماجہ (ص ۸۱۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ میں انہیں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ جہراً پڑھتے ہوئے نہ سنتا۔ یہ روایت نسائی، ابن جارود اور ابن حبان کی ہے۔ ایک دوسری روایت میں وہ فرماتے ہیں کہ وہ بسم اللہ جہر سے نہ پڑھتے تھے۔ یہ روایت ابن خزیمہ، ابن جارود اور ابن حبان کے یہاں ہے۔ ایک تیسری روایت میں ہے کہ وہ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔ یہ روایت ابن خزیمہ کی ہے۔ اسی طرح یہ طبرانی کبیر (ج ۱، ص ۲۸۵، ۲۸۶) اور کامل ابن عدی (ج ۳، ص ۱۲۶۳) میں بھی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم بسم اللہ کو بلند آواز سے نہیں بلکہ آہستہ پڑھتے تھے۔ بلکہ امام ترمذی رحمہ اللہ حدیث عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”اسی پر نبی اکرم ﷺ کے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم جن میں ابوبکر، عمر، عثمان، اور علی رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی ہیں اور

تابعینؒ کا عمل ہے۔ سفیان ثوریؒ ابن مبارکؒ احمدؒ اور اسحٰقؒ کا بھی یہی قول ہے۔ یعنی وہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ جہر سے پڑھنے کے قائل نہیں اور ان کا کہنا ہے کہ اس کو آہستہ پڑھا جائے۔‘‘ (ترمذی: ج۲‘ ص۱۴)

فقہاء میں سے حنفیہ اور حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ دیکھیں ہدایہ مع فتح القدیر (ج۱‘ ص۲۹۱) اور مُغنی ابن قُدامہ (ج۱‘ ص۴۷۸)۔ کبار اور محققین علماء بھی اسی طرف گئے ہیں کہ ’’بسم اللہ‘‘ کو نماز میں آہستہ ہی پڑھنا چاہئے۔ چند ایک کے اسمائے گرامی مع حوالہ جاتِ کتب درج ذیل ہیں:

ابن العربی ’’عارضۃ الاحوذی‘‘ (ج۱‘ ص۴۴‘ ۴۶)‘ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ ’’مجموعۃ الفتاوی الکبریٰ‘‘ (ج۱‘ ص۸۸‘ ۱۰۴‘ ج۲‘ ص۴۱۰)‘ زیلعی ’’نصب الرایہ‘‘ (ج۱‘ ص۳۲۸‘ ۳۶۳)‘ سید نذیر حسینؒ و محدث عظیم آبادیؒ ’’التعلیق المغنی‘‘ (ج۱‘ ص۳۱۵‘ ۳۱۶)‘ مبارک پوریؒ ’’تحفۃ الاحوذی‘‘ (ج۱‘ ص۲۰۴)‘ البانی ’’صفۃ الصلوٰۃ‘‘ (ص۷۷) و ’’تمام المنہ‘‘ (ص۱۶۹)‘ ابن باز ’’حاشیہ فتح الباری‘‘ (ج۲‘ ص۲۲۹)‘ علامہ شوکانیؒ کا رُجحان بھی اسی مسلک ہی کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ دیکھیں نیل الاوطار (ج۲‘ ص۲۰۴)۔

جس حدیث سے بسم اللہ جہر سے پڑھنے کی دلیل لی جاتی ہے اس کو نسائی (ج۲‘ ص۱۳۴) ابن خزیمہ (ص۴۹۹) ابن جارود (ص۱۸۴) ابن حبان (ج۵‘ ص۱۰۰‘ ۱۰۴‘ ۱۰۵) دارقطنی (ج۱‘ ص۳۰۵‘ ۳۰۵) حاکم (ج۱‘ ص۲۳۲) اور بیہقی (ج۲‘ ص۴۶‘ ۵۸) نے روایت کیا ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو ابن خزیمہ‘ ابن حبان‘ دارقطنی‘ حاکم‘ بیہقی اور ذہبیؒ وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانی نے سعید بن ابی ہلال کی وجہ سے اس حدیث کی سند میں کلام کیا ہے مگر مجھے ان سے اتفاق نہیں۔ بہر حال یہ حدیث تو صحیح ہے لیکن اس میں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کا اضافہ محل نظر ہے۔

حافظ زَیلعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے آٹھ سو شاگردوں میں

سے سوائے نُعَیم مُجْمِر کے کسی نے بھی ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی ان کے شاگردوں میں سے کسی ثقہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اس نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہو کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں ''بسم اللہ'' کو جہر سے پڑھتے تھے۔ نُعَیم کے اس اضافے پر طویل کلام کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ اس کو اگر صحیح بھی تسلیم کر لیں تو اس میں بسم اللہ جہر سے پڑھنے کی صراحت تو نہیں۔ (نصب الرایہ: ج۱' ص۳۳۵' ۳۳۶)

بسم اللہ جہر سے پڑھنے کے بارے میں بعض ضعیف اور متعدد سخت ضعیف اور من گھڑت قسم کی روایات سنن دارقطنی وغیرہ میں موجود ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور زیلعی نے بھی ذکر کیا ہے کہ دارقطنی جب مصر تشریف لے گئے تو بعض مصریوں نے ان سے بسم اللہ جہر سے پڑھنے کے بارے میں ایک مستقل رسالہ تالیف کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے جب رسالہ تالیف کر لیا تو کسی مالکی نے ان سے سوال کیا کہ وہ یہ بتائیں کہ اس رسالہ میں کتنی صحیح روایات ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس بارے میں جتنی بھی مرفوع احادیث ہیں سب کی سب غیر صحیح ہیں۔ رہے آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم تو ان میں سے بعض تو صحیح اور بعض ضعیف ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کی معرفت اور جان پہچان رکھنے والے اس امر پر متفق ہیں کہ بسم اللہ جہر سے پڑھنے کے بارے میں کوئی صحیح' صریح روایت نہیں اور نہ ہی مشہور سنن کے مؤلفین مثلاً ابوداودؒ ترمذیؒ اور نسائیؒ نے اس بارے میں کوئی حدیث روایت کی ہے۔ اس کو جہر سے پڑھنے کا ذکر من گھڑت روایات میں ملتا ہے جن کو ثعلبی' ماوردی اور ان جیسے مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ یا پھر یہ روایات ان فقہاء کی کتب میں ملتی ہیں جو موضوع اور غیر موضوع روایات میں تمیز نہیں کرتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> ’’میں نے حضرت ابوبکر‘ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی۔ ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔‘‘ (مسلم: ج۱‘ ص۱۷۲)

مسلمؒ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ بسم اللہ شروع یا اخیر میں نہیں پڑھتے تھے۔ احمدؒ اور نسائیؒ کی روایت میں ہے‘ بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھا کرتے تھے‘ اور ابنِ خزیمہؒ کی روایت میں ہے کہ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے اور اسی پر مسلم کی نفی کو محمول کیا جائے گا۔

(بلوغ المرام: ص۲۰‘ القول المقبول فی تخریج أحادیث صلوۃ الرسول)

علماء اہل حدیث:

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے بسم اللہ آہستہ پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ ہجرت سے لے کر آپ ﷺ کی وفات تک یہ آپ ﷺ کے خادم رہے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ آپ ﷺ جہری نمازوں میں بلند آواز سے بسم اللہ پڑھتے رہے ہوں‘ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اس سے بے خبر رہے ہوں۔ (فتاوی ابن تیمیہ: ج۲۲‘ ص۴۱۲)

شیخ الاسلام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ:

> ’’رسول اللہ ﷺ بسم اللہ کبھی اونچی بھی پڑھ لیا کرتے تھے‘ لیکن آہستہ پڑھنے کا عمل اونچی پڑھنے کے مقابلہ میں زیادہ تھا۔‘‘ (زاد المعاد)

رئیس المحدثین حضرت مولانا علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ فرماتے ہیں کہ:

> ’’بسم اللہ آہستہ پڑھنا‘ جہر کے مقابلہ میں میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔‘‘ (تحفۃ الاحوذی)

اپنے وقت کے ابن تیمیہؒ حضرت العلام حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ کا

عمل بھی آہستہ پڑھنے کا تھا۔

حضرت العلام حضرت مولانا حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جہری نمازوں میں بسم اللہ جہر سے بھی پڑھنی درست ہے۔"

(تعلیم الصلوٰۃ: ج ۱' ص ۱۳۱)

گویا حضرت العلام کے نزدیک آہستہ پڑھنا اصل اور افضل ہے۔

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ جہری نمازوں میں بسم اللہ عموماً آہستہ پڑھتے تھے' لیکن کبھی جہری بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ اس لیے یہ بھی درست ہے اس پر کوئی عمل کرے تو کوئی حرج نہیں۔"

(رسول اکرم ﷺ کی نماز: ص ۸۰)

مذکورہ تمام احادیث' ائمہ دین اور علماء اہل حدیث کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ بسم اللہ آہستہ پڑھنا بہتر اور جہر سے پڑھنا جائز ہے۔

نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ

اہل حدیث کے نزدیک ہر قسم کی نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا' امام' مقتدی' منفرد سب پر فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی' کیونکہ سورۂ فاتحہ' نماز کا رکن ہے۔

اس لیے اس مسئلہ کو بیان کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس میں تحقیق نہ کرنے' ضد' تعصب' اور ہٹ دھرمی سے کام لینے میں عمر بھر کی نمازوں کے بےکار جانے کا شدید اندیشہ ہے۔ نیز یہ وہ مسئلہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے سخت تاکید فرمائی ہے۔ ذیل میں چند ایک احادیث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عُبادہ بن صامِت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَاْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ‘‘.

(بخاری: ج۱، ص۱۰۴، مسلم: ج۱، ص۱۶۹، ترمذی: ج۱، ص۵۷، ابوداود: ج۱، ص۱۲۶، نسائی: ج۱، ص۱۶۹، ابن ماجہ: ج۱، ص۶۰، کتاب القراءۃ امام بخاری: ص۲، کتاب القراءۃ بیہقی: ص۱۱)

’’اس شخص کی نماز نہیں ہے جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔‘‘

علامہ قَسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ:

’’حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث امام، مقتدی، منفرد، سب کو شامل ہے۔ خواہ امام جہری قراءت کرے یا پوشیدہ (نیز) ہر رکعت میں پڑھنا لازمی ہے۔‘‘ (قسطلانی: ج۲، ص۴۳۹)

علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ:

’’یہ حدیث دلیل ہے کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا، امام، مقتدی، اور اکیلے کے لیے سب نمازوں میں واجب ہے۔‘‘ (کرمانی: ج۵، ص۱۲۴)

علامہ عینیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

’’اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن مبارک، اوزاعی، مالک، شافعی، احمد، اسحٰق، ابوثور، اور امام ابوداود رحمہم اللہ نے مقتدی کے لیے امام کے پیچھے تمام نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے وجوب پر دلیل پکڑی ہے۔‘‘ (عمدۃ القاری، شرح بخاری: ج۳، ص۶۴)

حدیث اور شارحینِ حدیث کی اس کھلی وضاحت کے باوجود کچھ حضرات کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس حدیث میں امام، مقتدی یا منفرد کا ذکر نہیں اس لیے اس سے مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ اس کے جواب کے لیے حدیث ذیل ملاحظہ ہو جس میں صاف صاف لفظوں میں مقتدیوں کا ذکر موجود ہے۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نمازِ فجر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، آپ ﷺ نے جب قرآن پڑھا، تو آپ ﷺ پر پڑھنا مشکل ہو گیا۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

> ''شاید تم اپنے امام کے پیچھے (قرآن پاک سے) کچھ پڑھتے رہتے ہو؟'' ہم نے کہا، ہاں یا رسول اللہ! ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''یاد رکھو، سورۂ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو، کیونکہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔'' (ابوداود: ج ۱، ص ۱۲۶)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کو قراءت میں بوجھ اور خلجان محسوس ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے روک دیا۔ اس حدیث سے واشگاف الفاظ میں معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے خاص مقتدیوں کو خطاب کر کے پڑھنے کا حکم فرمایا اور وجہ یہ بتائی کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن احادیث میں اِنصات (خاموشی) کا حکم دیا گیا ہے اور پڑھنے سے روکا گیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ بلند آواز سے نہیں پڑھنا چاہیے۔ آہستہ پڑھنے سے تو خلجان ہوتا ہی نہیں۔ اس لیے نماز سری ہو یا جہری بلند آواز سے پڑھنا ممنوع ہے۔ حدیث ''إذا قرأ فأنصتوا'' کا بھی یہی مطلب ہے کہ جب امام پڑھ رہا ہو، تو مقتدی کو بلند آواز سے نہیں پڑھنا چاہیے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل بھی یہی ہے۔

> حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
>
> ''جو شخص ایسی نماز پڑھے کہ اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے، تو وہ نماز

ناقص ہے، ناقص ہے، پوری نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ہم لوگ امام کے پیچھے ہوتے ہیں؟ (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے) کہا: سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھ لیا کرو۔" (مسلم: ج۱، ص۱۶۹)

علامہ زُرقانیؒ فرماتے ہیں:

"حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ فاتحہ ہر نماز میں پڑھنا واجب ہے۔" (زرقانی، شرح موطأ: ج۱، ص۱۵۹)

امام خَطّابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"جس نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ باطل ہے۔ عرب لوگ "أخدجت الناقة" اس وقت بولتے ہیں جب اونٹنی اپنے بچے کو اس حالت میں گرا دے کہ وہ خون ہو اور اس کی خلقت ظاہر نہ ہوئی ہو۔ اسی سے لفظ "خداج" لیا گیا ہے۔" (معالم السنن: ج۱، ص۳۸۸)

الغرض حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ واضح دلیل ہے کہ ہر نمازی کو خواہ مقتدی ہو یا غیر مقتدی، سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر نماز باطل ہوتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا:

"جب امام پڑھتا ہے تو تم لوگ اپنی نماز میں کچھ پڑھتے ہو؟" تین دفعہ پوچھا، لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم خاموش رہے۔ پھر ایک شخص یا کئی شخصوں نے کہا، ہم پڑھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ایسا نہ کرو اور سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ آہستہ پڑھو۔" (جزء القراءۃ: ص۱۱۳)

"من صلى خلف إمام فليقرأ بفاتحة الكتاب". (جامع صغیر: ج۲، ص۱۷۴)

"پس جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے، اسے چاہئے کہ وہ سورۂ فاتحہ پڑھے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

’’مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ میں منادی کر دوں کہ سورۂ فاتحہ اور ما زاد کے سوا نماز نہیں ہوتی۔‘‘ (ابوداود: ج۱، ص۱۲۵)

ان چند احادیث سے روزِ روشن کی طرح قراءت فاتحہ خلف الامام کا وجوب ظاہر ہوتا ہے۔ ان احادیث کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں، لیکن اہلِ حق وانصاف کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں:

مولانا عبدالحی لکھنویؒ علامہ شعرانیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

’’حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا یہ قول کہ مقتدی کو الحمد نہیں پڑھنی چاہیے، یہ ان کا پرانا قول ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ نے اپنے اس پرانے قول سے رجوع کر لیا ہے اور مقتدی کے لیے الحمد پڑھنے کو سری نماز میں مستحسن اور مستحب بتایا ہے۔‘‘

(غیث الغمام، حاشیہ امام الکلام: ص۱۵۶)

بھائیو! بتاؤ اس سے بڑھ کر مزید اطمینان کی صورت آپ کے لیے اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ بھی کثرت احادیث کی بناء پر فاتحہ خلف الامام کے قائل ہو گئے تھے۔

علامہ بدر الدین عینیؒ فرماتے ہیں:

’’ہمارے بعض فقہاء حنفیہ ہر نماز میں خواہ سری ہو، خواہ جہری، امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کو احتیاطاً مستحسن بتاتے ہیں اور بعض فقہاء فقط سری میں اور مکہ، مدینہ اور ملک شام کے فقہاء کا اس پر عمل ہے۔‘‘

(عمدۃ القاری، شرح بخاری: ج۶، ص۱۴)

مولانا عبدالرحیم حنفیؒ: مولانا عبدالرحیم جو شیخ التسلیم کے لقب سے

مشہور ہیں اور رئیس اہل تحقیق کے نام سے بھی آپ یاد کئے گئے ہیں۔ اور بالاتفاق علماء ماوراء النہر وخراسان مذہب حنفی کے ایک مجتہد ہیں، آپ باوجود حنفی المذہب ہونے کے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قدیم مسلک کو چھوڑ کر امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کو مستحب کہتے ہیں اور خود بھی پڑھتے ہیں۔ (امام الکلام: ص۲۰)

امام ابوحفص کبیرؒ: امام ابوحفص کبیرؒ مذہب حنفی کے ایک بہت بڑے مشہور فقیہ ہیں اور امام محمدؒ کے کبار تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ نے بھی اسی مسلک (قراءت فاتحہ خلف الامام) کو اختیار کیا ہے ان کے علاوہ اور بہت سے فقہاء نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔ مشائخ حنفیہ اور جماعت صوفیہ کے نزدیک بھی یہی مسلک مختار ہے۔ (تفسیر احمدی، از ملا جیون)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی باوجود حنفی المذہب ہونے کے امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کو اَولی الاقوال بتایا ہے، حضرت شاہ صاحب کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم بھی امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کے قائل تھے۔ (غیث الغمام: ص۱۷۴)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ: حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کی فرضیت کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ آپ ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ”حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بغیر الحمد پڑھے، نماز نہیں ہوتی۔ اور نزدیک اس فقیر کے بھی امام شافعیؒ کا قول ترجیح رکھتا ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول جا بجا وارد ہے کہ جس جگہ صحیح حدیث وارد ہو اور میرا قول اس کے خلاف پڑے تو میرے قول کو چھوڑ دو اور حدیث پر عمل کرو۔“

مولانا عبدالحی لکھنویؒ: حدیث دان علمائے حنفیہ میں سے حضرت

مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے اس مسئلہ میں ایک خاص کتاب لکھی ہے جس کا نام ''امام الکلام'' ہے۔ آپ نے اس کتاب میں باوجود حنفی المذہب ہونے کے یہ فیصلہ کیا ہے کہ:

> ''امام کے پیچھے الحمد پڑھنا سری نماز میں مستحسن ومستحب ہے اور جہری نماز میں بھی سکتات امام کے وقت۔'' (امام الکلام: ص ۱۵۶)

سورۂ فاتحہ کے بعد قراءتِ قرآن

سورۂ فاتحہ کے بعد انسان جہاں سے چاہے، جتنا چاہے قرآن پڑھ سکتا ہے، اگر ہمیشہ ایک ہی صورت پر اکتفا کرے تو بھی کوئی حرج نہیں بلکہ دو رکعتوں میں یا زیادہ میں ایک سورت کو مکرر پڑھنا بھی جائز ہے۔ اگر کوئی شخص فاتحہ کے بعد کوئی اور سورت نہ ملائے (خواہ پہلی دو رکعتوں میں خواہ پچھلی دو رکعتوں میں) تو بھی نماز ہو جائے گی، مگر پہلی دو رکعتوں میں سورت ملانا پچھلی دو رکعتوں کے مقابلہ میں زیادہ افضل ہے اس لیے ہمیشہ ترک بھی اچھا نہیں اور اگر فاتحہ نہ پڑھے تو نماز نہیں ہوگی، جیسا کہ پہلے تفصیل سے گزر چکا ہے اگر فاتحہ بھی یاد نہ ہو تو صرف الحمدِ للہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ وغیرہ پڑھنا کافی ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب فاتحہ کی ضرورت نہیں رہی، بلکہ فاتحہ یاد کرنے میں جلدی کرے۔

نمازوں میں مسنون قراءت

یوں تو مصلی (نمازی) جہاں سے چاہے نماز میں قراءت کر سکتا ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے جو نمازوں میں پڑھنا منقول ہے اس کو ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے تا کہ محبانِ سنت‘ پیروی رسول ﷺ سے محروم نہ رہیں۔

نماز فجر میں قراءت:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> ”رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں سورۂ فاتحہ ”ق“ اور اس جیسی دوسری سورتیں پڑھا کرتے تھے‘ اور بعد میں آپ ﷺ کی نماز ہلکی ہوتی تھی۔“ (مسلم: ج ۱‘ ص ۱۸۷)

شارحین حدیث نے اس حدیث کے آخری فقرہ ”یعنی بعد میں آپ ﷺ کی نماز ہلکی ہوتی تھی۔“ کے دو مطالب بیان کئے ہیں۔ ایک یہ کہ فجر کے بعد آپ ﷺ کی نمازیں یعنی ظہر‘ عصر‘ مغرب‘ عشاء یہ سب فجر کی نسبت ہلکی ہوتی تھیں اور ان میں آپ ﷺ فجر کے مقابلے میں قراءت کم کرتے تھے۔

دوسرا مطلب اس فقرے کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابتدائی دور میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کم تھی اور آپ ﷺ کے پیچھے جماعت میں سب سابقین اولین ہی ہوتے تھے‘ آپ ﷺ کی نمازیں عموماً طویل ہوتی تھیں اور بعد کے دور میں جب ساتھ میں نماز ادا کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور ان میں درجہ دوم وسوم کے اہل ایمان بھی ہوتے تھے تو آپ ﷺ نمازیں ہلکی پڑھنے لگے تھے‘ کیونکہ جماعت میں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں اس بات کا امکان زیادہ ہوتا تھا کہ کچھ لوگ مریض یا کمزور یا کم ہمت یا زیادہ بوڑھے ہوں اور ان کے لیے طویل نماز باعثِ زحمت بن جائے۔

(مرعاۃ المفاتیح‘ شرح مشکوٰۃ: ج ۱‘ ص ۶۰۷)

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فجر کی نماز میں ﴿وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ﴾ (یعنی سورۂ تکویر) پڑھتے سنا۔'' (مسلم: ج۱' ص۱۸۶)

حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور سورۂ فاتحہ کے بعد المؤمنون پڑھنی شروع کی۔ ابھی آپ ﷺ اس جگہ پر پہنچے تھے' جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ کو کھانسی آنے لگی اور آپ ﷺ نے رکوع فرما دیا۔'' (مسلم: ج۱' ص۱۸۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے فجر کی دو رکعت میں ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھیں۔ (مشکوٰۃ: ج۱' ص۸۰)

حضرت معاذ بن عبداللہ جہنی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

''قبیلہ جہنی کے ایک صاحب نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے ایک دفعہ صبح کی نماز کی دو رکعت میں رسول اللہ ﷺ کو ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ﴾ پڑھتے سنا۔ (آگے ان صاحب نے کہا کہ) مجھے معلوم نہیں کہ آپ ﷺ نے بھول کر ایسا کیا یا عمداً آپ ﷺ نے دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھی۔'' (ابوداود: ج۱' ص۱۲۵)

چونکہ رسول اللہ ﷺ کا اکثر عمل دو رکعات میں الگ الگ سورتیں پڑھنے کا تھا اس لیے جب ایک دفعہ آپ ﷺ نے دونوں دفعہ ایک ہی سورت پڑھی تو اس صحابی رضی اللہ عنہ کو یہ شبہ ہو گیا کہ شاید آپ ﷺ نے بھول کر ایسا کیا یا یہ بتانے کے لیے کہ یہ بھی جائز ہے' آپ ﷺ نے عمداً ایسا کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

> ”رسول اللہ ﷺ فجر کی دو رکعات میں سورۂ بقرہ کی آیات ﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾ اور سورۂ آلِ عمران کی یہ آیت: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ پڑھا کرتے تھے۔“ (مشکوۃ: ج۱ ص۸۰)

حضرت عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> ”ایک دفعہ سفر میں رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی آخری دو سورتیں (فلق اور ناس) پڑھ کر فجر کی نماز پڑھائی۔“ (نسائی: ج۱ ص۱۱۷)

جمعہ کے دن نماز فجر میں قراءت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> ”رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں سورۂ ﴿الم، تنزیل﴾ (سجدہ) اور دوسری رکعت میں سورۂ دھر پڑھا کرتے تھے۔“ (بخاری: ج۱ ص۱۲۲)

جمعہ کے روز فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دھر پڑھنے کی حکمت حضرت شاہ ولی اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ:

> ”ان دونوں سورتوں میں قیامت اور جزا اور سزا کا بیان بہت مؤثر انداز میں کیا گیا ہے اور قیامت جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بتایا گیا ہے جمعہ کے دن ہی قائم ہونے والی ہے اس لیے غالباً آپ ﷺ اس کی تذکیر و یاد دہانی کے لیے جمعہ کی فجر میں یہ دونوں سورتیں پڑھنا پسند فرماتے۔“ (حجۃ اللہ البالغہ)

ظہر اور عصر میں قراءت:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> ''رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز میں سورۂ ﴿وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی﴾ پڑھتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ سورۂ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی﴾ پڑھتے تھے اور عصر کی نماز میں قریب قریب اتنی ہی سورت پڑھتے تھے۔ اور صبح کی نماز میں اس سے کچھ طویل۔'' (مشکوٰۃ: ج۱، ص۷۹)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ظہر اور عصر میں ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ﴾ اور ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾ بھی پڑھنا آیا ہے۔ (ابوداود: ج۱، ص۱۲۴)

حضرت عبداللہ بن عُتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۂ حم الدخان پڑھی۔'' (نسائی: ج۱، ص۱۱۹)

حضرت جُبیر بن مُطعِم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ ''طور'' پڑھتے سنا۔'' (بخاری: ج۱، ص۱۰۵)

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ ﴿وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا﴾ پڑھتے ہوئے سنا۔'' (بخاری: ج۱، ص۱۰۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے پوری سورۂ ''اعراف'' مغرب کی دو رکعات میں تقسیم کر کے پڑھی۔'' (نسائی: ج۱، ص۱۲۰)

نوٹ:

ان چاروں احادیث میں نماز مغرب میں جن سورتوں کی قراءت کا ذکر ہے ان میں سے کوئی بھی ان چھوٹی سورتوں میں سے نہیں ہے جن کو ''قِصار'' کہا جاتا ہے، بلکہ سب ان بڑی سورتوں میں سے ہیں جن کو ''طِوال'' کہا جاتا ہے، بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی آخری حدیث جس سورۂ اعراف کی قراءت کا ذکر ہے

وہ تو خاصی لمبی سورت اور پورے سوا پارے کی ہے۔ بہرحال ان چاروں احادیث سے تو نماز مغرب میں رسول اللہ ﷺ کا لمبی لمبی سورتیں پڑھنا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا معمول اکثر مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھنے کا تھا، اس لیے اکثر علماء کرام کا خیال ہے کہ مندرجہ بالا احادیث میں نماز مغرب کے جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ (جن میں آپ ﷺ نے لمبی لمبی سورتیں پڑھی ہیں) اگرچہ یہ بھی سنت ہے تاہم آپ ﷺ کا عمومی اور اکثر معمول مغرب میں چھوٹی سورتوں کی قراءت کا ہی تھا۔ (مرعاۃ، شرح مشکوٰۃ: ۱/۶۰۴)

جمعرات کی نمازِ مغرب میں قراءت:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> ”رسول اللہ ﷺ نماز مغرب میں جمعہ کی رات ﴿قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پڑھا کرتے تھے۔“

(شرح السنۃ: ج۱، ص۸۱)

نمازِ عشاء میں قراءت:

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو عشاء کی نماز میں سورۂ ﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ﴾ پڑھتے ہوئے سنا ہے اور میں نے آپ ﷺ سے زیادہ اچھی آواز والا کسی کو نہیں سنا۔“ (بخاری: ج۱، ص۱۰۶)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز میں سورۂ بقرہ پڑھی، مقتدیوں میں سے ایک کھیتی باڑی کا کام کرنے والے، دن کے تھکے ماندے نے لمبی قراءت کی تاب نہ لا کر سلام پھیر دیا۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، حضور! ہم لوگ اونٹوں والے ہیں۔ دن بھر محنت، مشقت

کرتے ہیں۔ (لیکن) معاذ نے نماز عشاء میں سورۂ بقرہ شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف رخ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

’’معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ سورۂ ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ سورۂ والضحیٰ، سورۂ ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ اور ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ پڑھا کرو۔‘‘

(بخاری: ج ۱، ص ۹۸)

تنبیہ:

اس حدیث سے نماز عشاء کی قراءت بھی معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ائمہ کو چاہیے کہ وہ نماز اتنی لمبی نہ پڑھائیں جو مقتدیوں کے لیے باعث مشقت ہو جائے، خاص طور پر ضعیف، کمزور اور محنت پیشہ لوگوں کا لحاظ رکھیں۔

مختلف نمازوں میں آپ ﷺ کی قراءت:

حضرت سلیمان بن یسارؒ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے زمانہ کے ایک امام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

’’میں نے کسی شخص کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ ﷺ کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو، فلاں امام کی بہ نسبت۔‘‘

سلیمان بن یسارؒ کہتے ہیں کہ ان صاحب کے پیچھے میں نے نماز پڑھی ہے ان کا معمول یہ تھا کہ ظہر کی پہلی دو رکعات لمبی پڑھتے تھے اور آخری دو رکعات ہلکی پڑھتے اور عصر ہلکی ہی پڑھتے تھے اور مغرب میں قِصارِ مفصل اور عشاء میں اَوساطِ مفصل پڑھتے تھے اور فجر کی نماز میں طِوالِ مفصل پڑھا کرتے تھے۔

(نسائی: ج ۱، ص ۱۱۹)

نوٹ:

قرآن پاک کی آخری سورتوں کو ’’مفصل‘‘ کہا جاتا ہے پھر ان کے تین

حصے کیے گئے ہیں۔ یعنی حجرات سے لے کر آخر تک۔

① طِوال مفصل، ...... ② اَوساط مفصل، ...... ③ قِصار مفصل

طِوال مفصل: حجرات سے لے کر بروج تک۔ اوساط مفصل: بروج سے لے کر سورۂ بینہ تک۔ قِصار مفصل: سورۂ بینہ سے لے کر آخر تک۔

ملاحظہ: سلیمان بن یسارؒ نے ان صاحب کی نماز کے بارے میں جو تفصیل بیان کی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا ارشاد کی روشنی میں اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مختلف اوقات کی نماز کے قراءت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا عام معمول بھی وہی تھا جو ان صاحب کا معمول سلیمان بن یسارؒ نے بیان کیا ہے۔ یعنی ظہر کی نماز میں تطویل، عصر میں تخفیف، مغرب میں قصار مفصل، عشاء میں اوساط مفصل اور فجر میں طوال مفصل۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو خط لکھا تھا اس میں بھی مختلف اوقات کی نمازوں کو قراءت کے بارے میں یہی ہدایت کی گئی ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ مغرب کی نماز میں قصار مفصل، عشاء میں اوساط مفصل اور فجر میں طوال مفصل پڑھا کرو۔" (مصنف عبدالرزاق: ج۲، ص۱۰۴)

امام ترمذیؒ نے بھی اسی خط کا حوالہ دیتے ہوئے ظہر میں اوساط مفصل پڑھنے کی ہدایت کا ذکر کیا ہے۔ (ترمذی: ج۱، ص۶۷)

جمعہ اور عیدَین کی نماز میں قراءت:

نُعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"نبی ﷺ عید اور جمعہ میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ پڑھا کرتے تھے اور اگر عید اور جمعہ دونوں ایک دن میں جمع ہو جاتے، تو

دونوں میں یہی سورتیں پڑھتے۔'' (مسلم: ج۱، ص۲۸۸)

ان سورتوں کے علاوہ جمعہ کی نماز میں آپ ﷺ کبھی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ المنافقون پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور کبھی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ دھر پڑھ لیتے تھے۔

ان سورتوں کے پڑھنے کی وجوہات واضح ہیں۔ ''سورۂ جمعہ'' اس لیے پڑھتے تاکہ لوگوں کو جمعہ کی ترغیب ہو اور ''سورۂ منافقون'' اس لیے پڑھتے کہ منافقوں کا زیادہ اجتماع جمعہ ہی کو ہوتا تھا، تاکہ ان کو توبیخ ہو۔ اور ''سورۂ اعلیٰ اور ''سورۂ غاشیہ'' میں وعظ وتذکیر اچھے انداز سے بیان کیا گیا ہے اور یہی جمعہ کا مقصد ہے۔ اور ''سورۂ دھر'' میں انسان کو آخرت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے جہنم سے خوف دلایا گیا ہے اور جنت کی ترغیب دی گئی ہے۔ عُبید اللہ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوواقِد لَیثی رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا، رسول اللہ ﷺ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر میں کونسی سورتیں پڑھا کرتے تھے؟ فرمایا: ''سورۂ ق اور سورۂ قمر۔'' (مسلم: ج۱، ص۲۹۱)

ان سورتوں کے پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح عید کے روز لوگ باہر نکل کر اکٹھے ہو جاتے ہیں اسی طرح قیامت کو بھی ہوں گے اور سورۂ ''ق'' اور سورۂ ''قمر'' میں قیامت کا بیان ہے۔

رات کی نمازوں میں بلند آواز کی قراءت، اور دن کی نمازوں میں پوشیدہ قراءت کی حکمت:

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

> یہ حکم بھی انتہائی مناسب اور حکمت کا ہے کہ رات کو آوازیں نہیں ہوتیں، حرکات میں سکون ہوتا ہے۔ دلوں کی فراغت ہوتی ہے۔ دن کے وقت کی بکھری ہوئی ہمتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ پس

> دن تو موزوں ہے دل اور بدن کی لمبی تسبیح کا، اور رات موزوں ہے دل کو زبان کے ساتھ ملانے میں اور زبان کو کانوں کے ساتھ متصل کرنے میں۔ اسی لیے سنت طریقہ یہ ہے کہ صبح کی نماز کی قراءت دیگر تمام نمازوں سے دراز ہو۔“

رسول اکرم ﷺ صبح کی نماز میں ساٹھ آیتوں سے سو تک تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز فجر میں سورۂ بقرہ پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سورۃ نحل، سورۃ ہود، سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ یونس وغیرہ ان جیسی سورتوں کا پڑھنا مروی ہے۔ اس لیے کہ اس وقت دل تمام اَشغال سے فارغ ہوتا ہے۔ نیند سے بیدار ہو کر تر و تازگی کی حالت میں ہوتا ہے۔ جب اس میں کلام اللہ کی سہانی صدائیں پہنچتی ہیں، تو ان کے لیے اس میں کافی جگہ ہوتی ہے۔ کوئی مُزَاحم اس وقت نہیں ہوتا۔ دن اس کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے دن کے وقت پوشِیدہ قراءت بتلائی۔ ہاں اگر کوئی مصلحت خاص ہو تو اور بات ہے۔ قراءتِ عیدَین اور جمعہ کا مجمع اِستِسقاء اور کُسوف کا مجمع، کہ یہاں با آواز بلند پڑھنا زیادہ اچھا اور مقصد کو زیادہ حاصل کرنے والا ہے۔ پھر مجمع کے لیے بھی اس میں خیر و برکت ہے کہ یہ قرآن سنیں۔ انہیں تبلیغِ دین حاصل ہو جو رسالت کا مقصد اعظم ہے۔ (أعلام الموقعین عن رب العٰلمین: ج ۲، ص ۱۱۸)

قرآن کی بعض آیات کے جواب دینا:

ہمارے پیارے رسول ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب کبھی کوئی آیت رحمت کی آتی تو ٹھہر جاتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے اور جب کبھی کوئی آیت عذاب کی آتی تو ٹھہر جاتے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ طلب کرتے۔ اس کے علاوہ کبھی کبھی آپ ﷺ سے بعض سورتوں کے جواب میں چند مختصر کلمات منقول ہیں۔ چنانچہ ذیل میں وہ احادیث اور ان کا مقام بھی

ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ پڑھتے تو فرماتے: ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى“. (ابوداود: ج۱، ص۱۳۵)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص تم میں سے ”سورۂ والتین“ پڑھے اور اس آیت پر پہنچے ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ﴾ تو کہے: ”بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ“۔ اور جو شخص ﴿لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ پڑھے اور آیت ﴿اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِ الْمَوْتٰى﴾ پر پہنچے تو کہے: ”بَلٰى!“ اور جب کوئی ”سورۂ والمرسلات“ پڑھے اور آخر میں جب یہ آیت پڑھے: ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾ ”اس قرآن کے بعد کس بات کے ساتھ ایمان لائیں گے؟“ تو کہے: ”آمَنَّا بِاللّٰهِ“۔“

(ابوداود: ج۱، ص۱۳۶)

(۳) ترمذی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم پر ”سورۂ الرحمٰن“ پوری پڑھی اور وہ خاموش رہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ سورت میں نے جنوں پر پڑھی تو وہ تم سے جواب دینے میں اچھے تھے۔ جب ہر بار میں اس آیت پر پہنچتا ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ”اے جن و انس! اپنے پروردگار کی نعمتوں سے کون سی نعمت کو جھٹلاتے ہو؟“ تو وہ جواب میں کہتے: ”لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ، فَلَكَ الْحَمْدُ“. ”ہمارے رب! تیری نعمتوں میں سے کوئی چیز ہم نہیں جھٹلاتے، پس سب تعریف تیرے ہی واسطے ہے۔“

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بعض نماز میں

"اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا" کہتے تھے۔ (مشکوٰۃ: ج ۱ ص ۱۵۸)

مذکورہ بالا تمام احادیث سے اس مسئلہ پر دلیل لینا کہ جب امام بعض مخصوص آیات کی تلاوت کرے تو اسے اور اس کے ساتھ مقتدیوں کو بھی ان کا جواب دینا چاہئے، صحیح نہیں۔ جس کی تفصیل یوں ہے:

① حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ضعیف ہے۔ اگر اسے صحیح تسلیم بھی کر لیں تب بھی اس سے دلیل لینا درست نہیں۔ کیونکہ اس میں یہ کہاں صراحت ہے کہ سامع یا مقتدی بھی "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" کہے۔

② حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک تو ضعیف ہے اور دوسری بات یہ کہ اس میں جواب دینے کا حکم قاری کے لیے ہے نہ کہ سامع کے لیے بھی، فافہم۔ تیسری بات اس میں یہ صراحت کہاں ہے کہ یہ جواب حالتِ نماز میں بھی دیئے جائیں؟

③ حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں قطعاً یہ صراحت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے "سورۃ الرحمٰن" کی تلاوت نماز میں کی تھی۔ بلکہ بظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تلاوت عام حالت میں تھی۔ اس لیے ترمذی میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

خرج رسول الله ﷺ على أصحابه فقرأ عليهم سورة الرحمن.

"رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے اور ان پر "سورۃ الرحمٰن" تلاوت کی۔"

ان الفاظ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تلاوت نماز کی حالت نہ تھی۔

④ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے "سورۃ غاشیہ" کی اختتامی آیت کا جواب دینے کی دلیل لینا نہ صرف یہ کہ اَضعف ہے بلکہ اَبعد بھی ہے۔ کیونکہ اس میں ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ملتا کہ نبی ﷺ نے ان کلمات کو "سورۃ غاشیہ" کے

اختتام پر کہا تھا۔ اس حدیث میں صرف اس قدر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی نماز میں یہ کلمات کہتے ہوئے سنا۔" بظاہر آپ ﷺ نے یہ کلمات بطور دعا پڑھے ہوں گے، واللہ اعلم۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ ہمارے یہاں جو یہ مروج ہے کہ امام جب بعض مخصوص آیات کی تلاوت کرتا ہے تو وہ اور مقتدی بھی ان کا جواب دیتے ہیں، درست نہیں۔ کیونکہ اس کے بارے میں کوئی صحیح، صریح روایت نہیں ہے۔ ہاں اگر صرف قاری اس کا جواب دے لے تو اس میں کچھ قباحت نہیں، کیونکہ اس بارے میں بعض مرفوع روایات اور آثار ملتے ہیں۔

① ابوداود، بیہقی اور شرح السنۃ میں موسیٰ بن ابی عائشہ سے روایت ہے کہ "ایک آدمی اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھا کرتا تھا۔ وہ جب ﴿اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِىَ الْمَوْتٰى﴾ پڑھتا تو "سُبْحَانَكَ بَلٰى" کہتا۔ لوگوں نے جب اس کے بارے میں اس سے دریافت کیا تو وہ کہنے لگا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے کہتے ہوئے سنا ہے۔ اس کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں، مگر اس میں انقطاع کا خدشہ ہے۔

② حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "إذا مر بآية فيها تسبيح سبح وإذا مر بسؤال سأل وإذا مر بتعوذ تعوذ". "آپ ﷺ جب کسی ایسی آیت سے گزرتے جس میں تسبیح کا ذکر ہوتا تو تسبیح کہتے اور جب سوال والی آیت سے گزرتے تو سوال کرتے اور جب تعوذ والی آیت سے گزرتے تو پناہ پکڑتے۔ (اس حدیث کو مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔)

③ مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ اور بیہقی میں عمیر بن سعید سے

روایت ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نماز جمعہ میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی﴾ پڑھنے پر ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی'' کہا۔ اس اثر کی سند صحیح ہے۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے نماز میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی﴾ پڑھنے کے بعد ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی'' کہا۔ اس اثر کی سند حسن درجہ کی ہے۔ اس کو عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، بیہقی اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز مغرب میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی﴾ پڑھنے پر ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی'' کہا۔ لیکن اس اثر کی سند ضعیف ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، عمران بن حصین رضی اللہ عنہما اور بعض تابعینؒ کے آثار بھی ہیں۔

۴ عبدالرزاق نے اور ان سے بیہقی نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے نماز تہجد میں سورۂ واقعہ کی درج ذیل آیات میں سے ہر آیت کی تلاوت کے بعد تین تین مرتبہ یہ کہا: ''بل أنت یا رب'' وہ آیات یہ ہیں۔ (۵۹، ۶۴، ۶۹، ۷۲)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بعض آیات کی تلاوت کے بعد امام ان کے جواب دے لے تو اس میں کچھ قباحت نہیں، بلکہ جائز ہے۔ لیکن ہمارے یہاں جو مروج ہے کہ آیت کا جواب تمام مقتدی مل کر آمین کے انداز میں اور ویسا ہی بلند دیتے ہیں اور پھر اس پر اصرار بھی کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں، اس سے پرہیز کرنا چاہیے، واللہ اعلم۔

سورۂ فاتحہ اور قراءت کے اختتام پر سکتہ:

سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورت شروع کرنے سے پہلے اور پوری قراءت

ختم کرنے کے بعد رکوع کے لیے "اللہ اکبر" کہنے سے پہلے کچھ دیر رکنا اور خاموش رہنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"أنه حفظ عن رسول الله ﷺ سكتتين؛ سكتة إذا كبر وسكتة إذا فرغ من قراءة ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾". (ابوداود: ج۱، ص۱۲۰)

"مجھے نبی اکرم ﷺ کی نماز میں دو سکتے یاد ہیں، ایک سکتہ تکبیر کے بعد اور ایک سکتہ جب فاتحہ سے فارغ ہوتے۔"

دوسری روایت میں ہے کہ:

"نبی اکرم ﷺ دو جگہ سکتہ (خاموشی) فرمایا کرتے تھے، ایک جب آپ ﷺ نماز شروع فرماتے اور دوسرے جب آپ ﷺ پوری قراءت سے فارغ ہو جاتے۔" (ابوداود: ج۱، ص۱۲۰)

سکتات صرف پہلی رکعت میں ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ جب دوسری رکعت سے اٹھتے، تو قراءت ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے شروع کرتے اور سکتہ نہ فرماتے۔" (مشکوٰۃ: ج۱، ص۷۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسری رکعت میں نہ آپ ﷺ سکتہ فرماتے اور نہ ہی تعوذ اور دعائے افتتاح پڑھتے اور باقی رکعات دوسری رکعت کی طرح ہیں، یعنی سکتہ، اور دعائے افتتاح، تعوذ صرف پہلی رکعت کے ساتھ خاص ہیں۔

رُکوع کا بیان

نماز اللہ تعالیٰ کے حضور میں قلب وقالب اور قول وعمل سے ایک خاص طریقے پر اپنی بندگی ونیاز مندی کا اظہار اور اس کی بے انتہا عظمت وجلالت کے سامنے اپنے انتہائی تذلل، فروتنی اور عجز وانکساری کا مظاہر ہے۔ قیام وقعود، رکوع وسجود اور جو کچھ ان میں پڑھا جاتا ہے ان سب کی روح یہی ہے لیکن اس بندگی اور تذلل کا سب سے بڑا مظہر نماز کے اَعمال واَجزاء میں رکوع وسجود ہیں۔

رکوع میں سر اونچا رکھنا تکبر، یعنی برتری وبالاتری کے احساس کی علامت ہے اور اس کے برعکس اس کو نیچا کرنا، جھکانا، تواضع، انکساری اور خاکساری کی نشانی ہے اور اپنے آپ کو کسی کے سامنے رکوع کی شکل میں جھکا دینا اس تواضع اور تعظیم کی غیر معمولی شکل ہے، جو صرف خالق ومالک ہی کا حق ہے۔ اور سجدہ اس کی بالکل ہی آخری اور انتہائی شکل ہے۔ اس میں بندہ اپنی پیشانی اور ناک کو جو انسانی اَعضاء میں سب سے زیادہ محترم ہیں۔ خاک پر رکھ دیتا ہے اس لحاظ سے رکوع وسجود نماز کے ارکان میں سب سے زیادہ اہم ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو اچھی طرح اور صحیح طریقے پر ادا کرنے کی سخت ہدایت اور تاکید فرمائی ہے اور بہترین کلمات کے ساتھ ان میں اللہ کی تسبیح وتقدیس یا اس کے حضور میں دعا کرنے کی اپنے ارشاد اور عمل سے تلقین فرمائی ہے۔

رکوع وسجود کی فرضیت:

رکوع وسجود کے فرض ہونے پر سب ائمۂ دین کا اِجماع ہے۔ (المغنی: ج۱، ص۵۳۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا ﴿۷۷﴾﴾ (الحج)

"اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو۔"

نماز کا چور' بدترین چور ہے:

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سب سے برا چور وہ ہے' جو اپنی نماز کی چوری کرتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا' یارسول اللہ! کوئی شخص اپنی نماز کی چوری کیسے کرتا ہے؟ فرمایا اس کے رکوع اور سجود پورے نہیں ہوتے۔'' (دارمی: ج۱' ص ۲۴۷)

رکوع وسجود اچھی طرح ادا نہ کرنے سے نماز نہیں ہوتی:

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لا تجزئ صلوة الرجل حتی یقیم ظھرہ فی الرکوع والسجود''. (ابوداود: ج۱' ص ۱۳۱' ترمذی: ج۱' ص ۱۶' نسائی: ج۱' ص ۱۳۱)

''آدمی کی نماز اس وقت تک کافی نہیں ہوتی' جب تک کہ وہ رکوع اور سجدہ میں اپنی پیٹھ کو سیدھا برابر نہ کرے۔''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص رکوع وسجود کو قاعدے کے مطابق صحیح طور پر ادا نہیں کرے گا اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

رکوع وسجود میں پیٹھ برابر کرنے کی تاکید:

حضرت طلق بن علی حنفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لا ینظر اللہ عز وجل إلی صلوة عبد لا یقیم فیھا صلبه بین رکوعھا وسجودھا''. (مسند احمد: ج۵' ص ۲۲)

''جو بندہ رکوع اور سجدے میں اپنی پشت کو سیدھی برابر نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کی نماز کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔''

نماز کی طرف اللہ تعالیٰ کے نہ دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی نماز اس کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ زمین وآسمان کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی اور اس کی نظر سے غائب نہیں ہے۔

رکوع وسجدہ میں طمانیت ضروری ہے:

زید بن وہبؒ فرماتے ہیں: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ رکوع اور سجدہ پوری طرح نہیں کر رہا تھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اسے بلایا اور فرمایا: ”تم نے نماز نہیں پڑھی۔“ اور میرا خیال ہے یہ بھی فرمایا: ”اگر اس حالت میں تمہاری موت واقع ہو جاتی تو تم دینِ فطرت پر نہ مرتے‘ جو رسول اللہ ﷺ کو دے کر بھیجا گیا ہے۔“ (بخاری: ج۱‘ ص۱۰۹)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رکوع اور سجدہ میں طمانیت واجب ہے۔ اور اگر اس میں خلل واقع ہو تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

رکوع وسجدہ سے درجات کی بلندی اور گناہوں کی معافی:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من ركع ركعة أو سجد سجدة رفع الله له بها درجة وحط عنه بها خطيئة“. (احمد: ج۱‘ ص۱۴۷)

”جو شخص ایک رکوع یا ایک سجدہ کرتا ہے‘ تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کا ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں اور اس کی ایک خطا معاف فرما دیتے ہیں۔“

رکوع کی ہیئت وکیفیت:

قراءت ختم کر لینے کے بعد ”اللہ اکبر“ کہہ کر رفع یدین کرتے ہوئے رکوع میں جایئے۔ رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر کشادہ انگلیوں سے گھٹنوں کو پکڑ لیجئے اور دونوں ہاتھ سیدھے تنے ہوئے رکھیئے‘ جھکنے میں خیال رکھیئے کہ نہ تو سر کمر سے بہت زیادہ نیچا ہو جائے اور نہ اونچا رہے‘ بلکہ سر اور کمر ایک سطح میں بالکل برابر رہیں۔

حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تو اپنی کہنیوں کو بدن سے دور

رکھا۔ ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا اور انگلیوں کو پھیلایا اور فرمایا: ”میں نے نبی اکرم ﷺ کو اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے۔“ (نسائی: ج ۱، ص ۱۴۴)

حضرت ابو حُمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب رکوع فرماتے تو سیدھے ہوتے۔ سر کو نہ اوپر کی طرف اٹھائے ہوتے اور نہ نیچے کی طرف جھکائے ہوتے، اور اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھتے۔ (نسائی: ۱/۱۴۴)

رکوع و سجود میں قرآن پڑھنے کی ممانعت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے دروازے کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صفیں باندھے کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ”لوگو! نبوت کے مبشرات میں سے صرف سچا خواب باقی رہ گیا ہے۔ جسے مسلمان دیکھتا ہے یا اسے دیکھایا جاتا ہے۔ مجھے رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن پڑھنے سے روک دیا گیا ہے۔ رکوع میں اپنے رب کی بڑائی بیان کرو اور سجدے میں خوب دعائیں مانگو، کیونکہ سجدے کی ہیئت قبولیت کے لیے زیادہ موزوں ہے۔“ (مسلم: ج ۱، ص ۱۹۱)

رکوع کے اذکار:

رکوع میں بہت سی دعائیں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں، چند ایک ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

رکوع کی پہلی دعا: جمہور فقہاء اور محدثین کے نزدیک رکوع میں مندرجہ ذیل کلمات پڑھنا مسنون ہیں:

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ○ (مشکوۃ: ص ۸۳)

میرا رب پاک ہے، جو سب سے بڑا ہے۔ (تین بار)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "جب آیت ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ﴾ نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اسے اپنے رکوع کے لیے بناؤ۔" (ابوداود: ج ۱، ص ۱۳۳)

مختلف احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کلمات کو کم از کم تین بار کہنا چاہئے اور اس سے زیادہ پانچ، سات، نو اور گیارہ بار بھی کہا جا سکتا ہے۔ تین بار کہنے کے سلسلہ میں تمام احادیث ضعیف ہیں۔ تاہم بقول صاحبِ مرعاۃ، ساری ملا کر ان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان پر عمل درست ہے۔

دوسری دعا: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب رکوع میں جاتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ اَنْتَ
اے اللہ! میں نے تیرے لیے رکوع کیا، میں تجھ پر ایمان لایا۔ اور اپنے آپ کو تیرے حوالے
رَبِّيْ خَشَعَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَمُخِّيْ وَعَظْمِيْ
کر دیا۔ تو میرا پروردگار ہے۔ میرے کان، میری آنکھیں، میری گدی، میری ہڈی،
وَعَصَبِيْ وَمَا اسْتَقَلَّتْ بِهٖ قَدَمِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
میرے پٹھے اور وہ تمام چیزیں جو میرے پاؤں میں ہیں، جہانوں کے رب کیلئے جھک گئیں۔
(الدعاء للطبرانی: ج ۲، ص ۱۰۴۴)

تیسری دعا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اپنے رکوع و سجدہ میں یہ دعا پڑھتے تھے:

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ ○
تو نہایت پاک وصاف ہے، فرشتوں اور روح الامین کا پروردگار ہے۔ (مسلم)

چوتھی دعا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اپنے رکوع اور سجدہ میں یہ دعا پڑھتے تھے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ○

اے اللہ! ہمارے پروردگار! تو اپنی تعریفوں کے ساتھ پاک ہے۔ اے اللہ! مجھے بخش دے۔

(بخاری، کتاب الاذان، باب الدعاء فی الرکوع، مشکوٰۃ: ص ۸۲)

پانچویں دعا: حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا، تو آپ ﷺ نے رکوع میں یہ دعا پڑھی:

سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ

پاک ہے وہ ذات جو طاقت، بادشاہت

وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْعَظَمَةِ ○ (ابوداود: ج ۱، ص ۱۳۴)

بڑائی اور عظمت کی مالک ہے۔

چھٹی دعا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رکوع میں یہ دعا پڑھتے تھے:

رَكَعَ لَكَ سَوَادِيْ وَخَيَالِيْ وَاٰمَنَ بِكَ فُؤَادِيْ اَبُوْءُ

میرا ظاہر و باطن تیرے لیے جھک گیا اور میرا دل تجھ پر ایمان لایا۔ میں اپنے اوپر تیری نعمت

بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ هٰذِهٖ يَدَايَ وَمَا جَنَيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ ○

کا اقرار کرتا ہوں۔ یہ میرے دونوں ہاتھ ہیں اور جو کچھ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ (حصن حصین: ۸۶)

رفع الیدین کا بیان

تکبیرِ تحریمہ کے وقت اور رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور تیسری رکعت کے لیے اٹھنے کے وقت دونوں ہاتھوں کو کندھوں یا کانوں تک اٹھانا ''رفع الیدین'' کہلاتا ہے۔ تکبیرِ تحریمہ کے وقت رفع الیدین پر ساری امت کا اِجماع ہے، مگر بعد کے مقامات پر ہاتھ اٹھانے میں اختلافات ہے۔ ائمہ کرامہ وعلمائے اسلام کی اکثریت حتیٰ کہ اہلِ بیت سب بالاتفاق ان مقامات پر رفع الیدین کے قائل ہیں۔ مگر احناف کے ہاں مقاماتِ مذکورہ پر رفع الیدین نہیں ہے۔ کچھ علمائے احناف اسے منسوخ قرار دیتے ہیں۔ کچھ ترکِ رفع کو اَولیٰ جانتے ہیں۔ کچھ دل سے قائل ہیں، مگر ظاہر میں عمل نہیں کرتے۔ کچھ جُہلاء یہ کہتے ہیں کہ شروع اسلام میں لوگ بغلوں میں بت رکھ لیا کرتے تھے، اس لیے رفع الیدین کا حکم ہوا، تاکہ ان کی بغلوں کے بت گر جایا کریں۔ استغفر اللہ!

یہ ایسا جھوٹ ہے جو شاید اسلام کی تاریخ میں سب سے بڑا جھوٹ کہا جا سکتا ہے۔ کچھ لوگ اس سنتِ نبوی ﷺ کو مکھی اڑانے سے تشبیہ دے کر توہینِ سنت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

نماز کی حقیقت:

نماز چند مخصوص افعال سے مرکب ہے جن میں اپنے مالک، اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہارِ عبودیت، عجز وتواضع ہے اور چند اقوال سے جن میں اپنے خالق و پروردگار کی تعظیم وثناء کا بیان ہے۔

رفع یدین کی مناسبت تکبیر سے:

پھر ان افعال واقوال میں باہمی مناسبت ہے۔ سب سے پہلا قول تکبیر

ہے اور سب سے پہلا فعل رفع الیدین ہے جن کے ادا کرنے سے آدمی نماز میں داخل ہوتا ہے۔ تکبیر میں اللہ عزوجل کی عظمت و کبریائی کا اظہار ہے اور رفع الیدین میں غیر اللہ سے دستبرداری و بیزاری ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا عملی نشان ہے۔ امام شافعیؒ کے شاگرد خاص امام ربیع بن سلیمانؒ نے آپؒ سے پوچھا: رکوع کے وقت رفع الیدین کرنے کے کیا معنی ہیں؟ تو آپؒ نے فرمایا: جو مقصد شروع نماز (تکبیرِ تحریمہ) میں رفع الیدین کرنے سے ہے۔ وہی رکوع (وغیرہ) کے وقت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کے لیے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی جناب سے بڑا ثواب ہے اور مثل رفع یدین کرنے کی صفا اور مروہ پر (طواف و سعی کے وقت)۔

رفع یدین نماز کی زیب و زینت ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”رفع اليدين من زينة الصلوة“. (نیل الاوطار: ج۲ ص۱۷۹، زرقانی: ج۱ ص۱۵۷)

”رفع الیدین نماز کی زیب و زینت ہے۔“

نعمان بن ابی عیاشؒ فرماتے ہیں کہ:

”لكل شيء زينة وزينة الصلوة أن ترفع يديك إذا كبرت وإذا ركعت وإذا رفعت رأسك من الركوع“.

(تلخیص الحبیر: ج۱ ص۲۲۰، جزء رفع الیدین)

”ہر شے کی زینت ہے اور نماز کی زینت، تکبیر تحریمہ کے ہمراہ، نیز رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنا ہے۔“

عبدالملک کہتے ہیں کہ:

”سألت سعيد بن جبير عن رفع اليدين. فقال: هو شيء

تزین به صلوتك". (تلخیص: ج۱ ص۲۲۰)

"میں نے سعید بن جبیرؒ سے رفع الیدین کے متعلق پوچھا' تو آپؒ نے فرمایا کہ: وہ نماز کی زینت ہے۔"

رفع الیدین سے نماز کی تکمیل:

محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ:

"**ھو من تمام الصلوۃ**". (تلخیص: ج۱ ص۲۲۰)

"رفع الیدین نماز کی تکمیل کا باعث ہے۔"

الغرض' رفع الیدین نماز کی زیب و زینت اور کمال و اِتمام ہے' پھر بمطابق اِرشادِ الٰہی ﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف) اس کی پابندی لازم ہے۔ چھوڑنا ہرگز درست نہیں۔

رفع الیدین کا اجر و ثواب:

رفع الیدین سے تعظیمِ الٰہی اور اقتداءِ نبوی ﷺ مقصود ہے جس پر اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔ چنانچہ عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ رفع الیدین سے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔"

رفع الیدین کی کیفیت اور طریقہ:

تکبیرِ تحریمہ کے ہمراہ' رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت' ہاتھ اس طرح کندھوں تک اٹھائیں کہ ان کی ہتھیلیاں قبلہ رخ ہوں' اور انگلیاں اوپر کی جانب سیدھی ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ہاتھ اٹھاتے وقت ان کی دونوں ہتھیلیاں قبلہ رخ ہونی ضروری ہیں' کیونکہ اس میں جلالِ خداوندی کے ساتھ ساتھ عظمت و ادب بھی ملحوظ ہے۔" (مجمع الزوائد: ج۲ ص۱۰۲)

ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں:

رفع الیدین کرتے وقت ہاتھ کندھوں تک، خواہ کانوں تک اٹھائے جائیں مگر اول الذکر طریقہ ہر طرح قابل ترجیح ہے اور باقی مؤخر طریقہ بھی درست ہے۔

کن جگہوں پر رفع الیدین سنت ہے:

رفع الیدین چار جگہوں پر سنت ہے:

① نماز کے شروع میں۔ ② رکوع جاتے وقت۔
③ رکوع سے سر اٹھاتے وقت۔
④ اور جب دو رکعت سے تشہد کے بعد تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو۔

اس کا ثبوت سنت سے:

مذکورہ چاروں مقامات میں رفع الیدین سنت نبوی ﷺ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر ہمیشہ عمل فرمایا ہے۔ بکثرت احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ چند ایک احادیث ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

كان يرفع يديه حذو منكبيه إذا افتتح الصلوة وإذا كبر للركوع وإذا رفع رأسه من الركوع رفعهما كذلك. وقال: ”سمع الله لمن حمده ربنا لك الحمد.“ وكان لا يفعل ذلك في السجود. (بخاری: ج۱، ص۱۰۲)

”رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے، اسی طرح جب رکوع کے لیے اللہ اکبر کہتے اور جب اپنا سر رکوع سے اٹھاتے تو دونوں ہاتھ بھی اٹھاتے اور رکوع سے سر مبارک اٹھاتے ہوئے ”سمع اللہ لمن حمدہ

ربنا لك الحمد". کہتے اور سجدہ میں جاتے وقت رفع الیدین نہ کرتے تھے۔"

اس حدیث کے متعلق امام علی بن مَدِینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هذا الحديث عندي حجة على الخلق، كل من سمعه فعليه أن يعمل به لأنه ليس في إسناده شيء".

"یہ حدیث تمام دنیا پر حجت ہے۔ ہر آدمی کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اس کی سند بالکل صحیح ہے۔" (تلخیص الحبیر: ج۱، ص۲۱۹)

حضرت ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ میں نے مالک بن حُوَیرِث رضی اللہ عنہ کو دیکھا:

"إذا صلى كبّر ورفع يديه وإذا أراد أن يركع رفع يديه وإذا رفع رأسه من الركوع رفع يديه وحدث أن رسول الله ﷺ صنع هكذا". (بخاری: ج۱، ص۱۰۲، مسلم: ج۱، ص۱۶۸، سنن کبریٰ، بیہقی: ج۲، ص۷۱)

جب نماز شروع کرتے ہاتھ اٹھاتے، جب رکوع کا ارادہ کرتے تو ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو ہاتھ اٹھاتے اور انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے۔"

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

رأيت رسول الله ﷺ يرفع يديه إذا كبر وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع حتى يبلغ بهما فروع أذنيه. (ابوداود: ۱/۲۷۱)

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، جب تکبیر کہتے، اور جب رکوع کرتے، اور رکوع سے سر اٹھاتے تو کانوں تک ہاتھ اٹھاتے۔"

حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لأنظرن إلى صلوة رسول الله ﷺ كيف يصلي. فقام رسول الله ﷺ فاستقبل القبلة فكبر فرفع يديه حتى حاذتا

أذنيه ثم أخذ شماله بيمينه فلما أراد أن يركع رفعهما مثل ذلك......الخ". (ابوداود مع عون: ج۱، ص۲۶۴، سنن کبریٰ، بیہقی: ج۲، ص۷۱)

"میں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھنے کا فیصلہ کیا، آپ ﷺ قبلہ رو کھڑے ہو گئے۔ تکبیر کہی اور کانوں تک ہاتھ اٹھائے، پھر دونوں ہاتھ باندھے۔ جب رکوع کا ارادہ کیا تو ہاتھ اٹھائے۔ پھر انہیں گھٹنوں پر رکھا۔ پھر رکوع سے سر اٹھایا تو اسی طرح ہاتھ اٹھائے۔"

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"كان إذا قام إلى الصلوة المكتوبة كبر ورفع يديه حذو منكبيه ويصنع مثل ذلك إذا قضى قراءته وأراد أن يركع ويصنعه إذا رفع رأسه من الركوع ولا يرفع يديه في شيء من صلوته وهو قاعد، وإذا قام من السجدتين رفع يديه كذلك وكبر". (ابوداود مع عون: ج۱، ص۲۷۱)

"رسول اللہ ﷺ جب فرضی نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے اور جب قراءت ختم کر کے رکوع جاتے تو اسی طرح کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یہی کرتے اور بیٹھنے کی حالت میں کہیں رفع الیدین نہیں کرتے تھے اور جب دو رکعت سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوتے تو ہاتھ اٹھاتے۔"

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"أتيت النبي ﷺ في الشتاء فرأيت أصحابه يرفعون أيديهم في ثيابهم في الصلوة". (ابوداود: ج۱، ص۲۶۵، جمع الفوائد: ج۱، ص۱۹۱)

”میں سردیوں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ کپڑوں کے نیچے سے رفع الیدین کرتے تھے۔“

نیز ابوداود میں یہ الفاظ بھی ہیں:

”ثم جئت بعد ذلك في زمان فيه برد شديد فرأيت الناس عليهم جل الثياب تحرُّك أيديهم تحت الثياب“.

(ابوداود مع عون المعبود: ج۱، ص۲۶۵)

ان مندرجہ بالا احادیث سے ظاہر ہے کہ رفع الیدین چار جگہوں میں سنت ہے:

① نماز کے شروع میں ② رکوع جاتے وقت
③ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے
④ اور جب دو رکعتوں سے تشہّد کے بعد تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ کی احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخر عمر تک اس پر عمل فرماتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے آخر میں بعض رُواۃ نے یہ تصریح بھی کی ہے:

”فما زالت تلك صلوته حتى لقي الله تعالى“

(تلخیص الحبیر: ص۸۱، زیلعی: ج۱، ص۴۱۰، بحوالہ بیہقی)

”یہ ان کا ہمیشہ کا معمول رہا، حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔“

ویسے بھی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک کے بعد ۹ھ میں مسلمان ہوئے۔ (عینی علی البخاری: ج۳، ص۱۹، البدایہ والنہایہ: ج۵، ص۷۵) اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئندہ سال دوبارہ تشریف لائے۔ اس وقت شدید سردی کا موسم تھا۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کپڑوں کے نیچے رفع

الیدین کرتے ہوئے دیکھا۔ یہ ۱۰ھ کے آخری مہینے تھے۔ اس وقت تک رفع الیدین منسوخ نہیں ہوئی تھی۔ عام صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول تھا، جسے ایک نو وارد صحابی رضی اللہ عنہ نے دیکھا۔ جو نماز دیکھنے اور سیکھنے کے لیے آیا تھا۔ اس کے بعد ربیع الاول ۱۱ھ میں رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا۔ نسخ کے لیے ضروری ہے کہ ناسخ، حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی دوسری دفعہ کی آمد کے بعد ثابت ہو۔

ان واقعات کی موجودگی میں امام بیہقیؒ کی زیادت پر لحاظ سند بحث کی ضرورت نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ تو شافعی ہیں، لیکن حافظ زیلعیؒ بڑے پختہ کار حنفی محدث ہیں۔ انہوں نے بھی تخریج ہدایہ میں اس پر کوئی جرح نہیں کی۔ اس لیے آج کل کے بعض احناف کا اسے موضوع کہنا تعصب ہے۔ اور حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی یہ روایت جو ابوداود وغیرہ میں موجود ہے اس کی عملی اور واقعاتی تائید ہے۔

رفع الیدین پر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق:

صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت رفع الیدین کی قائل اور عملاً پابند تھی۔ چنانچہ مولانا عبدالحی حنفیؒ فرماتے ہیں:

> ”إن رواة الرفع من الصحابة جم غفير ورواة الترك جماعة قليلة مع عدم صحة الطرق عنهم إلا ابن مسعود“.

(مختصر التعلیق المجد: ص ۹۱)

> ”رفع الیدین کے راوی صحابہ رضی اللہ عنہم بہت بڑی جماعت ہیں۔
> اور ترکِ رفع کے راوی بہت کم ہیں اور ان کی اسانید بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث کے علاوہ صحیح نہیں۔“

رفع الیدین کے مسنون ہونے پر تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم خصوصاً عشرہ مبشرہ بالخصوص خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہے۔ چنانچہ ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی المرتضیٰ، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوعبیدہ بن الجراح، مالک بن

حویرث، زید بن ثابت، ابی بن کعب، ابوسعید خدری، ابوقتادہ انصاری، سلمان فارسی، عبداللہ بن عمر، عقبہ بن عامر، بُریدہ بن حُصَیب، ابوہریرہ، عمار بن یاسر، ابومسعود، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن عباس، براء بنِ عازب، حسین بن علی، زیادہ بن حارث، سہل بن سعد، محمد بن مَسلَمہ، ابواُسَید ساعدی، انس بن مالک، جابر بن عبداللہ، وائل بن حُجر، ابوحُمید ساعدی، اور سُہَیل بن سعد رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ سے باسانید صحیحہ رفع الیدین ثابت ہے۔

رفع الیدین کرنے والے تابعین کرامؒ:

امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

> ”مکہ، مدینہ، طائف، عراق، شام، یمن، بصرہ، خراسان، ودیگر بلاد واَمصار کے جملہ تابعین کرامؒ وفقہاء عظامؒ سے رفع الیدین ثابت ہے۔ جن میں سے سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رَباح، مجاہد، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، عمر بن عبدالعزیز، نعمان بن ابی عیاش، حسن بصری، محمد بن سِیرِین، طاؤس، مکحول، عبداللہ بن دینار، نافع مولی عبداللہ، حسن بن مسلم اور قیس بن سعد رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (جزء رفع الیدین: ص ۷)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ”سمعت الشافعی یقول: لا یحل لأحد سمع حدیث رسول اللہ ﷺ فی رفع الیدین فی افتتاح الصلوٰۃ وعند الرکوع والرفع منه أن یترك الاقتداء بفعله ﷺ“.

(مسک الختام: ج ۱، ص ۳۹۴)

> ”میں نے امام شافعیؒ کو خود فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی کے لیے حلال نہیں کہ نماز کے شروع، رکوع جاتے، اور رکوع سے سر اٹھاتے

وقت کی رفع الیدین کی حدیث سنے اور پھر اس پر عمل نہ کرے۔“

ایک جگہ پر امام شافعیؒ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پر لکھتے ہیں:

”ہمارا بھی یہی مذہب ہے کہ ہر مرد اور عورت پر خواہ جماعت میں ہو یا اکیلا، شروع نماز کی طرح، رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین نہایت ضروری ہے، باستثناء بھول چوک۔ اس کا چھوڑنا ہرگز درست نہیں۔“ (کتاب الام: ص ۹۰)

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا تارکِ رفع الیدین کی ملاقات سے انکار:

عمر بن مہاجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”عبداللہ بن عامر نے میری وساطت سے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا۔ جب میں نے حضرت خلیفہ صاحب سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا کہ: رفع الیدین، ایک وہ سنت ہے جو بچپن میں ہمیں نماز کے ہمراہ سکھائی گئی اور اس کے چھوڑنے پر اساتذہ کبھی کچھ سرزنش بھی کر دیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے ہم آج تک اس سنت کے پابند ہیں، مگر ہائے افسوس آج یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے بھائی کو اس پر عمل کرتے دیکھ کر نہایت بے رحمی سے مارا ہے۔ کیا ایسے شخص کو ہم سے کچھ محبت ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ پھر اس کے یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا ہے اور ملاقات سے صاف انکار کر دیا۔“ (جزء رفع الیدین: ص ۱۱)

تارکِ رفع الیدین کو سزا:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

”إن ابن عمر كان إذا رأى رجلا لا يرفع يديه إذا ركع وإذا

رفع رماه بالحصى". (تلخیص الحبیر: ص۸۲)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی کو رفع الیدین کے بغیر نماز پڑھتے دیکھتے تو آپ رضی اللہ عنہما اسے تعلیماً کنکر مارتے کہ رفع الیدین سے نماز پڑھا کرو۔"

شیخ محی الدین ابن عربی: شیخ محی الدین، ابن عربی فتوحات میں رقم طراز ہیں:

"میں ایک دفعہ خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا، تو آپ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ نماز کے شروع میں، نیز رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرو۔ چنانچہ میں نے تعمیلِ ارشاد میں اسی وقت سے رفع الیدین سے نماز شروع کر دی۔" (فتوحات مکیہ، مصری: ص۴۳۷)

امام زُہریؒ وحسن بصریؒ کا فرمان:

"إذا كبر أحدكم للصلوٰة فليرفع يديه، وحين يكبر للركوع وحين يرفع رأسه من الركوع".

امام زُہریؒ اور حسن بصری یہ دونوں فرمایا کرتے تھے: "نمازی رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت دونوں ہاتھ کندھوں یا کانوں تک اٹھائے اور سجدہ میں ایسا نہ کرے۔"

پس ہر مسلمان کو تکبیر تحریمہ، رکوع جانے اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع الیدین ضروری کرنا چاہیے۔ (جزء رفع الیدین: ص۱۷)

امام بخاری رحمہ اللہ جزء رفع الیدین میں لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی عورتیں ان لوگوں سے زیادہ علم رکھتی ہیں کہ وہ نماز میں رفع الیدین کرتی ہیں۔"

(جزء رفع الیدین: ص۲۹)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: حضرت شاہ ولی اللہؒ نماز کی ترکیب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”فإذا أراد أن يركع رفع يديه حذو منكبيه أو أذنيه وكذلك إذا رفع رأسه من الركوع ولا يفعل ذلك في السجود“.

(حجۃ اللہ البالغہ: ج۲، ص۱۰)

”پھر جب آپ ﷺ رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے تو کندھوں یا کانوں تک رفع الیدین کرتے اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو اس وقت بھی ایسا ہی کرتے۔ لیکن سجدوں کے لیے آپ ﷺ ایسا نہ کرتے۔“

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں:

”والذي يرفع أحب إلي ممن لا يرفع فإن حديث الرفع أكثر وأثبت“. (حجۃ اللہ البالغہ: ج۲، ص۱۰)

”میں رفع الیدین کرنے والوں کو نہ کرنے والوں کی بہ نسبت اچھا سمجھتا ہوں کیونکہ رفع الیدین کرنے کی حدیثیں زیادہ بھی ہیں اور صحیح بھی۔“

علامہ مجد الدین فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد: بخاری و مسلم کے علاوہ باقی صحاح ستہ میں بھی رفع الیدین کی حدیثیں کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ چنانچہ علامہ مجد الدینؒ صاحبِ قاموس لکھتے ہیں:

”قد ثبت رفع اليدين في هذه المواضع الثلاثة، ولكثرة رواته شابه المتواتر، فقد صح في هذا الباب أربع مائةِ خبرٍ وأثر ورواته العشرة المبشرة ولم يزل على هذه الكيفية حتى رحل عن هذا العالَم ولم يثبت غيرها“.

(سفر السعادۃ، مصری: ص۹)

"یعنی ان تینوں جگہوں پر (تکبیر تحریمہ، رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رسول اللہ ﷺ سے) رفع الیدین ثابت ہے اور کثرت راویوں کے باعث یہ حدیث متواتر حدیث کے مشابہ ہوگئی ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ میں چار سو احادیث اور آثار آئے ہیں۔ عشرہ مبشرہ نے بھی ان کو روایت کیا ہے اور ہمیشہ رفع الیدین اس حالت پر رہی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اس جہاں سے کوچ کر گئے اور اس کے خلاف کچھ ثابت نہیں۔"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ارشاد: آپ اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں فرماتے ہیں:

"وأما الهيئات فخمس وعشرون هيئة رفع اليدين عند الافتتاح والركوع والرفع منه". (ص۷)

"نماز کی ہیئات پچیس ہیں۔ ان میں سے تکبیر تحریمہ کے ہمراہ۔ نیز رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنی نماز کی شرعی ہیئت ہے۔"

بلکہ خود حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بھی رفع الیدین سے نماز پڑھتے تھے، کیونکہ آپ حنبلی المذہب تھے۔ اگر رفع الیدین منسوخ و منع ہوتی تو آپ نہ تو خود اس پر عامل ہوتے اور نہ اس کا فتوی دیتے۔ پس امید ہے جو احباب، حضرت شیخ جیلانی سے سچی عقیدت رکھتے ہیں وہ اس فتوی جیلانی پر ضرور عامل ہوں گے۔ واللہ الموفق والہادی۔

علماء احناف اور مسئلہ رفع الیدین:

احناف ہمیشہ مسئلہ رفع الیدین میں اہل حدیث (كثر الله سوادهم) کی مخالفت کرتے ہیں۔ اپنے مذہب اور امام کی تقلید کی وجہ سے حدیث رسول ﷺ

کی پرواہ نہیں کرتے۔ حمیت مذہبی کی وجہ سے بیسیوں احادیث کو جواب دیتے ہیں۔ اگر خود عمل نہ کرتے، تو اتنا ہی تھا کہ ثواب سے محروم رہتے۔ مگر آفت تو یہ ہے کہ بعض مقلدین اس سنت کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں اور رفع الیدین کرنے والوں کو مطعون کرتے کراتے ہیں۔ اور اس کے باوجود بعض منصف مزاج علمائے احناف نے واضح طور پر رفع الیدین کی پرزور حمایت کی ہے۔ ذیل میں چند ایک علماء کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

عصام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ: عصام بن یوسف بواسطہ ابو یوسف، امام ابوحنیفہؒ کے پوتا شاگرد ہیں، مولانا عبدالحی ان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"كان يرفع يديه عند الركوع وعند رفع الراس منه".

(الفوائد البهية في تراجم الحنفية، مطبوعہ یوسفی لکھنؤ: ص ۴۸)

"(باوجود حنفی ہونے کے پھر بھی) وہ رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔"

مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"اگر کوئی حنفی کسی مسئلہ میں اپنے امام ابوحنیفہؒ کا ساتھ چھوڑ کر صحیح حدیث پر عمل کرنے لگے تو اس سے اس پر غیر مقلد ہونے کا الزام ہرگز عائد نہیں ہوسکتا اور نہ وہ حنفیت سے خارج ہوگا۔ کیونکہ عصام بن یوسف کو ابوحنیفہؒ کے خلاف رفع الیدین سے نماز پڑھنے پر بھی حنفیوں میں ہی شمار کیا گیا ہے۔" (الفوائد البہیہ: ص ۹۸)

ابو جعفر احمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ: ابو جعفر احمد بن اسحاق بن بہلول فرماتے ہیں:

"كان مذهبي مذهب أهل العراق فرأيت النبي ﷺ في النوم يصلي فرأيته يرفع يديه في أول تكبيرة ثم إذا ركع ثم إذا رفع رأسه من الركوع". (دارقطنی: ج ۱، ص ۱۱۰)

”میں پہلے عراقی خیال (حنفی) تھا۔ پھر میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو تکبیر تحریمہ کے ہمراہ نیز رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے دیکھا، تو اسی وقت سے اپنا سابق خیال چھوڑ دیا، اور رفع الیدین سے نماز شروع کر دی۔“

مولانا عبدالحی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”والحق أنه لا شك في ثبوت رفع اليدين عند الركوع والرفع منه عن رسول الله ﷺ وكثير من أصحابه بالطرق القوية والأخبار الصحيحة“. (سعایہ، مطبوعہ مصطفائی: ج۱، ص۲۱۳)

”رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین ایک ایسی سنت نبوی ﷺ ہے، جو صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر عمل بھی ہے۔“

نیز انہی مولانا صاحب نے اپنے فتاوی (ج۱، ص۲۸۶) مطبوعہ یوسفی لکھنؤ میں اس سنت نبوی ﷺ کے غیر منسوخ ہونے پر صاف تصریح فرمائی ہے۔ نیز موطأ کی شرح میں فرماتے ہیں:

”وأما دعوى نسخه كما صدر عن الطحاوي مغترا بحسن الظن بالصحابة التاركين وابن الهمام والعيني وغيرهم من أصحابنا فليست بمبرهن عليها بما يشفي العليل ويروي الغليل“. (التعلیق الممجد، حاشیہ موطأ امام محمد: ص۷۹)

”نسخ رفع کا دعوی بوجہ حسن ظن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو تارک رفع الیدین تھے، جیسا طحاوی، عینی، ابن ہمام وغیرہ نے کیا ہے یہ دعوی بادلیل نہیں۔ جو سائل اور معترض کی تشفی کر سکے۔“

علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو شخص یہ کہتا ہے کہ حدیث ترک رفع الیدین، حدیث رفع الیدین کی ناسخ ہے اس کا قول بلا دلیل ہے، کیونکہ اگر مسئلہ رفع الیدین میں نسخ فرض کیا جائے، تو معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہئے۔ جو احناف کہتے ہیں۔ کیونکہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ (صحابی) رفع الیدین کے راوی ہیں۔ اور انہوں نے آخر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی ہے۔ جیسا کہ یہ امر حنفیہ کو بھی تسلیم ہے۔ کیونکہ وہ حدیث جلسہ استراحت کا جواب دیتے ہوئے جس کے راوی مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہیں، کہتے ہیں کہ یہ آپ ﷺ کا فعل آخری عمر میں کبرسنی پر محمول ہے۔ یعنی آپ ﷺ قصداً نہیں بیٹھے تھے۔ پس ایک ہی راوی کی حدیث کو ایک وقت مسئلہ رفع الیدین میں اوّل الامر پر محمول کرنا اور منسوخ ٹھہرانا اور اسی راوی کی دوسری حدیث جلسہ استراحت کی (جو اپنے مذہبی مسئلہ کے موافق ہے) اس کو آخر عمر، کبرسنی پر محمول کرنا کیا صریح تناقض (اور تعصب مذہبی کا ثبوت) نہیں ہے؟ بلکہ حدیث عدم رفع الیدین کی اس لائق ہے کہ اس کو منسوخ کہا جائے۔ لیکن (علیٰ سبیل التنزل) میرے نزدیک دونوں امر مسنون ہیں، تاہم حدیث رفع الیدین کی بہت قوی اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔'' (لہٰذا رفع ہی کو ترجیح ہے۔) (حاشیہ ابن ماجہ للسندی، طبع مصر: ج ۱، ص ۲۸۲)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقت رفتن برکوع وسربرداشتن ازاں رفع الیدین نزد ابی حنیفہ سنت نیست۔ لیکن اکثر فقہاء

ومحدثین اثبات آں می کنند۔"

"رکوع جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع الیدین امام ابوحنیفہؒ سنت نہیں مانتے' لیکن اکثر فقہاء ومحدثین اس کے مسنون ہونے کے قائل ہیں۔" (مالابدمنہ' فارسی: ص۲۸)

مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وقد ثبت الرفع والترك تواترا' لا يُمكن لأحد إنكار أحدهما لكن تواتر العمل لا تواتر الإسناد".

"رفع الیدین اور ترک رفع الیدین تواتراً ثابت ہیں' کسی کو اس کے انکار کی گنجائش نہیں۔ لیکن تواتر عملی ہے۔ تواتر اسنادی نہیں۔" (العرف الشذی' حاشیہ ترمذی: ص۱۲۴)

میں کہتا ہوں شاہ صاحب کا ترک رفع کو تواتر عملی کہنا اپنے مذہب کی بے جا حمایت ہے ورنہ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ سے صحیح سند کے ساتھ ترک رفع ثابت نہیں۔ ہاں احناف کے نزدیک ترک رفع عملی طور سے ضروری ہے۔ تاہم غنیمت ہے کہ صدر مدرس مدرسہ دیوبند نے رفع الیدین کو تواتر عملی تسلیم کر لیا اور منسوخ ہونے کا فتوی نہیں دیا' بلکہ لفظ "لا يمكن لأحد إنكار أحدهما" فرما کر احناف کو ملامت فرما رہے ہیں' بلکہ آپ نے تو یہاں تک لکھا ہے:

"ترك السنة بقدر زائد على ما تركه النبي ﷺ لا يخلو عن إثم". (العرف الشذی: ص۱۲)

"یعنی سنت کا ترک اس مقدار سے زائد کرنا جتنی مدت رسول اللہ ﷺ نے اس کو کیا ہے گناہ سے خالی نہیں۔"

بناء بریں کہاں ہیں وہ احناف جو رفع الیدین کو سنت تسلیم کرتے ہوئے تمام عمر تک رفع الیدین نہیں کرتے۔ کیا وہ بقول شاہ صاحب گناہ سے بری ہو

سکتے ہیں؟ فإلی اللہ المشتکی!

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ: فتاوی رشیدیہ میں ہے:

سوال: اگر کوئی غیر مقلد ہمارے پاس جماعت میں کھڑا ہو رفع الیدین، آمین کرتا ہو تو اس کے پاس کھڑے ہونے سے ہماری نماز میں تو کچھ خرابی نہ آئے گی، یا ہماری نماز میں کچھ واقع نہ ہوگا؟

الجواب: کچھ خرابی نہیں آئے گی۔ ایسا تعصب اچھا نہیں وہ بھی عامل بحدیث ہے۔ اگرچہ نفسانیت سے کرتا ہے مگر فعل تو فی حد ذاتہ درست ہے۔

(ج ۱، ص ۶، طبع قدیم)

واضح رہے کہ مولانا موصوف کا لفظ "نفسانیت" بڑھا کر جواب دینا کسی مصلحت پر مبنی ہے۔ کیونکہ بعض لوگ جن کو تعصب مذہبی ہوتا ہے، وہ عامل بالحدیث کو ایسے کلمات نفسانیت وغیرہ کہہ دیتے ہیں۔ اس لیے آپ نے جواب میں تصریح کر دی کہ اگر یہ فعل جو سنت نبوی ﷺ ہے، نفسانیت کی بناء پر بھی کرے، تو بھی اس کو روکنے کا کسی کو حق حاصل نہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یوں کی جا سکتی ہے کہ کسی کام میں کسی شخص کی اگر نیت بد ہے، تو اللہ سے بدلہ پائے گا۔ اسی لیے ایسی بدظنی پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو ایک وعید سنائی تھی۔ جب ان کے ہاتھ سے ایک نومسلم شخص خطأً قتل ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "أشققت قلبه". (صحیح مسلم) "کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ اس نے یہ کلمۂ اسلام اپنا مال بچانے کے لیے پڑھا تھا۔" لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ امور اسلام میں کسی مسلم بھائی پر بدظنی نہ کرے۔

احادیث رفع الیدین متواتر ہیں:

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ دہلوی فرماتے ہیں:

"اعلم أنه لما ثبت رفع اليدين في المواضع الأربعة

المذكورة بروايات صحيحة ثابتة وآثار مرضية راجحة ومذاهب حقة صادقة عن النبي ﷺ وعن كبراء الصحابة وعظماء العلماء والفقهاء المجتهدين بحيث لا يشوبها نسخ ولا تعارض حتى ادعى بعضهم التواتر ولا أقل من أن يكون مشهورة (إلى أن قال) فوضح بما ذكرنا أن ما قالوا ليس بصواب لا ينبغي لأحد أن يصغي إليه ولا يصلح لامرئ من المؤمنين أن يعملوا ويعولوا عليه"۔

(تنویر العینین: ص ۳۹)

"یعنی نبی ﷺ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم اور علماء، فقہاء و مجتہدین سے رفع الیدین کرنا چار جگہوں میں (بوقت تکبیر تحریمہ اور بوقت رکوع اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور بوقت ابتداءِ رکعتِ ثالثہ) احادیث صحیحہ اور آثار پسندیدہ اور مذاہب صادقہ سے ثابت ہے اس طور سے کہ اس میں نسخ اور تعارض کو دخل نہیں۔ بلکہ محدثین نے تو اس کو متواتر کہا۔ تاہم حدیث مشہور سے تو کم نہیں۔ تو منسوخ ہونے کا دعوی درست نہیں اور نہ وہ اس قابل ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور نہ اس لائق ہے کہ کوئی مومن اس پر عمل اور اعتماد کرے۔"

علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

"في الرفع المذكور أربع مائة خبر بين مرفوع وأثر على ما قاله مجد الدين الفيروزآبادي في السِفَر. فالحديث متواتر معنى رواه خمسون من الصحابة فيهم العشرة المبشرة على ما قال العراقي في شرح التقريب وعده السيوطي

من جملة الأحاديث المتواترة فى كتابه المسمى ”بالأزهار المتناثرة“ ونسبه إلى رواية ثلاثة وعشرين من الصحابة“.

(دراسات اللبیب: ص۱۶۹، ۱۷۰، طبع لاہور)

بقول علامہ مجد الدین فیروز آبادی رفع الیدین کے اثبات چار سو احادیث و آثار مروی ہیں۔ بلکہ حدیث رفع الیدین معنًی متواتر ہے اس کو پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ ان میں عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم بھی ہیں جیسا کہ علامہ عراقی نے شرح تقریب میں ذکر کیا ہے اور علامہ سیوطیؒ نے بھی اپنی کتاب ”الأزهار المتناثرة في الأخبار المتواترة“ میں اس حدیث کو متواتر قرار دیا ہے اور تیس صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف اس کو منسوب کیا ہے۔

قومہ

رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونے کو ”قومہ“ کہا جاتا ہے۔ اس میں بھی اطمینان ضروری ہے، بدن سیدھا ہو جائے۔ سب اعضاء اپنے ٹھکانے پر آ جائیں۔ جو لوگ سیدھے کھڑے نہیں ہوتے ان کی نماز نہیں ہوتی۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے حضرت ابوحُمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

”نبی اکرم ﷺ جب رکوع سے اٹھتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے۔ یہاں تک کہ پیٹھ کی ہر ہڈی اپنی جگہ پر واپس آ جاتی۔“

(بخاری: ج۱، ص۱۱۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا ينظر الله إلى صلوٰة رجل لا يقيم صلبه بين ركوعه وسجوده“. (مسند احمد)

''اللہ تعالیٰ اس آدمی کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا' جو اپنے رکوع اور سجدے کے درمیان اپنی کمر سیدھی نہیں کرتا۔''

قومہ کی دعائیں:

جب نمازی رکوع سے اٹھے' تو کندھوں یا کانوں تک رفع الیدین کرے اور مندرجہ ذیل دعاؤں میں سے جو چاہے پڑھے۔

مقتدی اور امام رکوع سے اٹھتے وقت ''سمع الله لمن حمده''. ''جس نے اللہ کی تعریف کی' اللہ نے اس کی تعریف سن لی۔'' کہیں اور ''ربنا ولك الحمد''. ''اے اللہ! ہمارے پروردگار تیرے ہی واسطے سب تعریف ہے۔'' کہیں۔ (فتح الباری: ج ۲' ص ۱۸۳)

اگر امام پہلا کلمہ کہے اور مقتدی دوسرا کہہ دے' یہ بھی درست ہے۔ حدیث شریف سے دونوں باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ہم نبی اکرم ﷺ کے پیچھے نماز ادا کر رہے تھے جب آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا اور ''سمع الله لمن حمده'' کہا تو پیچھے سے ایک آدمی نے یوں دعا پڑھی:

رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ ○

اے رب! تیرے ہی لیے حمد ہے' بہت زیادہ پاکیزہ' اور بابرکت۔ (مشکوٰۃ: ص ۸۲)

جب نبی ﷺ نے سلام پھیرا' تو دریافت فرمایا:

''ابھی کون شخص بولا تھا؟'' اس آدمی نے عرض کیا' میں تھا' یارسول اللہ! نبی ﷺ نے فرمایا: ''ابھی میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو اس دعا کی طرف لپکتے ہوئے دیکھا کہ کون اسے سب سے پہلے لکھتا ہے۔'' (بخاری: ج ۱' ص ۱۱۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب رکوع

سے سر اٹھاتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ! رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَمِلْءَ

اے اللہ! ہمارے پروردگار! تیرے لیے اس قدر حمد ہے جس قدر آسمان اور

الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ ○

زمین بھر جائیں۔ اس کے بعد جو تو چاہے وہ بھی بھر جائیں۔ (مشکوٰۃ: ص ۸۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتے' تو یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ! رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ

اے اللہ! ہمارے پروردگار! تیرے ہی لیے حمد ہے۔ آسمانوں بھر اور زمین بھر' ہر اس چیز

وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ، اَهْلَ الثَّنَآءِ وَالْمَجْدِ

بھر جسے تو اسکے بعد چاہے۔ اے ثناء اور بزرگی کے مالک! یہی چیز ہے جس کا کہنا

اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ. وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ. اَللّٰهُمَّ! لَا مَانِعَ

بندے پر سب سے زیادہ حق ہے۔ اور ہم میں سے ہر ایک تیرا بندہ ہے۔ اے اللہ

لِمَآ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ

جس چیز کو تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جسے تو روکے اسے دینے والا کوئی نہیں۔

ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ ○ (مشکوٰۃ: ص ۸۲)

اور کسی بڑائی والے کو تیرے پاس اس کی بڑائی کام نہیں دے سکتی۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمَآءِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ

اے اللہ! تیرے ہی لیے حمد ہے' آسمان بھر' زمین بھر اور ہر اس چیز بھر جو تو اس

وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ. اَللّٰهُمَّ طَهِّرْنِيْ بِالثَّلْجِ
کے بعد چاہے' اے اللہ! مجھے برف' اولوں اور ٹھنڈے
وَالْبَرَدِ وَالْمَآءِ الْبَارِدِ. اَللّٰهُمَّ! طَهِّرْنِيْ مِنَ الذُّنُوْبِ
پانی سے پاک کر دے۔ اے اللہ! تو مجھے گناہوں سے پاک کر دے۔
وَنَقِّنِيْ مِنْهَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ ○
اور اسطرح پاک وصاف کر دے جسطرح سفید کپڑا میل سے پاک صاف کیا جاتا ہے۔
(مسلم: ج۴' ص۱۹۳)

رکوع کے بعد سینے پر ہاتھ باندھنا:

قیام میں ہاتھ باندھنا مسنون ہے' اور شرعی اصطلاح میں قیام کا اطلاق صرف قبل از رکوع حالت پر ہوتا ہے۔ جس میں قراءت ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ہر رکعت میں دو سجدوں کی طرح دو قیام ہوں' جب کہ کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں۔ سب لوگ جانتے ہیں' ایک رکعت میں تکرارِ قیام صرف صلوٰۃِ کسوف (سورج گرہن) میں معروف ہے۔ اس بناء پر بعد از رکوع کی حالت کو اعتدال یا رفع بعد الرکوع یا قومہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

محدثین کرام کی عادت ہے کہ پہلے قیام کو علی الاطلاق بیان کرتے ہیں اور دوسرے کو مقید' اور جہاں دونوں اکٹھے آئیں پہلے کو لفظ قیام سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسرے کو اعتدال یا رفع بعد الرکوع سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سنن نسائی کی روایت میں "إذا كان قائما". یا "كلما قام قبض يمينه على شماله". کا تعلق پہلے قیام سے مخصوص ہے۔ لفظ "إذا" رکوع سے پہلی حالت کے ساتھ مختص ہے' عام نہیں۔ بعض حالات میں "إذا" کے عدمِ عموم کی بے شمار امثلہ موجود ہیں۔ مثلاً فرمایا رب العزت نے:

﴿اِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩﴾ (مریم:۵۸)

﴿وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ۩﴾ (الانشقاق:۲۱)

پھر رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑنے کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ انسان کی طبعی حالت یہی ہے۔ البتہ باندھنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ جو یہاں موجود نہیں۔ اس بناء پر اہل علم نے کہا ہے کہ وضو کے بعد شرمگاہ کو ہاتھ لگنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، جس طرح کہ بُسرہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے۔ اور طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ وضو نہیں ٹوٹتا۔ طلق کی حدیث چونکہ اصل کے مطابق ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور بسرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث "ناقل عن الاصل" ہے لہٰذا راجح بات یہی ہے کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور براء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ نبی ﷺ کا رکوع، سجود، سجدوں کے درمیان اور رکوع کے بعد وقفہ قریباً برابر ہوتا، سوائے قیام اور تشہد کے کہ وہ لمبے ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیام کا اطلاق صرف رکوع سے پہلی حالت پر ہے۔

رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے بارے میں علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

> "مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قیام میں ہاتھ باندھنا بدعت اور گمراہی ہے، کیونکہ صفۃ الصلوٰۃ کی اتنی ساری احادیث میں سے کسی میں وارد نہیں۔ اگر اس کا کوئی اصل موجود ہوتا تو منقول ہونا چاہیے۔ ایک طریق سے کیوں نہ ہو۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ سلف صالحین میں سے کسی نے یہ فعل نہیں کیا۔ اور جہاں تک مجھے علم ہے ائمۂ حدیث میں سے کسی نے اس مسئلہ کو چھیڑا تک نہیں۔" (صفۃ الصلوٰۃ: ص۱۱۵)

سجدہ کی فضیلت

مَعدان بن طلحہؒ تابعی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور خادم خاص حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے عرض کی کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ مجھے جنت عطا فرما دے۔ انہوں نے خاموشی اختیار فرمائی اور میری بات کا کوئی جواب نہ دیا' میں نے دوبارہ وہی سوال کیا' انہوں نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں دیا اور سکوت اختیار فرمایا۔ اس کے بعد تیسری مرتبہ میں نے پھر وہی سوال کیا' تو انہوں نے فرمایا کہ: یہی سوال میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا' تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ''تم اللہ کے حضور میں سجدے زیادہ کیا کرو' جو سجدہ بھی تم اللہ کے لیے کرو گے اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ تمہارا درجہ ضرور بلند کرے گا اور تمہارا کوئی نہ کوئی گناہ اس وجہ سے ضرور معاف ہوگا۔'' (مسلم: ج۱' ص۱۹۳)

ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ جو اصحابِ صُفّہ میں سے تھے اور سفر وحضر میں اکثر رسول اللہ ﷺ کے خادمِ خاص کی حیثیت سے آپ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے' بیان فرماتے ہیں کہ:

> ایک رات کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور آپ کی خدمت میں تھا۔ (جب آپ ﷺ تہجد کے لیے رات کو اٹھے) تو میں وضو کا پانی اور دوسری ضروریات لے کر حاضر خدمت ہوا' تو آپ ﷺ نے خوش ہو کر مجھ سے فرمایا: ''ربیعہ کچھ مانگو۔'' (آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے دل میں اگر کسی خاص چیز کی چاہت اور آرزو ہو تو اس وقت مانگ لو میں اللہ سے اس کے لیے دعا کروں گا اور امید ہے کہ وہ تمہاری مراد پوری کر دے گا۔) ربیعہ رضی اللہ عنہ

> کہتے ہیں' میں نے عرض کیا: میری مانگ یہ ہے کہ جنت میں آپ ؐ کی رفاقت نصیب ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی یا اس کے سوا کچھ اور؟'' میں نے عرض کیا' میں تو بس یہی مانگتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اپنے اس معاملہ میں سجدوں کی کثرت کے ذریعہ میری مدد کرو۔'' (مسلم: ج ۱' ص ۱۹۳)

مقربین بارگاہِ خداوندی پر کبھی کبھی ایسے احوال آتے ہیں کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت رحمتِ حق متوجہ ہے اور جو کچھ مانگا جائے امید ہے کہ انشاء اللہ مل ہی جائے گا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے ربیعہ بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت سے متاثر ہو کر ان سے فرمایا کہ ''سَلْ'' (جس چیز کی تمہیں چاہت ہو' وہ مانگو) غالباً وہ کوئی ایسی ہی گھڑی تھی۔ لیکن جب انہوں نے اس کے جواب میں جنت میں رسول اکرم ﷺ کی رفاقت مانگی اور مکرر دریافت کرنے پر بھی یہی کہا کہ مجھے تو بس یہی چاہیے اس کے سوا کچھ نہیں' تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ: ''فَاَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ''. (یعنی پھر اپنے اس معاملے میں میری مدد کرو سجدوں کی کثرت کے ذریعہ۔) گویا اس ارشاد کے ذریعہ آپ ﷺ نے ان کو بتایا کہ تم جو جنت میں میری رفاقت چاہتے ہو تو یہ بہت بلند درجہ اور عظیم مرتبہ ہے میں تمہارے واسطے اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دعا کرتا ہوں اور کروں گا' لیکن اتنا بلند مقام حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تم بھی اس کا استحقاق پیدا کرنے کے لیے عملی کوشش کرو اور وہ خاص عمل جو اس منزل تک پہنچانے میں خصوصیت کے ساتھ مددگار ہو سکتا ہے' اللہ کے حضور میں سجدوں کی کثرت ہے۔ لہٰذا اس کا خاص اہتمام کر کے اپنے اس معاملہ میں میری مدد کرو اور اپنے عمل سے دعا کو قوت پہنچاؤ۔

سجدے سے شیطان روتا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب آدم کا بیٹا سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان ایک طرف ہو کر روتا ہوا کہتا ہے' ہائے مصیبت! آدم کے بیٹے کو سجدے کا حکم دیا گیا۔ اس نے سجدہ کیا' وہ جنتی ہو گیا اور مجھے سجدے کا حکم ہوا' تو میں نے نافرمانی کی اور میں جہنمی ہو گیا۔''

(مشکوٰۃ: ج ۱' ص ۸۴)

سجدے کی حالت میں بندہ اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہوتا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''أقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد فأكثروا الدعاء''.

(صحیح مسلم: ج ۱' ص ۱۹۱)

''سجدے کی حالت میں بندہ اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہوتا ہے۔ (بحالتِ سجدہ) بکثرت دعا کیا کرو۔''

سجدہ سے درجات میں بلندی اور گناہوں سے معافی:

حضرت عُبادہ بن صَامِت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتا ہے تو (اس کے بدلے) اللہ تعالیٰ (بندے) کے لیے ایک نیکی لکھ دیتے ہیں اور ایک گناہ معاف کر دیتے ہیں اور ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں۔ پس بکثرت سجدے کیا کرو۔'' (ابن ماجہ: ج ۱' ص ۱۰۴)

سجدے کی حالت اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے:

حضرت حُذَیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ما من حالة يكون العبد عليها أحب إلى الله من أن يراه

ساجدا یعفر وجهه بالتراب". (تحفۃ الذاکرین: ص ۱۲۸' طبرانی فی الاوسط)

"بندے کی کوئی حالت اللہ تعالیٰ کو اتنی پیاری نہیں ہے' جتنی سجدہ کی حالت کہ وہ بندے کو اپنے سامنے پیشانی خاک میں لٹاتا ہوا دیکھے۔"

اللہ تعالیٰ ذوالجلال کو عاجزی وانکساری بہت پسند ہے اور بندہ اپنے بدن کے سب سے اشرف اور بہتر حصے کو اس کے سامنے مٹی میں لٹا رہا ہے تو اس سے زیادہ عاجزی اور کیا ہوگی۔ اس لیے یہ حالت اسے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

سجدہ کی دعائیں:

قومہ' اطمینان سے ادا کرنے کے بعد "اللہ اکبر" کہہ کر سجدے میں چلے جائیں اور اپنے رب کی بارگاہ میں سر رکھ کر التجائیں کرنا شروع کر دیں اور مندرجہ ذیل ادعیہ میں سے جو یاد ہوں' پڑھیں۔

① سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ○

میرا برتر پروردگار پاک ہے۔

② سُبْحَانَكَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ○

پاک و برتر ہے تو اے اللہ! ہمارے رب حمد وتعریف کا مستحق ہے۔ اے اللہ! میری مغفرت فرما دے۔ (مشکوٰۃ: ص ۸۲)

③ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِکَةِ وَالرُّوْحِ ○ (مشکوٰۃ: ص ۸۲)

پاک و برتر' بے عیب فرشتوں اور روح الامین کا پروردگار ہے۔

④ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ کُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ اَوَّلَهٗ

اے اللہ! میرے چھوٹے' بڑے' پہلے کے'

وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِیَّتَهٗ وَسِرَّهٗ ○ (مسلم: ج ۴' ص ۲۰۰)

بعد کے' کھلے' چھپے' سب گناہ بخش دے۔

⑤ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ

اے اللہ! تیری ناراضگی سے تیری رضا مندی کی طرف پناہ لیتا ہوں' اور تیری سزا سے

مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَيْكَ

تیری معافی کی پناہ لیتا ہوں' اور تیری پکڑ سے بس تیری ہی پناہ لیتا ہوں' میں تیری ثناء

اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِكَ ○ (مشکوٰۃ: ص۸۴)

وصفت پوری طرح بیان نہیں کرسکتا' جیسا کہ تو نے خود اپنی ذات کے بارہ تعریف فرمائی ہے۔

⑥ اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُّ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ ○

اے اللہ! میں نے تیرے لیے سجدہ کیا اور تجھ پر ایمان لایا اور تیرے لیے فرمانبردار ہوا۔

⑦ سَجَدَ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ

میرے چہرہ نے اس کے لیے سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی

وَبَصَرَهٗ، تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ○ (کتاب الدعاء للطبرانی: ج۲' ص۱۰۶۳)

اور اس کی آنکھیں اور کان بنائے۔ بابرکت ہے اللہ' بہترین پیدا کرنے والا۔

ان مذکورہ دعاؤں کے علاوہ سجدہ اور رکوع میں اور بھی دعائیں احادیث میں آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے اور ان مبارک دعاؤں کا مطلب آدمی سمجھتا ہو تو رکوع اور سجدہ میں یہ دعائیں بھی کبھی کبھی پڑھنی چاہئیں۔ خاص کر نوافل میں آدمی کو اختیار ہے کہ جتنا لمبا چاہے رکوع وسجدہ کرے۔ ہاں فرض نمازوں میں امام کو اس کا لحاظ ضرور رکھنا چاہئے کہ کمزور مقتدیوں کو تکلیف اور گرانی نہ ہو۔

سجدہ میں جانے اور سجدہ سے اٹھنے کی ہیئت:

قومہ سے نمازی آرام کے ساتھ سجود کی طرف جھکے اور ''اللہ اکبر'' کہے اور پہلے ہاتھ زمین پر رکھے' پھر گھٹنے یا پہلے گھٹنے رکھے پھر ہاتھ دونوں امر درست

ہیں، لیکن ترجیح پہلی صورت کو ہی ہے۔

سجدہ کے آداب:

سجدہ میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال نہایت ضروری ہے:

بازوؤں کا پہلوؤں سے دور رکھنا اور کہنیوں کا اٹھانا: حضرت عبداللہ بن بُحَینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> "نبی کریم ﷺ جب سجدہ فرماتے، تو اپنے دونوں بازوؤں کو اپنے پہلوؤں سے دور رکھتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی بغلیں ظاہر ہو جاتیں۔" (بخاری: ج۱، ص۱۱۲)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> "جب تم سجدہ کرو، تو اپنے ہاتھوں کو زمین پر رکھو اور کہنیوں کو اوپر اٹھاؤ۔" (مسلم: ج۱، ص۱۹۴)

لیکن اس بارے میں اعتدال بھی ضروری ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> "سجدہ میں اعتدال کرو اور تم میں سے کوئی شخص کتے کی طرح اپنے بازوؤں کو نہ پھیلائے۔" (بخاری: ج۱، ص۱۱۳، مسلم: ج۱، ص۱۹۳)

ہاتھوں کی انگلیوں کا آپس میں ملانا: رکوع کے وقت ہاتھوں کی انگلیوں کو کھلا رکھنا چاہیے اور سجدہ میں آپس میں ملا لینا چاہیے۔ چنانچہ حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ

> كان إذا سجد ضم أصابعه. (مستدرک حاکم: ج۱، ص۲۲۷)
>
> "جب سجدہ فرماتے، تو انگلیوں کو آپس میں ملا لیتے۔"

ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ رخ رکھنا: حضرت ابوحُمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب سجدہ فرماتے، تو اپنے بازوؤں کو نہ زمین پر

بچھائے ہوئے رکھتے اور نہ کھینچے ہوئے' آپ ﷺ اپنے دونوں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھتے۔ (بخاری: ج۱' ص۱۱۲)

پیٹ کا رانوں سے دور رکھنا: حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> ''جب نبی اکرم ﷺ سجدہ فرماتے تو اپنی دونوں رانوں کو پھیلا لیتے' اس طرح کہ آپ ﷺ کا پیٹ رانوں کے کسی حصہ پر نہ ہوتا۔'' (ابوداود: ج۱' ص۱۱۴)

دونوں ہاتھوں کا کندھوں یا کانوں کے برابر رکھنا: اس بارے میں دونوں طرح کی احادیث موجود ہیں اور دونوں امر جائز ہیں۔

(ملاحظہ ہو' تحفۃ الاحوذی: ج۱' ص۲۳۲)

سجدہ کے اَعضاء:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''أمرت أن أسجد على سبعة أعظم: على الجبهة واليدين والركبتين وأطراف القدمين ولا نكفت الثياب والشعر''.

(بخاری: ج۱' ص۱۱۲' مسلم: ج۱' ص۱۹۳)

> ''مجھے حکم ملا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے) کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں۔ (یعنی سجدہ اس طرح کروں کہ یہ سات عضو زمین پر رکھے ہوں۔) پیشانی' دونوں ہاتھ' دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے کنارے۔ (اور یہ بھی حکم ہے) کہ ہم اپنے کپڑے اور بالوں کو نہ سمیٹیں۔''

یہ سات اعضاء جن کا حدیث میں ذکر ہے ''اعضاءِ سجود'' کہلاتے ہیں۔ سجدے میں ان کو زمین پر ٹکنا چاہیے۔ بعض آدمی سجدے میں جاتے ہوئے اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے کپڑوں اور بالوں کو خاک آلودگی سے بچائیں۔

یہ بات چونکہ سجدے کی غایت اور روح کے منافی ہے اس لیے اس سے منع فرمایا گیا ہے۔

نوٹ: سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں کو انگلیوں پر کھڑا رکھیں اور دونوں پاؤں کی ایڑھیوں کو ملا لیں۔

سجدہ میں ناک کو زمین پر لگانا:

سجدہ کی حالت میں ناک کو بھی پیشانی کے ساتھ ہی زمین پر لگانا چاہیے‘ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”أمرت أن أسجد على سبعة أعظم؛ الجبهة وأشار بيده على [إلى] أنفه“. (مسلم: ج۱ ص۱۹۳)
>
> ”مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پیشانی اور (اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے) ناک کی طرف اشارہ کیا۔“

جلسہ اور اس کی مسنون دعائیں:

پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ سے سر اٹھا کر بیٹھ جائیے۔ بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دایاں پاؤں بدستور کھڑا رکھیے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر دوزانوں ہو کر بیٹھ جائیے اور دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھیے۔ رسول اللہ ﷺ کا قومہ اور جلسہ بھی رکوع اور سجود کے موافق ہی ہوا کرتا تھا۔ بعض لوگ دو سجدوں کے درمیان سیدھے ہو کر اطمینان سے نہیں بیٹھتے اور جانوروں کی ٹھونگوں کی طرح سجدے پر سجدہ کرتے ہیں‘ اس طرح نماز نہیں ہوتی۔ نبی اکرم ﷺ نے ایسے طریق سے منع فرمایا ہے۔ مندرجہ ذیل دعائیں جلسہ میں پڑھنی چاہئیں۔ رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

① اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ

اے اللہ! میری بخشش فرما‘ مجھ پر رحم کر اور مجھے ہدایت دے اور مجھے روزی عنایت کر

وَاجْبُرْنِیْ وَارْفَعْنِیْ ○ (کتاب الدعاء للطبرانی)

میرے نقصان کی تلافی کر اور میرا مقام اونچا کر دے۔

۲ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ ○ (کتاب الدعاء)

اے میرے اللہ! مجھے بخش دے۔

کتنی پیاری پیاری دعائیں ہیں، لیکن ہمارے ہاں لوگ اپنے آپ کو اہلِ سنت کہلا کر بھی سنتِ رسول ﷺ پر عمل کرنے سے کتراتے ہیں، کاش کہ لوگ ان دعاؤں کو یاد کریں اور سنتِ رسول ﷺ پر عمل کر کے مُحِبِّ رسول ﷺ ہونے کا ثبوت دیں۔

دوسرا سجدہ:

جب جلسہ اور اس کی دعاؤں سے فارغ ہوں تو پھر تکبیر کہتے ہوئے دوسرے سجدے میں جائیے اور پہلے سجدہ کی طرح دوسرا سجدہ بھی کیجئے۔ دوسرا سجدہ کرنے کے بعد ایک رکعت مکمل ہو جاتی ہے۔

جلسۂ اِستراحت

اب دوسری رکعت کے لیے اٹھنا ہے یاد رکھیں کہ دوسرے سجدہ سے فارغ ہوتے ہی ایک دم اٹھ کھڑا ہونا صحیح نہیں، کیونکہ یہ خلافِ سنت ہے بلکہ اطمینان سے بیٹھ کر پھر اٹھنا چاہئے اس کو جلسہ استراحت کہتے ہیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

> ''جلسۂ استراحت' سنت صحیحہ' ثابتہ سے ہے' صحیح بخاری اور احادیث کی دوسری کتابوں میں نبی اکرم ﷺ کے فعل سے ثابت ہے۔'' (کتاب الاذکار: ص۱۲۳)

نبی اکرم ﷺ سے اس کی صورت ابوحُمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے:

”ثم يقول الله اكبر ويثني رجله اليسرى فيقعد عليها ثم يعتدل حتى يرجع كل عظم الي موضعه ثم ينهض“.

(مشکوٰۃ: ج۱، ص۷۶)

”پھر (رسول اللہ ﷺ) اللہ اکبر کہہ کر سر اٹھاتے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے، پھر سیدھے ہو جاتے، یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر آ جاتی۔ پھر دوسری رکعت کے لیے اٹھتے۔“

اٹھنے کی کیفیت:

جلسۂ استراحت اطمینان سے کرنے کے بعد دوسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکتے ہوئے مٹھیاں بند رکھیں۔ جیسا کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں رسول اللہ ﷺ کا فعل مروی ہے۔ اس حدیث کو حربی نے ”غریب الحدیث“ میں روایت کیا ہے جیسا کہ شیخ البانی نے کہا ہے اور اپنی کتاب احادیث ضعیفہ (ج۲، ص۲۹۲) میں اس کی سند کو حسن بھی کہا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ پیروں کے بل اٹھتے تھے اور بعض میں ٹیک لگا کر اٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔ مگر ان روایات میں سے کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔

اقعاء الکلب کی تشریح:

نماز عبادت بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اس کے لیے قیام، قعود اور رکوع وسجود کی وہ شکلیں مقرر کی گئی ہیں جو عبادت اور بندگی کی بہترین اور مکمل ترین تصویر ہیں اور ان نامناسب شکلوں سے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے جس میں استکبار یا بے پرواہی یا بدمنظری کی شان ہو یا کسی بدفطرت مخلوق کی ہیئت سے مشابہت ہو، اس اصول کے تحت رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ

سجدے میں آدمی کلائیاں زمین پر اس طرح بچھا دے جس طرح کتے اور بھیڑیے وغیرہ درندے بچھا کر بیٹھتے ہیں اور اسی اصول کے تحت آپ ﷺ نے اس طرح بیٹھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ جس کو ایک حدیث میں شیطان کی ”بیٹھنی“ اور دوسری حدیث میں کتے کی ”بیٹھنی“ سے تعبیر فرمایا ہے، شارحینِ حدیث نے اس کی تشریح دو طرح سے کی ہے۔

① ایک یہ کہ اپنے چوتڑوں کو زمین پر رکھے اور پنڈلیوں کو کھڑا کرے اور ہاتھوں کو زمین پر رکھ دے، جیسا کہ کتا بیٹھتا ہے۔

② دوسری صورت یہ ہے کہ سجدے سے اٹھ کر بائیں پاؤں کو زمین پر نہ بچھائے، بلکہ دونوں پاؤں پنجوں کے بل کھڑے کر کے ان کی ایڑیوں پر اپنے چوتڑ رکھ کر بیٹھے۔

تنبیہ: واضح رہے کہ یہ ممانعت صرف اس صورت میں ہے جب کہ بغیر کسی مجبوری کے آدمی ایسا کرے۔ اگر بالفرض کسی کو کوئی خاص مجبوری ہو، (مثلاً بڑھاپا، کمزوری وغیرہ) تو وہ معذور ہے اور اس کے حق میں بلا کراہت جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق مروی ہے کہ ان کے پاؤں میں کچھ تکلیف رہتی تھی جس کی وجہ سے وہ بطریق مسنون قعدہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے کبھی کبھی اس طرح بیٹھ بیٹھ جاتے تھے۔ بہرحال اگر کوئی معذور ہو تو اس طرح بھی بیٹھ سکتا ہے۔ ورنہ عام حالات میں اور بلا عذر نماز میں اس طرح بیٹھنے کی ممانعت ہے۔

دوسری رکعت:

کھڑے ہونے کے بعد بدستور سابق پہلی رکعت کی طرح دوسری رکعت پڑھیں۔ دعاء استفتاح ”**اللهم باعد بيني**“۔ یا ”**سبحانك اللهم وغيره**“۔ نہ پڑھیں، صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سورۂ فاتحہ اور قراءت کر کے دوسری رکعت

پوری کریں۔

تعوذ پڑھنا:

دوسری رکعت میں اعوذ باللہ پڑھنے میں اختلاف ہے۔ صریح روایت کسی طرف نہیں آئی اگر کوئی پڑھنا چاہے تو اس بنا پر پڑھ سکتا ہے کہ قرآن پڑھنے کے وقت اعوذ پڑھنا قرآن میں آیا ہے۔

تَشَہُّد

جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے سر اٹھائیں تو دایاں پاؤں کھڑا کریں اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر اس طرح رکھیں کہ گھٹنا پورے ہاتھ کی گرفت میں آ جائے اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں کا حلقہ بنا کر تسبیح کی انگلی کو اٹھائیں پھر تسلی سے بیٹھ جائیں اور یہ تشہد پڑھیں۔

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ
ساری تعریفیں، ساری عبادتیں اور سارے پاکیزہ کلمات، اللہ کیلئے ہیں۔ سلام
اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی
ہو آپ پر اے نبیؐ! اور اسکی رحمتیں اور برکتیں ہوں آپ پر، اور سلامتی ہو ہم پر اور
عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ. اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ
اللہ کے سارے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور
اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ (مشکوٰۃ: ص ۸۵)
میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

تشہد کے لیے احادیث میں اور الفاظ بھی مروی ہیں۔ لیکن یہ الفاظ بہت

جامع ہیں اور ساری امت کا معمول ہیں۔ گو دوسرے الفاظ سے بھی نماز ہو جاتی ہے۔ مندرجہ بالا الفاظ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں۔ چنانچہ امام ترمذیؒ اس کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> "تشہد کے متعلق نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ میں سے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔" (ترمذی: ج ۱، ص ۳۸)

امام بزارؒ فرماتے ہیں:

> "یہ حدیث تشہد میں سب سے زیادہ صحیح اور اسی پر (تمام لوگوں کا) عمل ہے، تقریباً بیس (مختلف) سندوں سے مروی ہے۔"

(تحفۃ الذاکرین: ص ۱۲۹، سبل السلام: ج ۱، ص ۱۹۰)

امام مسلمؒ (صاحب الصحیح) فرماتے ہیں:

> "إنما أجمع الناس على تشهد ابن مسعود لأن أصحابه لايخالف بعضهم بعضا وغيره قد اختلف أصحابه".

(سبل السلام: ج ۱، ص ۱۹۰)

> "لوگوں کا تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہما پر اجماع ہے، کیونکہ ان سے روایت کرنے والے سب متفق ہیں۔ اس کے سوا دیگر تشہد کے ناقلین کا اختلاف ہے۔ اسی طرح امام ذُہلی اور امام بَغَوِیؒ بھی فرماتے ہیں۔"

تشہد کی تعلیم کا اہتمام: رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو کچھ سکھاتے، بتاتے اور تعلیم دیتے تھے اس میں سب سے زیادہ اہتمام آپ ﷺ قرآن مجید کی تعلیم کا فرماتے تھے۔ لیکن تشہد (التحیات) کی تعلیم و تلقین آپ ﷺ نے اسی خاص الخاص اہتمام سے فرمائی جس اہتمام سے آپ ﷺ قرآن

مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ (مشکوٰۃ: ج۱، ص۸۵)

ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو یہ تشہد تعلیم فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیں۔ (مسند احمد: ج۱، ص۳۷۶)

تشہد میں انگشتِ شہادت اٹھانا:

تشہد میں انگشت شہادت کا اٹھانا، رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ تمام فقہاء اور ائمۂ حدیث اس سنت پر متفق ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

"ورفع إصبعه اليمنى التي تلي الإبهام فدعا بها".

(مسلم: ج۱، ص۲۱۶)

"رسول اللہ ﷺ داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کے برابر والی (انگشت شہادت) کو اٹھا کر اس سے اشارہ فرماتے تھے۔"

تشہد میں انگشت شہادت کا اٹھانا اور اشارہ کرنا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث کی بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ انگشت شہادت کے وقت اس اشارے کے ساتھ آپ ﷺ آنکھ سے بھی اشارہ فرماتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس اشارہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل فرمایا ہے:

"لهي أشد على الشيطان من الحديد". (مشکوٰۃ: ج۱، ص۸۵)

"انگشت شہادت کا یہ اشارہ شیطان کے لیے چھری اور تلوار سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔"

پہلے تشہد میں درود شریف پڑھنا:

پہلے تشہد میں درود شریف پڑھا جائے یا نہیں؟ اس کے بارے میں علماء کی دو رائے ہیں۔ علماء کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ پہلے تشہد میں بھی درود شرف پڑھنا مشروع اور جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تشہد میں نبی ﷺ نے درود شریف پڑھنے کا حکم دیا ہے اور آپ ﷺ کے اس حکم میں عموم ہے جو تشہد اول اور تشہد ثانی دونوں کو شامل ہے۔ اس لیے درود کے حکم کو تشہد ثانی ہی کے ساتھ خاص کرنا اور پہلے تشہد میں اس کے پڑھنے کو جائز نہ سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ امام شافعیؒ اور دیگر بعض ائمہ کا مسلک یہی ہے۔

عصرِ حاضر کے نامور عالم، محقق اور محدث عالم، ناصر الدین البانی نے بھی اسی رائے کو فوقیت دی ہے۔ اور کہا ہے کہ تشہد اول میں درود شریف پڑھنے کو مکروہ سمجھنا بلا دلیل ہے۔ (ملاحظہ ہو صفۃ صلوٰۃ النبی ﷺ: ص ۱۴۶)

لیکن علماء کا ایک دوسرا گروہ ہے جس کی رو سے مذکورہ بالا مسلک صحیح نہیں، اور وہ درجِ ذیل حدیث سے استدلال کرتا ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اس روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ اگر وسطِ صلوٰۃ (یعنی تشہد اول) میں ہوتے تو تشہد سے فراغت کے بعد کھڑے ہو جاتے اور اگر آخری تشہد میں ہوتے تو تشہد کے بعد دعاء مانگتے اور پھر سلام پھیرتے۔ اصل الفاظ یہ ہیں:

> قال ثم إن كان في وسط الصلوٰة نهض حين يفرغ من تشهده وإن كان في آخرها دعا بعد تشهده بما شاء الله ويدعو ثم يُسَلِّم.

(الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی: ج ۴، ص ۲، ۳)

علامہ ساعاتی (صاحب الفتح الربانی) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقد احتج به المالكية ومن وافقهم في القيام إلى الركعة الثالثة عقب التشهّد الأول يدل بدون ذكر الصلوة على النبيّ ﷺ فيه. (حوالۂ مذکور)

"اس حدیث سے مالکیہ اور ان کے ہم رائے دیگر ائمہ (احناف وغیرہ) نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ پہلے تشہد میں درود کے بغیر ہی تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہونا چاہئے۔"

یہ حدیث سنداً صحیح ہے۔ حافظ ہیثمیؒ نے اس کے بارے میں کہا ہے "رجاله موثقون" (اس کے رجال ثقہ ہیں)۔ (مجمع الزوائد: ج ۲، ص ۱۴۲)

نامور مصری محدث احمد شاکر مرحوم نے بھی اس حدیث کو سنداً صحیح قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو مسند احمد: ج ۶، ص ۱۴۸، ۱۷۸، بتحقیق احمد شاکر)

② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک اور روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

أن رسول الله ﷺ كان لا يزيد في الركعتين على التشهد.

"رسول اللہ ﷺ (پہلی) دو رکعتوں میں صرف تشہد پڑھتے تھے۔ اس پر زیادتی نہیں کرتے تھے۔" (ابویعلی: ج ۷، ص ۳۳۷)

حافظ ہیثمیؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

رواه أبويعلى من رواية أبي الحويرث عن عائشة، والظاهر أنه خالد بن الحويرث وهو ثقة وبقية رجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد: ج ۲، ص ۱۴۲)

گویا اس روایت کے راوی بھی ثقہ ہیں اور یوں یہ روایت بھی صحیح ہے۔

③ ایک روایت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے جس میں آتا ہے کہ نبی ﷺ پہلی دو رکعتوں میں اتنا (مختصر) جلوس فرماتے گویا کہ آپ ﷺ گرم

پتھر پر بیٹھے ہیں۔ (الفتح الربانی: ج۴، ص۱۷)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پہلے تشہد میں جلد ہی اٹھ جایا کرتے تھے، جس سے اسی امر کی تائید ہوتی ہے کہ پہلے تشہد میں آپ ﷺ صرف تشہد ہی پڑھتے ہوں گے، اس کے ساتھ درود شریف نہیں پڑھتے ہوں گے۔

مذکورہ روایات کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ پہلے تشہد میں صرف تشہد ہی پڑھنا چاہئے اس کے ساتھ درود شریف پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ آخر تشہد میں درود شریف پڑھنا ضروری ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص بھول کر پہلے تشہد میں بھی درود شریف پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے، نہ اسے سجدہ سہو کرنے کی ہی ضرورت ہے۔ جیسا کہ احناف کا ایک مسلک ہے کہ ان کے نزدیک پہلے تشہد میں درود شریف پڑھنے کی صورت میں سجدہ سہو کرنا ضروری ہے۔

آخری تشہد:

آخری تشہد میں دایاں پاؤں کھڑا رکھیں اور بایاں پاؤں دائیں طرف نکال کر کولہے پر بیٹھ جائیں۔ یا دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر بائیں کولہے پر بیٹھیں۔ آخری تشہد میں بیٹھنے کا یہ طریقہ حضرت ابوحُمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"إذا كانت السجدة التي فيها التسليم أخرج رجله اليسرى وقعد متوركا على شقه الأيسر ثم سلم". (مشکوۃ: ج۱، ص۷۶)

"پھر جب رسول اللہ ﷺ آخری رکعت پڑھ کر قعدہ اخیرہ کرتے تو اس طرح بیٹھتے کہ داہنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور بائیں پاؤں کو (اس کے نیچے سے) آگے کی جانب نکال دیتے۔ اور اپنی سرینوں پر بیٹھ جاتے (جس کو "تَوَرُّک" کہتے ہیں)۔"

یہ طریقہ بلاشبہ سنت ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی سنت

سے محبت ہے اس کو آخری قعدہ میں ”تورُّک“ کرنا چاہئے اور پہلے قعدہ میں بیٹھنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے اس کو اصطلاح میں اِفتِراش کہتے ہیں۔

درود شریف:

آخری قعدہ میں بیٹھ کر التحیات پڑھنے کے بعد یہ درود شریف پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ! صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا
اے اللہ! سلام ورحمت بھیج محمدؐ پر اور محمدؐ کی آل پر، جس طرح تو نے رحمت نازل
صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ
فرمائی ابراہیمؑ پر اور ابراہیمؑ کی آل پر، بلاشبہ تو اپنی ذات میں خوبیوں والا، بڑی
مَّجِیْدٌ○ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
شان والا ہے۔ اے اللہ! برکت نازل فرما محمدؐ پر اور محمدؐ کی آل پر، جس طرح تو نے
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ
برکت نازل فرمائی، ابراہیمؑ پر اور آلِ ابراہیمؑ پر۔ بلاشبہ تو اپنی ذات میں بڑی
حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○ (مشکوٰۃ: ص۸۶)
خوبیوں والا، بڑی شان والا ہے۔

حضرت کعب بن عُجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (جب قرآن پاک کی سورۂ احزاب میں وہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنے کا حکم ہے تو) ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آیت میں ہمیں دو چیزوں کا حکم ہے۔ (یعنی صلوٰۃ اور سلام) سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے۔ (یعنی ہم تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کہتے ہیں۔) صلوٰۃ کا طریقہ بھی بتا دیجئے، تو آپ ﷺ نے مذکورہ بالا درود بتلایا۔ (بخاری: ج۲، ص۷۰۸)

سورۂ احزاب اور کعب بن عُجرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں نماز یا غیر نماز کا

کوئی ذکر نہیں۔ لیکن ایک دوسرے صحابی حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مروی ہے اس کی بعض روایات میں سوال کے یہ الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں:

"كيف نصلي عليك إذا نحن صلينا عليك في صلوتنا".

(ابن خزیمہ: ج۱، ص۳۵۲)

"حضرت! ہم جب نماز میں آپ ﷺ پر درود پڑھیں تو کس طرح پڑھیں؟"

آخری تشہد کی دعائیں:

آخری تشہد میں درود شریف کے بعد مندرجہ ذیل دعاؤں میں سے جس قدر یاد ہوں پڑھ لیں:

① اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُ بِكَ
اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں عذاب جہنم سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں
مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ
عذابِ قبر سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے
وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، اَللّٰهُمَّ!
اور تیری پناہ چاہتا ہوں فتنۂ زندگی اور فتنۂ موت سے۔ اے اللہ!
اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ ○ (مشکوٰۃ: ص۸۷)
میں تیری پناہ چاہتا ہوں گناہوں اور قرض سے۔

یہ دعا جیسا کہ ظاہر ہے دنیا و آخرت کے آفات و مصائب اور ہر قسم کی بدبختیوں سے حفاظت کے لیے بڑی جامع ہے۔ اس میں سب سے پہلے جہنم اور عذابِ قبر سے پناہ مانگی گئی ہے جو شدید ترین اور ناقابلِ تصور عذاب اور

انسان کی سب سے بڑی بدبختی ہے۔ اس کے بعد دجال کے فتنۂ عظیم سے جو اس دنیا میں برپا ہونے والے فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ ہے جس میں ایمان کا سلامت رہنا بے حد مشکل ہے۔ اس کے بعد علی الاِطلاق زندگی اور موت کے سارے فتنوں اور ساری آزمائشوں سے جس میں ہر چھوٹی بڑی بلا ہے۔ قرض دار کی حالت بہت ناگفتہ بہ ہوتی ہے۔ قرضدار ذلت کی زندگی گزارتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب جنازہ پڑھنے کے لیے تشریف لے جاتے تو پہلے دریافت کرتے کہ ”میت مقروض تو نہیں ہے؟“ اگر جواب دیا جاتا ”نہیں“ تو آپ ﷺ جنازہ پڑھ لیتے اور اگر میت مقروض ہوتی تو آپ ﷺ جنازہ نہ پڑھتے اور فرماتے ”جاؤ! تم پڑھو۔“

ایک شخص نے پوچھا ”حضرت! آپ قرض سے اتنی پناہ کیوں مانگتے ہیں؟“ تو فرمایا کہ:

> ”جب آدمی قرض لیتا ہے تو جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، اور جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔“

یعنی قرضہ کئی گناہوں کا ارتکاب کرا دیتا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے قرض سے زیادہ پناہ مانگی۔

④ **اَللّٰهُمَّ! اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ**
اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اور تیرے سوا کوئی نہیں جو گناہوں کو
الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ
بخش دے۔ پس تو مجھے اپنی خصوصی بخشش سے بخش دے اور میرے حال پر رحم فرما۔
وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ (مشکوٰۃ: ص ۸۷)
بے شک تو بہت ہی بخشنے والا اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

۳ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَةَ
اے اللہ! میں نیک کاموں میں تجھ سے پختگی مانگتا ہوں اور بھلائی پر ثابت قدمی چاہتا
عَلَی الرُّشْدِ وَاَسْئَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ
ہوں، اور تیری نعمت کے شکر کا سائل ہوں، تیری بہترین عبادت کا خواہشمند ہوں،
وَاَسْئَلُكَ قَلْبًا سَلِیْمًا وَّلِسَانًا صَادِقًا وَّاَسْئَلُكَ
تجھ سے سلامتی والا دل اور سچی زبان مانگتا ہوں، تجھ سے وہ چیز مانگتا ہوں جو تیرے علم
مِنْ خَیْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ
میں میرے لیے بہتر ہے اور جو چیز تیرے علم میں میرے لیے بری ہے اس سے پناہ چاہتا ہوں،
وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ ○ (مشکوۃ: ص ۸۷)
نیز ان گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں جنہیں صرف تو ہی جانتا ہے۔

۴ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ
اے اللہ! میرے پہلے اور پچھلے، پوشیدہ اور ظاہر گناہ معاف فرما دے جو میں نے زیادتی
وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ، اَنْتَ
کی اور جو میں نے کمی کی، وہ بھی معاف فرما اور وہ بھی جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔
الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ○ (ابن حبان: ج ۵، ص ۲۹۷)
تو ہی لوگوں کو آگے کرنیوالا ہے اور تو ہی پیچھے کرنیوالا ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

۵ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا
اے میرے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنا دے، اے پروردگار! میری دعا
وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ○ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ
قبول فرما۔ اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سارے مسلمانوں کو

يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْعَافِيَةَ

اس روز جب کہ عملوں کا حساب ہونے لگے۔ اے اللہ! ہم تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت

وَالْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ○

اور معافی کا سوال کرتے ہیں۔

⑥ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے

وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔

تنبیہ: مذکورہ آخری تینوں دعاؤں کے متعلق احادیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ نماز کے آخر میں اور سلام سے پہلے پڑھی جائیں۔ لیکن بخاری شریف کی حدیث جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ”تشہد کے آخر میں نمازی کو جو دعا پسند ہو وہ پڑھ لے۔“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی جامع دعا پڑھی جا سکتی ہے۔ ①

⑦ سید الاستغفار:

حدیث میں استغفار کے ایک کلمہ کو رسول اللہ ﷺ نے ”سید الاستغفار“ بتایا ہے اور اس کی غیر معمولی فضیلت بیان فرمائی ہے اور بلاشبہ اپنے مضمون اور مفہوم کے لحاظ سے بھی وہ ایسا ہی کلمہ ہے۔

حضرت شدّاد بن اَوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

① صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ تشہد کے آخر میں نمازی کو جو دعا پسند ہو وہ پڑھے۔ یہ دعا بڑی جامع ہے اس میں اپنے لیے، اپنی اولاد کے لیے نماز کی پابندی اور ماں، باپ اور تمام مسلمانوں کی مغفرت کے لیے دعا مانگتا رہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی دعا ہے۔

"سید الاستغفار" (یعنی سب سے اعلیٰ استغفار) یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ، خَلَقْتَنِیْ

اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا فرمایا اور وجود بخشا،

وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ ○

میں تیرا بندہ ہوں اور جہاں تک مجھ عاجز وناتواں سے ہو سکے گا تیرے ساتھ کئے ہوئے عہد اور وعدے پر قائم رہوں گا،

اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ

تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے عمل وکردار کے شر سے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ تو نے مجھے نعمتوں سے نوازا

عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ،

اور اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تیری نافرمانیاں کیں اور گناہ کئے، میرے مالک ومولیٰ تو مجھے معاف کردے اور میرے گناہ بخش دے

فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ○ (مشکوٰۃ: ص۲۰۴)

تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں۔

⑧ اَللّٰھُمَّ اَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا

اے اللہ! خیر وبھلائی پر ہمارے دلوں کو جوڑ دے اور ہمارے باہمی تعلقات کو درست کر دے

وَاھْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ○

اور ہمیں سلامتی کی راہوں پر چلا اور ہمیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی فضا میں لا۔

وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ ○ وَبَارِكْ لَنَا

اور ظاہر وباطن کی ساری گندگیوں سے ہمیں بچا اور دور رکھ۔ اور ہمارے کانوں، ہماری آنکھوں،

فِیْ اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا ○

اور ہمارے دلوں اور ہماری بیویوں اور ہماری نسل میں برکت دے۔ اور ہم پر عنایت فرما تو

وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ وَاجْعَلْنَا

بڑا عنایت فرما اور مہربان ہے۔ اور ہمیں تو اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا اور شایانِ شان

شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا ○

طریقے پر ان کا استقبال کرنے والا بنا اور نعمتوں کا ہم پر اِتمام فرما۔ (ابوداود: ج۱ ص۱۴۶)

سجدۂ سہو کا بیان

بھول چوک انسانی مزاج کا لازمہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے بھی بھول واقع ہوئی ہے تاکہ وہ اس میں بھی امت کے لیے اُسوہ بن سکیں۔ جس طرح وہ طریقہ اختیار فرمائیں، اسی طرح امت بھی ان کی پیروی کرے۔

نماز میں بھی بھول جانے پر جو سجدے کیے جاتے ہیں، انہیں سجدۂ سہو کہتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”إنما أنا بشر أنسى كما تنسون فإذا نسيت فذكروني“.

(مسلم: ج۱، ص۲۱۲)

> ”میں بھی ایک انسان ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو، میں بھی بھول جاتا ہوں۔ لہٰذا جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دہانی کرا دیا کرو۔“

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اِحسان ہے کہ اس نے انبیاءؑ کے لیے بھول کے مواقع مہیا فرمائے تاکہ بھول اور اس کی تلافی میں امت کے لیے نمونے قائم فرمائیں۔ نماز میں اگر بھول ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ اس کی تلافی اور اصلاح کے لیے آخر میں سلام کے وقت دو سجدے کر لیے جائیں۔ یہ غلطی قضا کی ہوگی اور بھول کا کفارہ۔ رسول اللہ ﷺ سے چند مواقع میں بھول ہوئی، اسی

سے ائمۂ اسلام نے سجدۂ سہو کے مسائل کا استخراج فرمایا ہے۔

سجدۂ سہو کا وقت:

نماز کی آخری رکعت میں سجدۂ سہو کا سلام سے پہلے کرنا بھی جائز ہے اور بعد میں بھی۔ یہ دونوں چیزیں نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہیں۔ (مسلم: ج۱ ص۲۱۴)

سجدۂ سہو شیطان کے لیے رسوائی کا باعث ہے:

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ”جب تم میں سے کوئی شخص نماز مں بھول جائے اور یہ نہ جانے کہ اس نے تین رکعت نماز پڑھی یا چار۔ تو اسے چاہئے کہ اپنا شک دور کرے اور یقین حاصل کرے اور پھر سلام سے پہلے دو سجدے کرے۔ اس طرح اگر اس نے پانچ رکعت پڑھ لیں تو اس کی نماز شفع ہو جائے گی اور اگر چار پڑھیں تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی اور یہ دو سجدے شیطان کی ذلت کا باعث ہوں گے۔“ (مسلم: ج۱ ص۲۲۱)

نمازی کبھی بھول کر کوئی امر ترک یا زیادہ تو نہیں کرتا، لیکن شک پڑ جاتا ہے کہ میں نے کتنی رکعات پڑھی ہیں۔ تین یا چار۔ یا مثلاً یہ سجدہ دوسرا کیا ہے یا پہلا۔ تو ایسی صورت میں شک وتردد کو چھوڑ دینا چاہئے اور ایک بات پر جم جانا چاہئے۔

سجدۂ سہو کا طریقہ:

سجدۂ سہو اگر سلام سے پہلے ہو تو آخری رکعت میں تشہد، درود اور دعا کے بعد دو سجدے کرنے چاہئیں۔ اس طرح کہ سجدہ میں جاتے وقت اور اٹھتے وقت ”اللہ اکبر“ کہا جائے اور دونوں سجدوں کے بعد سلام پھیرا جائے۔ جیسا کہ محمد بن سیرینؒ کی حدیث سے ثابت ہے۔ (بخاری: ج۱ ص۱۶۴، مسلم: ج۱ ص۲۱۴)

سجدۂ سہو کی مختلف صورتیں:

رسول اکرم ﷺ کو تمام عمر نماز میں پانچ مرتبہ سہو ہوا۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے اور وہ اپنی قسم کے دیگر مواقع سہو کے لیے بمنزلہ اصول ہیں:

﴿۱﴾ نمازِ ظہر کے وقت آپ ﷺ سے پہلے تشہد رہ گیا تو آپ ﷺ نے آخری رکعت میں سلام سے قبل دو سجدے سہو کے کیے۔ اسی طرح کوئی دیگر واجب رہ جائے تو اس کا تدارک سجدۂ سہو سے ہے۔

﴿۲﴾ ایک دفعہ نماز عصر میں تین رکعت کے بعد آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا۔ توجہ دلانے پر آپ ﷺ نے چوتھی رکعت پوری کر کے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے سہو کے کیے۔ لہٰذا نمبر ۲، ۳، ۴ میں ہر وہ امر آ سکتا ہے جو سہواً رہ جائے۔ مثلاً رکوع یا سجود یا قراءت فاتحہ وغیرھا ارکان نماز۔

﴿۳﴾ اس نماز کا ذکر نہیں ہے، کوائف سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً عصر کی نماز ہو گی۔ آخری رکعت سے پہلے سلام پھیرنے کی صورت میں فراموش کردہ رکعت ادا کر کے سجدۂ سہو کا کرنا یا نہ کرنا کچھ بھی مذکور نہیں۔

﴿۴﴾ ظہر یا عصر کی نماز میں دوسری رکعت پر سلام پھیر دیا۔ تو باقی دو رکعات پوری کیں اور بعد از سلام دو سجدے سہو کے کیے اور سجدے کے وقت تکبیر کہی۔

﴿۵﴾ نمازِ ظہر چار رکعت کی بجائے پانچ رکعت پڑھی گئیں تو آپ ﷺ کو یاد کرانے پر دو سجدے سہو قبل از سلام آخر یا بعد از سلام اوّل کے کیے اور سلام پھیر دی۔ زیادت رکعت کے معنیٰ میں زیادت رکن بھی آ سکتا ہے۔ پس اگر سہواً دو رکوع یا تین سجدے ہو جائیں تو ان کا تدارک دو سجدۂ سہو سے ہے۔

سجدۂ سہو کے دیگر آداب ومسائل:

① عوام میں جو یہ دستور مروج ہے کہ تشہد میں کلمہ شہادت تک پڑھ کر ایک طرف سلام پھیرتے ہیں۔ پھر دو سجدے سہو کے کرتے ہیں اور پھر درود شریف اور دعا پڑھ کر سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوتے ہیں۔ یہ صورت احادیث میں وارد نہیں ہے۔

② سجدۂ سہو کے بعد دوسری دفعہ جو تشہد پڑھا جاتا ہے اس کی روایت محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

③ سجدۂ سہو کی تسبیحات واذکار وہی ہیں جو معمول کے سجدات نماز کے ہیں۔

④ اگر ایک نیت میں ایک سے زیادہ سہو ہو جائیں تو سب کے لیے وہی آخری دو سجدے ہوں گے نہ کہ ہر ایک کے لیے الگ الگ۔

⑤ سجدۂ سہو کے کرنے میں بھی سہو ہو جائے تو اس کی تلافی وتدارک بھی انہی دو سجدۂ سہو سے ہوگی۔ اس کے لیے الگ سجدے نہ کئے جائیں۔

⑥ نماز خواہ فرض ہو، خواہ سنت، خواہ نفل، سب کے سہو کا ایک ہی حکم ہے۔

⑦ امام کو اگر سہو ہو اور وہ سجدۂ سہو کرے تو مقتدیوں پر بھی امام کی موافقت کے لیے سجدۂ سہو واجب ہے اور اگر مقتدی کو سہو ہو جائے تو نہ امام پر سجدۂ سہو ہے، نہ اس مقتدی پر، نہ کسی اور پر۔

سلام پر نماز کا اختتام:

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح نماز کے افتتاح اور آغاز کے لیے کلمہ ”اللہ اکبر“ تعلیم فرمایا ہے جس سے بہتر کوئی دوسرا کلمہ افتتاحِ نماز کے لیے سوچا ہی نہیں جا سکتا۔ اسی طرح اختتام کے لیے ”السلام علیکم ورحمة الله“ تلقین فرمایا ہے اور بلاشبہ نماز کے خاتمہ کے لیے بھی اس سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "مفتاح الصلوٰۃ الطھور وتحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم". (ابوداود: ج۱، ص۱۰)
>
> "طہارت نماز کی کنجی ہے اور اس کی تحریمہ "اللہ اکبر" کہنا ہے اور نماز سے فارغ ہونے کا ذریعہ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہنا ہے۔"

سلام پھیرنے کا طریقہ:

سلام پھیرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دائیں طرف منہ پھیر کر "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہے اور پھر بائیں طرف منہ پھیر کر کہے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ"۔

حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابوداود میں آئی ہے اس میں سلام کے الفاظ کے آخر میں "وبرکاتہ" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ لہٰذا یہ الفاظ کہنا بھی درست ہے۔

دو طرف سلام پھیرنا: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> "میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود دیکھا تھا کہ آپ ﷺ سلام پھیرتے وقت دائیں جانب اور بائیں جانب رخ فرماتے اور چہرہ انور کو دائیں جانب اور بائیں جانب اتنا پھیرتے کہ ہم رخسار مبارک کی سفیدی دیکھ لیتے۔" (مسلم: ج۱، ص۲۱۶)

یہی بات الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ سنن اربعہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سلام دونوں طرف پھیرنا چاہئے۔ اس باب میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے کئی ایک احادیث مروی ہیں۔

علامہ عُقَیلی فرماتے ہیں کہ:

> ’’دونوں طرف سلام پھیرنے کی بہت سی صحیح احادیث ہیں، لیکن ایک طرف سلام پھیرنے کی ایک بھی حدیث صحیح نہیں ہے اور اس مسئلہ میں ائمہ کا قدرے اختلاف ہے۔ حضرت امام مالکؒ ایک ہی طرف سلام پھیرنے کے قائل ہیں۔ باقی تینوں امام اور جمہور علماء دو سلاموں کے قائل ہیں۔ اور یہی بات زیادہ صحیح ہے۔‘‘

نوٹ: نماز جنازہ بھی چونکہ نماز ہے۔ لہٰذا اس میں بھی دونوں طرف سلام پھیرنا زیادہ صحیح ہے۔ اگرچہ حرمین شریفین میں آج کل عمل اسکے خلاف ہے۔

سلام کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کرنا: حضرت سمرہ بن جُندُب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو ہماری طرف توجہ فرماتے۔ (بخاری: ج ۱ ص ۱۱۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام کو مقتدیوں کی طرف منہ کر لینا چاہئے۔ کیونکہ بلاوجہ لوگوں کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنا تہذیب کے خلاف ہے۔

امام کس طرف سے پھر کر بیٹھے؟ سلام کے بعد امام کے لیے دونوں طرف سے مقتدیوں کی طرف پھرنا جائز و درست ہے۔ خواہ دائیں طرف سے پھرے خواہ بائیں طرف سے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

> ’’تم میں سے کوئی بھی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بنا لے یعنی وہ خیال کرے کہ اسے ضرور دائیں طرف سے ہی پھرنا چاہئے۔ میں نے نبی ﷺ کو بار بار دیکھا آپ ﷺ بائیں طرف سے پھرتے تھے۔‘‘ (بخاری: ج ۱ ص ۱۱۸)

اسی حدیث کے پیش نظر علماء نے کہا ہے کہ جائز چیزوں کو جب ان کے

مرتبہ سے بڑھا دیا جائے، تو وہ مکروہ ہو جاتی ہیں۔ ① اسی طرح جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو یہ خوف معلوم ہوا کہ لوگ دائیں جانب منہ کرنے کو واجب نہ سمجھ لیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے مکروہ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا اور نبی اکرم ﷺ کا طرز عمل بیان کر دیا۔

سلام کے بعد اذکارِ مسنونہ

سلام کے بعد نبی اکرم ﷺ سے بہت سی دعائیں اور اذکار مروی ہیں۔ جن کا ورد نمازی کے لیے مسنون ہے۔ ذیل میں چند ایک ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

”میں نماز کا خاتمہ ”تکبیر“ کی آواز سے سمجھ لیتا۔ رسول اللہ ﷺ سلام کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے۔“ (بخاری: ج۱، ص۱۱۶)

ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہوتے تو نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں ذکر کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرتے تھے۔ اس کو ترمذی، ابن ماجہ کے سوا باقی جماعت نے روایت کیا ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین دفعہ استغفار فرماتے۔ پھر اس کے بعد یہ دعا پڑھتے:

---

① نماز میں ”بسم اللہ“ سری اور جہری دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ دونوں طرف احادیث موجود ہیں، اگرچہ افضل سری پڑھنا ہے۔ اب جو حضرات صرف جہری کو ہی ضروری سمجھتے ہیں اور سری پڑھنے والوں کو طعن و ملامت کرتے ہیں، یا بعض نمازی حضرات لقمہ دینا شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے پیش نظر یہ لوگ یقیناً ایسے ہیں جنہوں نے اپنی نماز میں شیطان کا حصہ رکھ لیا ہے۔ لہٰذا ایسے حضرات کو اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔

① اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ

اے اللہ! تو ہی سلامتی دینے والا ہے اور سلامتی کا ظہور تجھ سے ہوتا ہے، تو برتر

یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ○ (مشکوٰۃ: ص ۸۸)

بزرگ اور بڑا ہی بابرکت ہے۔

امام اَوزاعیؒ راوی حدیث سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح استغفار پڑھتے تھے، تو آپؒ نے کہا کہ فرماتے:

② اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ○

(مسلم: ج ۱، ص ۲۱۸، مشکوٰۃ: ص ۸۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ثوبان رضی اللہ عنہ کی احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ نماز سے فارغ ہونے، یعنی سلام پھیرنے کے فوراً بعد پہلے "اللہ اکبر" کہتے، پھر تین دفعہ استغفار کرتے۔ یہ دراصل کمال عبدیت ہے کہ نماز جیسی عبادت کے بعد بھی اپنے آپ کو قصور وار اور حقِ عبادت ادا کرنے سے قاصر و عاجز سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگی جائے۔

نوٹ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے جو چھوٹی سی دعا نقل کی ہے صحیح روایات میں وہ صرف اتنی ہی وارد ہوئی ہے، عوام میں اس دعا کے اندر "ومنك السلام" کے بعد جو یہ اضافہ مشہور ہے:

"وإليك يرجع السلام فحينا ربنا بالسلام وأدخلنا الجنة دار السلام".

محدثین نے تصریح کی ہے کہ یہ بعد کا اضافہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے۔

حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ سے فرمایا:

اے معاذ! مجھے تجھ سے محبت ہے۔ میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! مجھے بھی آپ سے محبت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم کسی نماز کے بعد ان کلمات کو ترک نہ کرنا۔ ہر نماز کے بعد یہ کلمات ضرور پڑھا کرو: ①

③ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ

اے اللہ! تو ہماری مدد فرما' اپنی یاد اور شکر کے لیے

وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ○ (مشکوٰۃ: ص ۸۸)

اور اپنی اچھی بندگی کے لیے۔

ابوزُبَیرؒ تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زُبَیر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ وہ اس منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

④ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ' لَهُ الْمُلْكُ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے اسکا کوئی شریک نہیں' اقتدار اسی کا حق ہے'

وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ○

حمد وستائش اسی کیلئے ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا نَعْبُدُ

گناہوں سے بچنے کی توفیق اور نیکی کرنیکی قوت سب اللہ کے ارادہ سے ہے' اسکے سوا کوئی معبود نہیں'

اِلَّآ اِيَّاهُ' اَهْلَ النِّعْمَةِ وَالْفَضْلِ

ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں' سب نعمتیں اسی کی ہیں اور فضل واحسان اسی کا ہے'

---

① مسند احمد میں یہی دعا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بصیغہ جمع آئی ہے۔ یعنی "اَللّٰهُمَّ أَعِنَّا عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ"۔

وَالثَّنَآءِ الْحَسَنِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ

اچھی تعریف بھی اسی کیلئے ہے' اسکے سوا کوئی معبود نہیں' ہم پورے اخلاص کے ساتھ اسکی بندگی کرتے ہیں'

وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ○ (مشکوٰۃ: ص ۸۸)

اگرچہ منکروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

حضرت مُغیرہ بن شُعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد ذکر کیا کرتے تھے:

۵ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ'

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ اکیلا اور یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں

لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے اور وہی حمد وستائش کا مستحق ہے اور ہر چیز پر اسکی قدرت ہے۔

اَللّٰهُمَّ! لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ

اے اللہ! جو کچھ تو کسی کو دے کوئی اسے روکنے والا نہیں' اور کوئی دے سکنے والا نہیں

لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ ○ (مشکوٰۃ: ص ۸۸)

جس چیز کے نہ دینے کا تو فیصلہ کرے۔ اور کسی سرمائے دار کو اسکا سرمایہ تجھ سے مستغنی نہیں کرسکتا۔

حضرت عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ نے مجھے ہر نماز کے بعد قرآن پاک کی آخری دو سورتیں پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ یعنی ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾۔ (نسائی: ج ۱' ص ۱۵۷)

آیت الکرسی:

۶ حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا ہے' اس شخص اور

جنت میں صرف موت ہی حائل ہے' یعنی فوت ہوتے ہی جنت میں چلا جائے گا۔" (عمل الیومِ واللیلۃ' للنسائی: ص۱۸۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"جو شخص فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے وہ دوسری نماز تک اللہ کی حفاظت میں ہوتا ہے۔" (فقہ السنہ: ج۱' ص۱۷۷)

⑧ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"جو بندہ ہر نماز کے بعد "سُبْحَانَ اللّٰهِ" ۳۳ بار' "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" ۳۳ بار' اور "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" ۳۳ بار پڑھے یہ سب ۹۹ کلمات ہو گئے اور اس کے بعد سو کی گنتی پوری کرنے کے لیے ایک دفعہ کہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ
اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ یکتا و یگانہ ہے اسکا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہت
الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ (مشکوٰۃ: ص۸۹)
ہے وہی قابل تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تو اس کی سب خطائیں معاف کر دی جائیں گی اگرچہ وہ اپنی کثرت میں سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔"

ملاحظہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں تینوں کلموں کا عدد ۳۳' ۳۳ بتلایا گیا ہے۔ اور سو کی گنتی پوری کرنے کے لیے ایک دفعہ کلمہ توحید "لا الله الا الله وحده لا شريك له......الخ" پڑھنے کے لیے فرمایا گیا ہے۔ لیکن کعب ابن عُجرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات میں "سُبْحَانَ اللّٰهِ" اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" ۳۳' ۳۳ دفعہ اور سو کی گنتی پوری کرنے کے لیے "الله اكبر" ۳۴ دفعہ پڑھنے کی ترغیب و تعلیم بھی وارد ہوئی ہے۔

دونوں طریقے صحیح اور ثابت ہیں' نیز یہی تین کلمے اسی تعداد میں سونے

کے وقت پڑھنے بھی رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائے ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو تعوّذ کے مندرجہ ذیل کلمات اسی طرح سکھایا کرتے تھے' جیسے معلم بچوں کو کتابت سکھاتا ہے' (یعنی نہایت محنت اور کوشش سے) اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔

⑨ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ
اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بخل و کنجوسی سے' اور تیری پناہ چاہتا ہوں
مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ
بزدلی سے۔ اور تیری پناہ چاہتا ہوں نکمی عمر سے
وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَاَعُوْذُ بِكَ
اور تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنوں سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں
مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ○ (ابن حبان: ج۵' ص۳۷۱)
قبر کے عذاب سے۔

ابوداود میں ہے کہ نبی ﷺ نماز کے بعد یہ کلمات کہتے تھے:

⑩ اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَدَنِیْ اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ سَمْعِیْ
اے اللہ! میرے جسم کو تندرست رکھ۔ اے اللہ میرے کانوں کو درست رکھ۔
اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَصَرِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ
اے اللہ! میری آنکھ کو تندرست رکھ۔ اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں
الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ' اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ
کفر اور فقر سے' اے اللہ! میں عذابِ قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ○ (ابن حبان: ج ۲، ص ۳۴۷)

تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

ابوحاتم نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے:

﴿۱۱﴾ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيَ الَّذِيْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِيْ

اے اللہ! میرا دین سنوار دے، جو میرے ہر کام کا پشت پناہ ہے

وَاَصْلِحْ دُنْيَايَ الَّتِيْ جُعِلَتْ فِيْهَا مَعَاشِيْ ○

اور میری دنیا سدھار دے، جس میں میری معاش مقرر کی گئی ہے۔

اَللّٰهُمَّ! اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ

اے اللہ! میں تیری رضا کی تیرے غصہ سے پناہ لیتا ہوں، اور میں پناہ لیتا ہوں

بِعَفْوِكَ مِنْ نِقْمَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ، لَا مَانِعَ

تیری عافیت کی تیری سزا سے اور میں پناہ لیتا ہوں تجھ سے۔ کوئی منع کرنے والا نہیں

لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ

جو چیز تو عطا کرنیوالا ہے۔ اور جس چیز کو تو نہ دے اس کا کوئی دینے والا نہیں۔

وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ ○ (ابن حبان: ج ۵، ص ۳۷۳)

اور (قہر) سے دولتمند کو اس کی دولتمندی کبھی نفع نہیں دیتی۔

نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے:

حضرت ابواُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: حضرت! کونسی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ یعنی کس وقت کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”آخری رات کے درمیان (یعنی رات کے آخری حصے میں تہجد کے وقت) اور فرض نمازوں کے بعد۔“ (ترمذی: ج۲، ص۱۸۷)

ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا:

ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”اللہ سے اس طرح ہاتھ اٹھا کر مانگا کرو کہ ہتھیلیوں کا رخ سامنے ہو۔ ہاتھ الٹے کر کے نہ مانگا کرو اور جب دعا کر چکو تو اٹھے ہوئے ہاتھ چہرے پر پھیر لو۔“ (ابوداود: ج۱، ص۲۱۶)

نوٹ: یہ روایت سنداً کمزور ہے۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپ ﷺ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے، تو آخر میں اپنے ہاتھ چہرہ مبارک پر پھیر لیتے تھے۔ (ابوداود: ج۱، ص۲۱۶، ترمذی: ج۲، ص۱۷۶)

ان احادیث کے علاوہ کئی اور احادیث میں بھی دعا میں ہاتھ اٹھانا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، چنانچہ امام نوویؒ نے شرح مہذب میں تقریباً ۳۰ احادیث اس کے متعلق ذکر کی ہیں۔

امام اور مقتدیوں کا اجتماعی رنگ میں دعا کرنا:

سلام کے بعد ذکر و دعا کے بارے میں جو احادیث اوپر مذکور ہوئی ہیں ان سے یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ نماز کے خاتمہ پر یعنی سلام کے بعد ذکر و دعا رسول اللہ ﷺ سے عملاً بھی ثابت ہے اور تعلیماً بھی۔ اور اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے، لیکن یہ جو رواج ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد دعا میں بھی مقتدی نماز ہی کی طرح امام کے پابند رہتے ہیں۔ جب تک امام ہاتھ اٹھا کر دعا نہ کرے اس وقت تک انتظار میں بیٹھے ہوئے امام کا منہ تکتے رہتے ہیں اور یہ

سمجھتے ہیں کہ ہاتھ اٹھا کر امام کے ساتھ دعا نہ مانگے تو نماز ادھوری ہے۔ یہ بالکل غلط اور بے اصل بات ہے' بلکہ قابل اصلاح ہے۔ امامت اور اقتداء کا رابطہ سلام پھیرنے پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے سلام کے بعد دعا میں امام کی اقتداء اور پابندی ضروری نہیں۔ اگر کوئی ضروری سمجھے تو بدعت ہے۔ امام اور مقتدیوں کا نماز کے بعد اجتماعی طور پر دعا کرنا نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے۔

نمازِ باجماعت کا بیان

جماعت کی تاکید وفضیلت:

قرآن وسنت میں نماز باجماعت کی جو تاکید وفضیلت آئی ہے اس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ فرض نماز تو جماعت ہی سے پڑھنے کے لیے ہے۔ اور اسلامی سوسائٹی میں جماعت کے بغیر فرض نماز پڑھنے کا تصور ہی نہ ہونا چاہیے۔ الّا یہ کہ واقعی کوئی معذوری ہو۔ قرآن مجید میں ہدایت ہے کہ:

﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ...... ﴿٤٣﴾﴾ (البقرة)

"اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔"

مفسرین کرام نے اس آیت سے بالعموم یہ استدلال کیا ہے کہ نماز جماعت سے ادا کرنا فرض ہے۔ (ابن کثیر: ج ۱' ص ۲۴۷)

دین میں نماز باجماعت کی غیر معمولی اہمیت:

دین میں نماز باجماعت کی غیر معمولی اہمیت اور تاکید کا اندازہ اس سے کیجئے کہ میدانِ جنگ میں جب دشمن سے ہر لمحہ خونریز تصادم کا اندیشہ وخدشہ ہو اس وقت بھی یہ تاکید ہے کہ نماز الگ الگ نہ پڑھی جائے' بلکہ جماعت کے

ساتھ ادا کی جائے۔ اور پھر قرآنِ مجید نے نہ صرف یہ ہدایت کی ہے بلکہ اس کا طریقہ بھی بیان کیا ہے۔

نیز جماعت کی تاکید وفضیلت اور برکت سے متعلق نبی ﷺ نے بہت کچھ فرمایا ہے۔ اس کی اہمیت اور برکات کا تذکرہ کر کے آپ ﷺ نے اس کی ترغیب بھی دی ہے اور اس کے ترک کرنے پر لرزہ خیز وعیدیں بھی سنائی ہیں۔

ترکِ جماعت گمراہی اور منافقت ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

> ”ہم نے آپ ﷺ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ نماز با جماعت میں شریک نہ ہونے والا یا تو بس کوئی منافق ہوتا تھا جس کی منافقت کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ عام طور سے لوگوں کو اس کی منافقت کا علم ہوتا تھا یا کوئی بیچارہ مریض ہوتا تھا اور بعض مریض بھی دو آدمیوں کے سہارے چل کر آتے اور جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ”سنن ھدیٰ“ کی تعلیم دی ہے۔“ (یعنی دین وشریعت کی ایسی باتیں بتلائی ہیں جن سے ہماری ہدایت وسعادت وابستہ ہے۔)

اور انہی ”سُنَنِ ھُدیٰ“ میں سے ایسی مسجد جہاں اذان دی جاتی ہو جماعت سے نماز ادا کرنا بھی ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا ارشاد اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

> ”اے مسلمانو! اللہ نے تمہارے نبی (ﷺ) کے لیے ”سُنَنِ ھُدیٰ“ مقرر فرمائی ہیں۔ اور یہ پانچوں نمازیں جماعت سے مسجد میں ادا کرنا، انہی ”سُنَنِ ھُدیٰ“ میں سے ہے اور اگر

اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے۔ جیسا کہ یہ آدمی جماعت سے الگ اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے' (یہ اس زمانہ کے کسی خاص شخص کی طرف اشارہ تھا) تو تم اپنے پیغمبر علیہ السلام کا طریقہ چھوڑ دو گے اور جب تم اپنے پیغمبر علیہ السلام کا طریقہ چھوڑ دو گے تو یقین جانو کہ تم راہِ ہدایت سے ہٹ جاؤ گے اور گمراہی کے غار میں جا گرو گے۔'' (مسلم: ج۱' ص۲۳۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے اس پورے بیان سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جماعت کی حیثیت ان کے اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک دینی فرائض کی ہے اور امت کے اس اولین دور میں جو مثالی اور معیاری دور تھا منافقوں اور مجبور مریضوں کے علاوہ ہر مسلمان جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ضروری سمجھتا تھا' بلکہ بعض صاحبِ عزیمت تو بیماری کی حالت میں بھی دوسروں کے سہارے آ کر جماعت میں شرکت کرتے تھے۔

تارکِ جماعت لوگوں کے گھروں کو جلانے کا ارادہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''منافقوں پر کوئی نماز' فجر اور عشاء سے زیادہ شاق نہیں ہے اور اگر انہیں معلوم ہوتا کہ ان دونوں نمازوں کا کیا اجر وثواب ہے تو وہ ان نمازوں کے لیے ہر حال میں حاضر ہوتے۔ چاہے انہیں گھٹنوں کے بل گھسٹ کر آنا پڑتا۔'' (اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ) ''میرا جی چاہتا ہے کہ کسی مؤذن کو حکم دوں کہ وہ جماعت کے لیے اقامت کہے اور کسی کو حکم دوں کہ وہ میری جگہ امامت کرے اور میں خود آگ کے شعلے لے کر ان کے گھروں میں آگ لگا دوں اور ان لوگوں کو جلا ڈالوں جو اذان

سننے کے بعد بھی گھروں سے نہیں نکلتے۔''

(بخاری: ج۱' ص۹۰' مسلم: ج۱' ص۲۳۲)

اللہ اکبر! بھائیو! غور کرو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان لوگوں کے حق میں جو آپ ﷺ کے زمانہ میں جماعت میں حاضر نہ ہوتے تھے۔ کتنی سخت وعید اور کیسے جلال وغضب اور غصہ کا اظہار ہے اسی بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ایک لرزہ خیز ارشاد حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ صاف وصریح الفاظ میں مروی ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں:

> ''لوگوں کو چاہئے کہ وہ جماعت ترک کرنے سے باز آجائیں' نہیں تو میں ان کے گھروں کو آگ لگوادوں گا۔''

(ابن ماجہ: ج۱' ص۵۸)

تارکِ جماعت پر شیطان کا غلبہ وتسلُّط:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

> ''کسی بستی یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور وہ نماز باجماعت نہ پڑھتے ہوں تو ان پر یقیناً شیطان غالب ہو جاتا ہے' لہٰذا تم جماعت کی پابندی کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ کیونکہ بھیڑیا ایسی بھیڑ کو لقمہ بناتا ہے جو گلہ سے الگ' دور رہتی ہے۔''

(ابوداود: ج۱' ص۸۸)

بغیر عذر کے تارکِ جماعت کی نماز نہیں ہوتی:

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

> ''جو شخص اذان سننے کے بعد جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے نہ آئے اور اس کو کوئی عذر نہ ہو تو اس کی وہ نماز قبول نہیں' جو اس نے تنہا پڑھی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: عذر سے کیا مراد ہے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جان ومال کا خوف یا بیماری۔"

(ابوداود: ج۱، ص ۸۸)

مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ کا نماز باجماعت کا اہتمام:

حضرت اسودؒ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھے کہ نماز کی پابندی اور فضیلت کا تذکرہ چھڑا۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کے مرض الموت کا واقعہ بیان فرمایا کہ:

> "ایک دن نماز کا وقت ہوا، تو اذان ہوئی۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ "ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ نماز پڑھائیں۔" ہم نے کہا: ابوبکرؓ بہت ہی نرم دل آدمی ہیں، آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو خود کو سنبھال نہ سکیں گے اور نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ آپ ﷺ نے پھر حکم دیا کہ: "ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔" ہم لوگوں نے پھر وہی جواب دیا، تو فرمایا: "تم تو مجھ سے ویسی بحث کر رہی ہو جیسی یوسف علیہ السلام سے خواتین مصر کر رہی تھیں۔" ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔ خیر! نماز پڑھانے کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھ گئے۔ اس دوران نبی ﷺ کو کچھ افاقہ محسوس ہوا، تو آپ ﷺ دو آدمیوں کے سہارے مسجد کی طرف چلے۔ میری نگاہ میں اب تک وہ پورا نقشہ موجود ومحفوظ ہے کہ نبی ﷺ کے قدم مبارک زمین پر گھسٹتے ہوئے جا رہے تھے۔ (یعنی پاؤں میں اتنی سکت نہ تھی کہ زمین سے پاؤں اٹھا سکیں اور جما سکیں) مسجد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز شروع کر چکے تھے، انہوں نے چاہا کہ پیچھے ہٹ آئیں، مگر نبی ﷺ نے منع فرمایا اور انہی سے نماز پڑھوائی۔" (بخاری: ج۱، ص ۹۱)

بھائیو! غور کرو، اذان کی آواز سن کر مسجد میں جا کر جماعت سے نماز ادا کرنا کس قدر اشد ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باوجود شدتِ مرض اور سخت تکلیف کے بھی مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا فرمائی۔ اور ہم نام لیوا مسلمان ایسے ہیں، یا تو سرے سے نماز پڑھتے ہی نہیں۔ اگر پڑھتے ہیں تو مسجد اور جماعت کا اہتمام نہیں کرتے۔ اللہ ہماری حالت پر رحم فرمائے۔

دربارِ رسالت سے نابینے کو ترکِ جماعت کی ممانعت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک نابینا آدمی آیا اور کہنے لگا حضور! مجھے گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے اسے گھر نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔ جب (نابینا) واپس جانے لگا تو آپ ﷺ نے اسے آواز دی اور پوچھا: ''کیا تو اذان سنتا ہے؟'' کہنے لگا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر تجھے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ مسجد میں (باجماعت نماز) ضروری ہے۔'' (مشکوٰۃ: ج۱، ص۵۹)

اللہ، اللہ! نماز باجماعت کی کس قدر تاکید ہے۔ باوجود نابینا ہونے کے اسے جماعت چھوڑنے کی اجازت نہیں ملی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ نابینا آدمی نے کہا: ''یا رسول اللہ! میرے راستے میں پانی کا نالہ آتا ہے۔'' لیکن پھر بھی اسے ہر حال میں مسجد میں آنے کا حکم فرمایا۔

باجماعت نماز سے درجوں میں اِضافہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''باجماعت نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔'' (بخاری: ج۱، ص۸۹)

اس مضمون کی ایک حدیث میں پچیس درجے فضیلت بھی بیان کی گئی ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:

”ستائیس اور پچیس کا فرق سری اور جہری نمازوں کا فرق ہے' جہری میں ستائیس درجہ اور سری میں پچیس درجہ۔“
(فتح الباری: ج۲' ص۱۳۲)

نماز باجماعت سے تہجد کا ثواب:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص عشاء کی نماز باجماعت ادا کرے اس کو آدھی رات تک کی عبادت کا اجر وثواب دیا جائے گا۔ اور جو شخص فجر کی نماز باجماعت ادا کرے گا اس کو پوری رات کی عبادت کا اجر وثواب دیا جائے گا۔“ (ترمذی: ج۱' ص۵۳)

دوزخ اور نفاق سے نجات کے دو پروانے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص چالیس دن تک ہر نماز پابندی سے باجماعت اس طرح ادا کرے کہ اس کی تکبیر اُولیٰ فوت نہ ہو تو اس کے لیے دو براءتوں کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے' (یعنی دو چیزوں سے اس کی حفاظت اور نجات کا اللہ تعالیٰ فیصلہ صادر فرما دیتے ہیں۔) ایک تو جہنم کی آگ سے براءت ونجات' اور دوسرے نفاق سے براءت وحفاظت۔“ (ترمذی: ج۱' ص۵۶)

جماعت کی نیت پر جماعت کا پورا ثواب:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا' پھر وہ جماعت کے ارادے سے مسجد کی طرف گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ لوگ جماعت سے نماز پڑھ چکے ہیں اور جماعت ہو چکی ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو بھی ان لوگوں کے برابر ثواب دے گا جو

جماعت میں شریک ہوئے اور جنہوں نے جماعت سے نماز ادا کی۔ اور یہ چیز ان لوگوں کے اجر وثواب میں کمی کا باعث نہیں ہوتی۔" (ابوداود: ج۱، ص۹۰)

یعنی جو شخص نماز باجماعت کی پابندی کرتا ہے اور اس کے لیے اہتمام کرتا ہے اس کو اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آ جائے جس میں اس کی کسی دانستہ کوتاہی یا غفلت ولاپرواہی کا دخل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی اس نیت واہتمام کی وجہ سے اس کو جماعت والی نماز کا پورا ثواب عطا فرمائیں گے۔

مسجد اور جماعت کی پابندی کس وقت ضروری نہیں:

حدیث کے مطابق مندرجہ ذیل اَعذار (عذروں) کی وجہ سے مسجد وجماعت میں حاضری ضروری نہیں رہتی۔

① جب بھوک ہو اور کھانے کا تقاضا ہو، کھانا سامنے رکھ دیا گیا ہو، تو پہلے کھانا کھائے، پھر اطمینان سے نماز پڑھے۔ (مشکوٰۃ: ج۱، ص۵۹)

② ایسی حالت میں جب آدمی کو پاخانے یا پیشاب کا تقاضا ہو۔ (ترمذی: ج۱، ص۳۶)

③ جب غیر معمولی اور خطرناک قسم کی سردی اور بارش ہوتی تو آپ ﷺ مؤذن کو حکم فرما دیتے کہ وہ یہ بھی اعلان کر دے، کہ: "آپ لوگ اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھ لیں۔" (مشکوٰۃ: ج۱، ص۵۹)

عورت کا مسجد میں جانا:

عورتوں کے لیے گھروں میں نماز پڑھنا بہتر ہے۔ یہاں تک کہ گھر کے اندر کی نماز صحن کی نماز پر فضیلت رکھتی ہے۔ لیکن اگر عورت مردوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجد میں آنا چاہے تو آ سکتی ہے۔ خاوند کو روکنا نہیں چاہیے۔ مگر عورت خوشبو وغیرہ لگا کر مسجد میں نہ آئے۔ خوشبو لگا کر آنے والی کو نبی اکرم ﷺ نے "زانیہ" فرمایا ہے۔ (مشکوٰۃ: ج۱، ص۹۶)

صف بندی کے مسائل کا بیان

جماعت میں صفوں کو سیدھا اور برابر رکھنے کا انتہائی اہتمام کرنا چاہئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی یہ ہدایت نقل فرماتے ہیں کہ:

> ”لوگو! نماز میں صفوں کو برابر کیا کرو۔ اس لیے کہ صفوں کو سیدھا اور برابر رکھنا اچھی طرح نماز پڑھنے کا جزو ہے۔“ (بخاری: ج ۱ ص ۱۱۰)

صف کو برابر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہونے والے ایک ہی طرف کھڑے نہ ہوتے جائیں، بلکہ امام کی دونوں جانب برابر کھڑے ہوں اور درمیان میں فاصلہ بالکل نہ ہو۔ مل کر کھڑے ہوں۔ کوئی آدمی آگے پیچھے نہ ہو اور اِقامتِ صلوٰۃ (جس کا قرآن میں جا بجا حکم دیا گیا ہے۔) یہ ہے کہ اس کے ارکان میں تعدیل ہو اور اس کے فرائض وواجبات اور سنن کا خیال رکھا جائے۔

صفیں درست رکھو ورنہ دلوں میں کدورت پیدا ہوگی:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہماری صفوں کو اس طرح سیدھا کرتے، گویا آپ ﷺ اس کے ذریعہ تیروں کو سیدھا کریں گے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ ہم آپ ﷺ کی یہ بات بخوبی سمجھ چکے ہیں۔ پھر ایک دن آپ ﷺ باہر آئے اور نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے اور تکبیر کہنا چاہتے تھے کہ ایک شخص پر آپ ﷺ کی نگاہ پڑی کہ اس کا سینہ صف سے کچھ آگے کو نکلا ہوا ہے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ”اے اللہ کے بندو! اپنی صفوں کو سیدھا اور برابر کرلیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی پاداشِ میں اللہ تعالیٰ تمہارے رخ ایک دوسرے کے خلاف کردے۔“ (مسلم: ج ۱ ص ۱۸۲)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صفوں کے برابر کرنے میں پورا اہمام کرنا چاہیے ورنہ دلوں میں عداوت، نفرت، اور بغض پیدا ہوگا۔

صف درست نہ رکھنے والے کو کوڑوں کی سزا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آدمی کو کوڑے سے مارتے تھے، جو صف میں ٹھیک طور پر کھڑا نہ ہوتا تھا۔ (العذب المنہل المورود: ج۵، ص۵۲)

رسول اللہ ﷺ صفوں کی درستی کا خیال رکھتے تھے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ تکبیر تحریمہ کہنے سے قبل دونوں طرف منہ کر کے فرماتے ''خالی جگہ نہ چھوڑو۔ آپس میں مل جاؤ۔ جب سب مل جاتے تب تکبیر تحریمہ کہتے۔'' (مشکوٰۃ: ج۱، ص۹۸)

الغرض صفوں کو درست رکھنا چاہیے۔ حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ''صفوں کو ٹھیک کرنا واجب ہے۔'' ابن بطالؒ نے بخاری شریف کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے صفوں کے درست کرنے کو سنت کہا ہے اور باقی جُمہور علماء نے اس کو سنت مؤکدہ شمار کیا ہے۔

صفوں میں مل کر کھڑے ہونے کا حکم:

بعض نادان اور کم علم صفوں میں مل کر کھڑے ہونے سے اس قدر نفرت کرتے ہیں کہ اگر کوئی مُحبِّ سنت ساتھ ملنے اور پیر ملانے کی کوشش کرے، تو بدکے ہوئے گدھے کی طرح دور بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں، یا غصے میں آ کر پاؤں کے اوپر زور سے پاؤں مار دیتے ہیں۔ حالانکہ نماز، مسلم قوم کے اتحاد، یگانگت، مساوات اور برابری کا زندہ و تابندہ نشان ہے جب اس کی صف بندی کی ایسی کیفیت و حالت ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہونا گوارا نہیں تو ایسی قوم میدانِ کارزار میں کب اتحاد و تنظیم کا مظاہرہ کرے گی۔ ذیل میں صفوں میں مل کر کھڑے ہونے کے متعلق چند ایک احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

متفرق صف میں شیطان کا داخلہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''اپنی صفوں کو خوب ملاؤ۔ انہیں قریب بناؤ اور گردنوں کو برابر رکھو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ بکری کے بچے کی طرح صفوں میں داخل ہوتا ہے۔'' (ابوداود: ج ۱ ص ۱۰۴)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صف ایسی ہونی چاہیے جیسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے، درمیان میں کوئی شگاف نہیں رہنا چاہیے۔

صف میں خالی جگہ رکھنے والے پر رسول اللہ ﷺ کی بددعا:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ''صفوں کو برابر کرو اور کندھے سے کندھا ملاؤ اور خالی جگہ کو بند کرو۔ شیطان کے لیے جگہ مت چھوڑو، جو شخص صف کو جوڑے اللہ اسے جوڑے اور جو صف کو کاٹے، اللہ اسے کاٹے۔''

(ابوداود: ج ۱ ص ۱۰۴)

صف میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کھڑے ہونے کا طریقہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب نماز میں کھڑے ہوتے، تو کندھوں سے کندھے ٹخنوں سے ٹخنے اور ایڑیوں سے ایڑیاں ملا کر کھڑے ہوتے تھے۔ نُعمان بن بَشِیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

> ''میں نے دیکھا کہ صف میں ایک آدمی ہم سے اپنا ٹخنہ دوسرے کے ٹخنے سے ملا کر کھڑا ہوتا تھا۔'' (صحیح بخاری: ج ۱ ص ۱۰۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> ''كان أحدنا يُلْزِقُ منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه''.

(صحیح بخاری: ج ۱ ص ۱۰۰)

> "ہم سے ہر شخص یہ کرتا کہ صف میں اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا قدم اس کے قدم سے ملا دیتا۔"

صف میں خالی جگہ پُر کرنے پر ثواب:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "اٹھا ہوا کوئی بھی قدم اس سے بڑھ کر اجر وثواب والا نہیں ہو سکتا کہ آدمی صف میں خالی جگہ دیکھے اور (دوسرے کے ساتھ مل کر) اس کو پُر کر دے۔" (فقہ السنہ: ج ۱، ص ۲۴۵)

یعنی نماز پڑھتے ہوئے اگر دو آدمیوں میں کچھ فاصلہ ہو جائے اور صف میں کچھ سوراخ ہو جائے، تو آدمی فوراً دوسرے کی طرف قدم اٹھا کر اس خالی جگہ کو پُر کر دے، تو اس کا یہ قدم اٹھانا بہت بڑے اجر وثواب کا کام ہے۔

صفوں کی ترتیب:

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا (حال) بیان کروں؟ پھر بیان کیا کہ:

> آپ ﷺ نے نماز قائم فرمائی۔ پہلے مردوں نے صفیں بنائیں، اس کے بعد لڑکوں نے صفیں بنائیں، پھر ان کو نماز پڑھائی۔ اس کے بعد فرمایا: "میری امت کی نماز کا یہی طریقہ ہے۔"

(ابوداود: ج ۱، ص ۱۰۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحیح اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب سے آگے مردوں کی صفیں ہوں اور ان کے پیچھے بچوں کی اور ان کے پیچھے عورتوں کی۔ بچوں کی علیحدہ صف اس وقت ہوگی جب کہ وہ دو یا دو سے زیادہ ہوں اور اگر ایک ہی ہو تو وہ مردوں کے ساتھ کھڑا ہوگا۔

عقلمند اور علم والے امام کے قرب کھڑے ہوں: حضرت ابومسعود

انصاری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں ہمیں برابر کرنے کے لیے ہمارے کندھوں پر ہاتھ رکھتے اور فرماتے:

> "برابر ہو جاؤ اور مختلف نہ ہو۔ ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے۔ تم میں سے جو دانش مند اور سمجھ دار ہوں وہ میرے قریب کھڑے ہوں اور ان کے بعد وہ لوگ جو ان سے ملتے جلتے ہوں' پھر جو ان سے ملتے جلتے ہوں۔" (مسلم: ج۱' ص۱۸۱)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امام کے قریب عقل مند اور علم والے کھڑے ہونے چاہئیں۔ ایک تو اس میں علم والوں اور عقلمندوں کی عزت افزائی ہے اور بعض اوقات امام کا وضو ٹوٹ جاتا ہے' تو ضرورت ہوتی ہے کہ کسی کو پیچھے سے آگے امام بنا کر کھڑا کر دیا جائے۔ اگر امام کے پیچھے جاہل آدمی ہوگا' تو پھر یہ کام کیسے چلے گا۔ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ اہل علم اچھی طرح نماز کے مسائل معلوم کر لیں اور اس کے بعد لوگوں کو بتا سکیں۔ چنانچہ ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے کہ:

> "رسول اللہ ﷺ پسند کرتے تھے کہ مہاجر اور انصار آپ ﷺ کے قریب رہیں۔ تا کہ آپ ﷺ سے مسائل معلوم کر سکیں۔"

(ج۱' ص۷۰)

پہلے اگلی صفیں مکمل کی جائیں: حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "لوگو! پہلے اگلی صف پوری کیا کرو' پھر اس کے قریب والی' تا کہ جو کمی رہے وہ آخری صف ہی میں رہے۔" (ابوداود: ج۱' ص۱۰۵)

یعنی لوگوں کو چاہئے کہ آگے والی صف پوری کریں جب صف مکمل ہو جائے تو اس کے پیچھے والی صف میں کھڑے ہوں۔ اور جب تک اگلی صف میں

جگہ باقی رہے، پیچھے کھڑے نہ ہوں۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے اور فرمایا:

> ”تم اس طرح صفیں کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس صفیں بناتے ہیں۔“ ہم نے کہا اے اللہ کے رسول! فرشتے اللہ کے پاس کس طرح صف بناتے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ”پہلے اگلی صف کو پورا کرتے اور (اس کو) چونہ گچ کرتے ہیں۔“ (مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۹۸)

صفِ اول کی فضیلت کا بیان:

پہلی صف میں کھڑے ہونے والے کے لیے فرشتوں کی دعائے رحمت:

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت بھیجتے ہیں۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ رسول اللہؐ! اور دوسری کے لیے بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پہلی پر۔“ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، تو دوسری کے لیے بھی؟ تو آپ ﷺ نے پھر پہلی بات دہرادی۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، تو تیسری مرتبہ بھی آپ ﷺ نے وہی بات دہرائی۔ پھر چوتھی مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عرض پر فرمایا: ”اور دوسری صف والوں کے لیے بھی۔“ (مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۹۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور فرشتوں کی دعائے رحمت کے خصوصی مستحق اگلی صف والے ہی ہوتے ہیں۔ دوسری صف والے بھی اگرچہ اس سعادت میں شریک ہیں، لیکن بہت پیچھے اس لیے اللہ کی رحمت کے طالب کو چاہیے کہ وہ حتی الوسع پہلی ہی صف میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ جس کا ذریعہ یہی ہوسکتا ہے مسجد میں اول وقت پہنچ جائے۔

پہلی صف فرشتوں کی صف ہے: حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ”اگر لوگوں کو نماز باجماعت کا اجر وثواب معلوم ہو جائے تو وہ خواہ کسی حال میں ہوں، جماعت کے لیے دوڑے دوڑے آئیں۔ جماعت کی پہلی صف ایسی ہے جیسے پاک فرشتوں کی صف۔ تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں دو آدمیوں کی جماعت بہتر ہے۔ پھر جتنے آدمی زیادہ ہوں اتنی ہی یہ جماعت اللہ تعالیٰ کی نظر میں زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے۔“ (ابوداود: ج ۱، ص ۸۹)

پہلی صف کے لیے قُرعہ اندازی: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ پہلی صف میں کھڑے ہونے کا کیا اجر وثواب ہے اور اس پر کیا صلہ ملنے والا ہے؟ تو لوگوں میں اس کے لیے ایسی مسابقت اور کشمکش ہو کہ قرعہ اندازی سے فیصلہ کرنا پڑے۔“ (بخاری: ج ۱، ص ۱۰۰)

پہلی صف میں کھڑے ہونے والے پہلے جنت میں داخل ہوں گے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> ”جو لوگ پہلی صفوں میں جگہ حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھتے رہیں گے، وہ جنت میں بھی پہلے داخل ہوں گے۔ اور جو پیچھے ہٹے رہیں گے، یا تو وہ جہنم میں جا گریں گے اور اگر جہنم سے بچ بھی گئے، تو جنت میں پہلے پہل تو کبھی بھی نہیں جائیں گے۔ دیر سے پہنچیں گے۔“ (مسلم: ج ۱، ص ۱۸۲)

عمداً پہلی صف سے کترانے والوں کا دوزخ میں داخلہ:

”لا یزال قوم یتأخرون عن الصف الأول حتی یؤخرھم اللہ

فی النار". (ابوداود: ج۱ ص۱۰۶)

"لوگ پہلی صف سے ہمیشہ پیچھے ہٹتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں آگ میں ڈال دے گا۔"

صف کے دائیں طرف کھڑے ہونے کی فضیلت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ اور اس کے فرشتے صفوں میں دائیں جانب کھڑے ہونے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔" (ابن ماجہ: ج۱ ص۷۲)

صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنا:

حضرت وابصہ بن مَعبد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھ رہا ہے، تو آپ ﷺ نے اس کو دوبارہ نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔"

(ابوداود: ج۱ ص۱۰۶)

اگر کوئی شخص ایسے وقت جماعت میں شریک ہو کہ آگے کی صف بالکل پُر ہو چکی ہو اور اس کے ساتھ کھڑا ہونے والا کوئی دوسرا نمازی موجود نہ ہو، تو اس کو چاہئے کہ آگے کی صف میں سے کسی جاننے والے کو پیچھے ہٹا کر اپنے ساتھ کھڑا کر لے اگر ایسا نہیں کرے گا، اکیلا کھڑا ہو جائے گا، تو امام احمدؒ اور اہلحدیث کے نزدیک اس کی نماز نہیں ہوگی۔

امام کو درمیان میں کھڑا ہونا چاہئے:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"وسطوا الإمام وسدوا الخلل". (ابوداود: ج۱ ص۱۰۶)

"امام کو اپنے وسط میں لو (یعنی اس طرح صف بناؤ کہ امام تمہارے درمیان میں ہو) اور صفوں میں جو خلا ہو اس کو پُر کرو۔"

نوٹ: یہ حدیث سنداً کمزور ہے۔

اکیلا مقتدی امام کے دائیں جانب کھڑا ہوا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ اتنے میں، میں آ گیا اور نیت کر کے آپ ﷺ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ تو آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے پیچھے کی جانب سے مجھے گھما کر اپنی داہنی جانب کھڑا کر لیا، پھر اتنے میں جبار بن صخر رضی اللہ عنہ آ گئے وہ آپ ﷺ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کر پیچھے کی جانب کر دیا اور پیچھے کھڑا کر لیا۔ (مشکوٰۃ: ج۱، ص۹۹)

اس حدیث سے کئی احکام ثابت ہوئے، مثلاً ① یہ کہ نفلوں کی جماعت بھی درست ہے۔ ...... ② اور یہ کہ دو آدمی جماعت ہیں۔ ...... ③ اور جب امام کے ساتھ صرف ایک مقتدی ہو تو اس کو امام کی داہنی جانب کھڑا ہونا چاہیے۔ اگر وہ غلطی سے بائیں جانب کھڑا ہو جائے، تو امام کو چاہیے کہ اس کو داہنی جانب کر لے اور جب کوئی دوسرا مقتدی آ کر شریک ہو جائے تو امام کو آگے اور ان دونوں کو صف بنا کر پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔

امام نظر نہ آئے تو بھی اس کی اقتداء جائز ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرہ میں نماز پڑھی، لوگ حجرہ کے پیچھے آپ ﷺ کی اقتداء کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ: ج۱، ص۹۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر امام اور مقتدیوں میں کوئی چیز حائل ہو کہ امام کا اٹھنا، بیٹھنا اور ارکان کی تعدیل کا صحیح طور پر پتہ نہ چل سکے تو بھی امام کی اقتداء جائز ہے۔ اس حجرہ سے مراد وہ حجرہ ہے جو آپ ﷺ نے مسجد میں چٹائی سے بنا رکھا تھا۔ اگر جگہ کی تنگی ہو اور کچھ مقتدی امام کے ساتھ کھڑے ہو جائیں تو باقی مقتدی نیچے یا اوپر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً جیسے آج کل مسجدیں دوہرے

چھت کی ہوتی ہیں۔ امام نچلی منزل میں امامت کراتا ہے اور بعض مقتدی اوپر کی منزل میں اس کی اقتداء کرتے ہیں، یہ جائز ہے۔

اِمامت کا بیان

اِمام کا انتخاب:

امامت عظیم ترین دینی منصب اور گراں قدر ذمہ داری ہے۔ یہ گویا رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کا مقام ہے۔ اس لیے امام کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیے اور ایسے شخص کو یہ فریضہ سونپنا چاہیے جو بحیثیت مجموعی تمام نمازیوں میں دوسروں کی بہ نسبت اس عظیم منصب کے لیے زیادہ اہل، موزوں اور بحیثیت مجموعی دینی اوصاف میں سب سے زیادہ افضل ہو۔ نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> ”اپنے امام بہتر لوگوں کو بنایا کرو، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور تمہارے درمیان نمائندے ہوتے ہیں۔“ (بیہقی: ج ۳، ص ۹۰)

امامت کی ترتیب:

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ”مسلمانوں کا امام وہ شخص بنے جو ان میں سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والا ہو۔ اور اگر اس وصف میں سب برابر ہوں تو پھر وہ شخص امامت کرائے جو سنت وشریعت کا زیادہ جاننے والا ہو۔ اور اگر اس وصف میں بھی سب برابر ہوں تو پھر جس نے سب سے پہلے ہجرت کی ہو۔ اور اگر اس وصف میں بھی سب یکساں ہوں تو پھر جو عمر میں سب سے بڑا ہو۔ اور کوئی آدمی دوسرے آدمی کے حلقہ سیادت وحکومت میں اس کا امام نہ بنے

اور اس کے گھر میں اس کے بیٹھنے کی خاص جگہ پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔'' (مسلم: ج۱' ص۲۳۶)

امامت کی ترتیب میں چار چیزوں کو بیان کیا گیا ہے:

۱ قرآن مجید کو سب سے زیادہ جاننے والا' امامت کا زیادہ حقدار ہے۔ گو وہ عمر میں چھوٹا ہو۔ چنانچہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہما کی عمر صرف سات سال تھی۔ ان کو اس بنا پر امام مقرر کر دیا گیا کہ ان کو قرآن زیادہ یاد تھا۔

۲ جو سنت کو سب سے زیادہ جانتا ہو۔

۳ ہجرت میں مقدم ہو۔ ۴ عمر میں بڑا ہو۔

تنبیہ: اگر کسی جگہ کوئی امام مقرر ہو اور امامت اس کے اختیار میں ہو' تو اس کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا امام نہیں ہو سکتا' خواہ دوسرا سب باتوں میں زیادہ ہو۔ (مشکوۃ: ج۱' ص۱۰۰)

عورت کی امامت:

عورت اکیلی بغیر مردوں کے جماعت کرا سکتی ہے' مگر جماعت کرانے والی مرد کی طرح آگے نہیں ہو سکتی۔ صف کے درمیان کھڑی ہو۔ معمر یا کوئی بچہ مقرر کر لیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ حضرت اُمّ ورقہؓ بنت نوفل سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان کے گھر تشریف لاتے تھے' آپ ﷺ نے ان کے لیے ایک مؤذن بھی مقرر کر رکھا تھا جو ان کے لیے اذان دیتا تھا اور وہ گھر والوں کی امامت کراتی تھیں۔

(ابوداود: ج۱' ص۹۴)

مردوں کی امامت صرف عورتوں کے لیے:

مرد جس طرح مردوں کی جماعت کرا سکتا ہے اسی طرح صرف عورتوں کی بھی کرا سکتا ہے۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا' یا رسول اللہ! رات میں نے ایک کام کیا ہے۔ فرمایا

وہ کیا؟ عرض کیا چند عورتیں گھر میں جمع ہو گئیں اور کہنے لگیں کہ تم قرآن پڑھتے ہو اور ہم نہیں پڑھتیں' لہٰذا آج ہماری جماعت کراؤ۔ پھر میں نے انہیں آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے۔ (مسند احمد: ج ۱' ص ۱۱۵)

اِمام سے ناراضگی:

حدیث میں آیا ہے کہ تین آدمیوں کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے:

① وہ اِمام جس پر قوم ناراض ہو۔

② وہ جو نماز میں ایسے وقت آتا ہو جب کہ اس کا وقت جاتا رہے۔

③ وہ جو اپنے غلام کو آزاد کر کے پھر اسے غلام بنا لے۔ (ابوداود: ج ۱' ص ۹۵)

اگر مقتدی امام سے کسی دینی نقص کی وجہ سے ناراض ہوں تو پھر اس کو ان کی امامت کرانا حرام ہے' خواہ وہ ان سب لوگوں سے بہتر ہی کیوں نہ ہو اور اگر لوگوں کی ناراضگی حق سنانے کی وجہ سے یا اس قسم کی اور نفسانی اَغراض کی بناء پر ہو تو اس ناراضگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ بلکہ اس صورت میں برا جاننے والے ظالم ہیں۔

جبراً امام بن جانا:

اگر کوئی شخص باوجود نا اہل ہونے کے جبراً امام بن جائے اور لوگ اس کے ہٹانے پر قادر نہ ہوں تو لوگوں کی نماز اس کے پیچھے ہو جائے گی۔ چنانچہ حجاج بن یوسف جیسے ظالموں کے پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز پڑھتے رہے۔ فاسق وفاجر جو کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرے یا صغیرہ گناہ پر ہمیشگی کرے تو ایسے شخص کو امام نہ بنانا چاہئے۔ اگر اتفاقیہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقع مل جائے تو نماز ہو جائے گی۔ مرزائی اور مشرک کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ اگر بے خبری میں کوئی پڑھ لے' تو معلوم ہونے پر دوبارہ پڑھے۔

امام کو مقتدیوں کا خیال رکھنا چاہیے:

امام کے لیے ضروری ہے کہ مقتدیوں کی ضرورت اور مجبوری کا لحاظ رکھتے ہوئے قراءت مختصر کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

> ”جب تم میں سے کوئی نماز پڑھائے' تو اس کو چاہیے کہ ہلکی پھلکی نماز پڑھائے۔ اس لیے کہ مقتدیوں میں مریض بھی ہوتے ہیں' کمزور بھی ہوتے ہیں اور بوڑھے بھی۔ البتہ جب کوئی تنہا نماز پڑھ رہا ہو' تو جتنی چاہے طویل پڑھے۔“ (بخاری: ج ا' ص ۹۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

> ”اللہ کے بندوں کو پریشان کر کے اللہ تعالیٰ کو غصہ نہ دلاؤ۔ یعنی جب تم میں سے کوئی امام بن کر نماز پڑھائے تو اتنی لمبی نماز نہ پڑھائے جس سے اس کے پیچھے پڑھنے والے تکلیف محسوس کریں۔“

(فقہ السنہ: ج ا' ص ۲۳۱)

مقتدیوں کا لحاظ نہ رکھنے پر رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی:

قیس بن ابی حازمؒ سے روایت ہے کہ مجھ سے ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا' کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بخدا میں فلاں شخص کی وجہ سے صبح کی نماز میں شریک نہیں ہوتا۔ (مجبوراً اپنی الگ نماز پڑھتا ہوں) کیونکہ وہ بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ حدیث کے راوی ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ نے پھر اس بارے میں خطبہ دیا) اور میں نے کبھی آپ ﷺ کو وعظ و خطبہ کی حالت میں اس دن سے زیادہ غضب ناک نہیں دیکھا' پھر اس خطبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

> ”تم میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اپنے غلط طرزِ عمل سے اللہ کے بندوں کو دور بھگانے والے ہیں۔ جو کوئی تم میں سے لوگوں کا

> امام بنے اور ان کو نماز پڑھائے تو اس کے لیے لازم ہے کہ نماز مختصر پڑھائے۔ کیونکہ ان میں ضعیف بھی ہوتے ہیں، بوڑھے اور حاجت والے بھی۔" (بخاری: ج ۱، ص ۹۸)

یہ صحابی رضی اللہ عنہ جن کے طویل نماز پڑھانے کی شکایت اس حدیث میں مذکور ہوئی ہے۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ قُباء میں امامت کراتے تھے اور یہ نماز چھوڑنے والا ایک غلام تھا۔ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے جب لمبی سورت شروع کی تو غلام نے نماز توڑ دی اور علیحدہ نماز پڑھ کر چلا گیا۔ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے اس غلام کی شکایت کی۔ اور غلام نے حضرت اُبی کی شکایت شروع کی تو رسول اللہ ﷺ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ پر سخت ناراض ہوئے۔ اس قسم کا ایک واقعہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بھی ہے جو پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

سنت کے مطابق نماز نہ پڑھانے والے ائمہ کو وعید:

> حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
> "جو لوگ تمہیں نماز پڑھاتے ہیں۔ (یعنی امام ہیں) اگر وہ درست پڑھائیں تو تمہیں اس کا اجر ملے گا اور اگر وہ خطا کریں تو تمہیں اجر ملے گا اور ان پر اس کا بوجھ ہوگا۔" (بخاری: ج ۱، ص ۹۶)

یعنی جب امام نماز میں غلطی کرے، مثلاً کسی رکن کو جان بوجھ کر خراب کر دے تو اس کا تمام گناہ امام پر ہوگا۔ مقتدیوں پر اس کی کسی غلطی کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ اور ان کی نماز پوری ہوگی اور ان کی نیت اقتداء کی تھی۔ جماعت ان کا مقصود تھی۔ اس کا اجر ان کو مل جائے گا۔

مقتدیوں کے اَحکام کا بیان

اِسلام نے اجتماعیت کو جو اہمیت دی ہے وہ اس کی تعلیمات سے ظاہر ہے۔ جمعہ، جماعت، عید، جنازہ وغیرہ عبادات میں اجتماعیت کا پہلو نمایاں ہے۔ امام ومقتدی کے بغیر جماعت نہیں ہوسکتی۔ اس لیے جس طرح امام کی ذمہ داریوں کو واضح فرمایا، مقتدی کے فرائض کی تفصیل بھی بیان فرمائی تا کہ یہ اجتماعی نظام پوری طرح مکمل ہو جائے اور اس اجتماعیت سے جس قدر فائدہ اٹھایا جا سکے، اٹھالیا جائے۔

مقتدی کے مختلف حالات:

مُدرِك: جو نمازی شروع سے آخر تک برابر امام کے ساتھ نماز میں شریک رہا ہو۔

مَسبُوق: وہ نمازی جو ایک رکعت یا ایک سے زائد رکعات پڑھے جانے کے بعد جماعت میں آ کر شریک ہوا ہو۔

لَاحِق: وہ نمازی جو شروع سے امام کے ساتھ شامل ہو۔ مگر کسی عذر کی وجہ سے امام سے علیحدہ ہو جائے پھر عذر دور ہونے کے بعد امام کے ساتھ شامل ہو جائے، مثلاً وضو ٹوٹنا، غشی آنا، خوف آنا وغیرہ۔

ان تمام حالات میں مسبوق پر کچھ ذمہ داریاں ہیں، جنہیں پورا کرنا اس کا فرض ہے۔ مقتدی کو کسی صورت میں بھی امام سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔ بلکہ تمام ارکان میں امام کی اقتداء کرے۔

مقتدیوں کو خاص ہدایت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”لوگو! امام پر سَبْقت نہ کرو۔ (بلکہ اس کی اتباع اور پیروی کرو) جب وہ ”اَللّٰہ اکبر“ کہے تو تم ”اللّٰہ اکبر“ کہو اور جب وہ ﴿وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ کہے تو تم ”آمین“ کہو۔ اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ ”سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ“ کہے تو تم ”اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ“ کہو۔“ (مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۱۰۱)

مطلب یہ ہے کہ نماز کے تمام ارکان اور اَجزاء میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے پیچھے چلنا چاہئے۔ کسی چیز میں بھی اس پر سَبْقت نہیں کرنی چاہئے۔

امام سے سبقت کرنے کی سزا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”جو لوگ امام سے پہلے سر اٹھاتے ہیں، انہیں ڈرنا چاہئے کہ مبادا ان کا سر گدھے کا نہ کر دیا جائے۔“ (بخاری: ج ۱، ص ۹۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> ”جو شخص امام سے پہلے رکوع کرتا ہے یا سجدے سے سر اٹھاتا ہے اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس سے ایسا کراتا ہے۔“

(موطأ: ج ۱، ص ۷۶)

اِمام کی اِقتداء ضروری ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مُعاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے آئے تو امام جس حال میں ہو اسی حالت میں شریک ہو جائے۔“ (مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۱۰۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس حالت میں ہو، سجدے میں یا جلسے میں یا قومہ میں یا تَشَہُّد میں یا رکوع میں۔ آنے والے کو امام کے ساتھ اسی حال میں

شامل ہو جانا چاہئے۔ لیکن اگر قیام کی حالت میں وہ سورۂ فاتحہ پڑھ لے گا تب وہ رکعت ہو جائیگی ورنہ کچھ بھی شمار نہ ہوگا۔

نوٹ: یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے لیکن اس کی تائید ابوداود اور بیہقی وغیرہ کی روایات سے ہو جاتی ہے۔ (مرعاۃ: ج ۲، ص ۱۲۸)

مقتدی کے لیے امام کی اقتداء کا طریقہ:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> ”رسول اللہ ﷺ جب ”سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ“ کہتے تو ہم میں سے اس وقت تک کوئی نہ جھکتا جب تک رسول اللہ ﷺ اپنی پیشانی مبارک زمین پر نہ رکھ لیتے۔“ (بخاری: ج ۱، ص ۹۶)

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ مقتدی کو امام سے کتنا پیچھے رہنا چاہئے۔

امام ابن جوزیؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب تک امام دوسرے رکن میں نہ چلا جائے، مقتدی دوسرے رکن کی طرف انتقال شروع نہ کرے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کا رکن ہوگا، ورنہ جتنا اس نے امام سے پیچھے شروع کیا تھا۔ اگلا رکن اگر امام کے ساتھ شروع کرے گا تو پچھلے رکن میں اتنی کمی رہ جائے گی۔

رکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوتی:

حضرت ابوقتادہ، حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ:

> ”جب تم نماز کے لیے آؤ تو جو کچھ امام کے ساتھ پاؤ، پڑھ لو۔ اور جو رہ جائے اسے (امام کے سلام پھیرنے کے بعد) پورا کر لو۔“ (بخاری: ج ۱، ص ۸۸)

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ:

> ”فمن فاته فرض القراءة والقيام فعليه إتمامه، كما أمر

النبی ﷺ". (کتاب القراءۃ: ج۱۵۷)

"جس شخص سے دو فرض، یعنی قراءت اور قیام فوت ہو گئے اس پر نماز کا، پورا کرنا لازم ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے حکم کیا ہے۔"

خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جس نے امام کو رکوع میں پایا اس کی وہ رکعت شمار نہیں ہو گی۔ کیونکہ اس حدیث میں ما فات کے پورا کرنے کا حکم ہے اور مسبوق سے قیام وقراءت فوت ہو گئے ہیں۔ اور یہی قول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت کا ہے۔ بلکہ امام بخاریؒ نے قراءت خلف الامام پر اس امام سے جو وجوب قراءت خلف الامام کا قائل ہے، یہی حکایت کیا ہے۔ (فتح الباری: ج۲، ص۱۱۹)

پانچ نمازیں اور ان کی رکعات کا بیان

دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں، جو یہ ہیں:

① ظہر...... ② عصر...... ③ مغرب...... ④ عشاء...... ⑤ فجر

ان کی کل رکعات سترہ ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

① ظہر چار ② عصر چار ③ مغرب تین
④ عشاء چار ⑤ فجر دو

سنت رکعات کی تعداد اور ان کے فضائل:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص دن، رات میں بارہ رکعت (علاوہ فرض نمازوں کے)

> پڑھے۔ اس کے لیے جنت میں ایک گھر تیار کیا جائے گا۔ (ان بارہ کی تفصیل یہ ہے) چار ظہر سے پہلے اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اور دو عشاء کے بعد اور دو فجر سے پہلے۔"

(ترمذی: ج۱ ص۹۶)

لیکن بعض احادیث میں ظہر سے پہلے بجائے چار رکعت کے دو رکعت بھی پڑھنے کا ذکر ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو بخاری و مسلم میں آئی ہے اس سلسلہ کی تمام احادیث کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے اکثر و بیشتر چار رکعت پڑھتے تھے اور کبھی کبھی صرف دو بھی پڑھ لیا کرتے۔ بہرحال دونوں عمل آپ ﷺ سے ثابت ہیں۔

مندرجہ بالا ان احادیث میں جن بارہ رکعت یا دس رکعت سنتوں کا ذکر ہے، چونکہ رسول اللہ ﷺ عملاً ان کا زیادہ اہتمام فرماتے تھے اور ان میں سے بعض کے متعلق آپ ﷺ نے خاص تاکید فرمائی ہے اس لیے ان کو سنن راتبہ (مؤکدہ) کہا گیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ تاکید آپ ﷺ نے فجر کی سنتوں کے متعلق فرمائی ہے۔

فجر کی سنتوں کی فضیلت و اہمیت:

① حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"فجر کی دو رکعت سنت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔" (صحیح مسلم: ج۱ ص۲۵۱)

مطلب یہ ہے کہ آخرت میں فجر کی دو رکعت سنت کا جو ثواب ملنے والا ہے وہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے زیادہ قیمتی اور کارآمد ہے۔ دنیا و مافیہا فانی ہے اور ثوابِ آخرت باقی، غیر فانی ہے۔

② حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"فجر کی دو رکعت سنت نہ چھوڑو۔ اگر چہ حالت یہ ہو کہ گھوڑے تم کو دوڑا رہے ہوں۔" (ابوداود: ج ۱ ص ۱۸۶)

مطلب یہ ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور گھوڑوں کی پشت پر تیزی سے منزلیں طے کر رہے ہو تب بھی فجر کی سنتیں نہ چھوڑو۔

نوٹ: یہ روایت سنداً کمزور ہے۔

③ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سنتوں اور نفلوں میں سے کسی نماز پر بھی اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے، جتنا کہ فجر سے پہلے کی دو رکعات پر فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم: ج ۱ ص ۲۵۱)

صبح کی سنتیں اگر رہ جائیں تو کب پڑھی جائیں:

اگر کسی شخص کی صبح کی سنتیں کسی وجہ سے رہ جائیں، یعنی فرضوں سے پہلے نہ پڑھ سکا ہو تو فرضوں کے بعد پڑھنی چاہئیں۔ اگر کوئی شخص سورج نکلنے کے بعد پڑھنا چاہتا ہے تو بھی جائز ہے۔ چنانچہ حضرت قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ایک دن رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے نکلے اور نماز کی اقامت ہوئی اور میں نے نبی پاک ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی اور بعد میں پہلی رہی ہوئی سنتیں پڑھنے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اے قیس! ٹھہر جا۔ کیا دو نمازیں ایک ساتھ پڑھنا چاہتے ہو؟" میں نے عرض کی، حضرت! میری دو سنتیں رہ گئی تھیں وہ پڑھ رہا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر کوئی حرج نہیں۔" (ابوداود: ج ۱ ص ۱۸۷)

صبح کی سنتوں کے بعد دائیں جانب لیٹنا:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ جب فجر کی دو رکعت پڑھ لیتے تو دائیں پہلو پر لیٹ جاتے۔ (صحیح بخاری: ج ۱ ص ۱۵۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صبح کی سنتوں کے بعد لیٹنا سنت ہے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے اور بعض نے لیٹنے کو واجب کہا ہے۔ اور آپ ﷺ دائیں جانب اس لیے لیٹتے تھے کہ گہری نیند نہ آ جائے۔ کیونکہ بائیں طرف لیٹنے سے گہری نیند آتی ہے۔

صبح کی سنتوں کے بعد کی دعا:

- حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی دو سنتیں ادا کر کے تین دفعہ مندرجہ ذیل دعا پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ وَمُحَمَّدِنِ
اے اللہ! تو جبریل، میکائیل، اسرافیل اور حضرت محمد ﷺ کا پروردگار ہے،
النَّبِيِّ ﷺ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ ○ (عمل الیوم واللیلۃ: ص۴۹)
میں دوزخ سے تیری جناب میں پناہ چاہتا ہوں۔

فجر کی سنتوں میں نبی اکرم ﷺ کی قراءت: حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ:

> نبی اکرم ﷺ فجر کی سنتوں میں ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم: ج۱، ص۲۵۱)

ظہر سے پہلے چار رکعت سنت کی فضیلت واہمیت:

حضرت ابوایوب انصاری ؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> "چار رکعت ظہر سے پہلے جن میں سلام نہ پھیرا گیا ہو۔ یعنی چار مسلسل پڑھی جائیں ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔" (ابوداود: ج۱، ص۱۸۷)

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ:

> "رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعت

جب آپ ﷺ نے نہیں پڑھی ہوتی تھیں تو آپ ﷺ ان کو ظہر سے فارغ ہونے کے بعد پڑھتے۔“ (ترمذی: ج ۱' ص ۹۷)

ابن ماجہ کی ایک ضعیف روایت میں یہ تصریح ہے کہ ایسی صورت میں ظہر سے پہلے والی چار رکعت آپ ﷺ بعد والی دو رکعت کے بعد پڑھتے تھے۔

(ج ۱' ص ۸۲' ترمذی: ج ۱' ص ۹۷)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دیتے ہیں جس نے ظہر سے قبل اور بعد چار سنت ادا کیں۔“ (ترمذی: ج ۱' ص ۹۸)

نبی اکرم ﷺ کا اکثر دستور یہ تھا کہ بعد کی سنتیں دو رکعت پڑھتے اور کبھی کبھی چار رکعت بھی پڑھ لیتے اور یہی صحیح طریقہ ہے۔ البتہ اگر پہلی سنتیں فرضوں سے پہلے نہ پڑھ سکے تو بعد میں بہتر یہ ہے کہ دو رکعت پڑھے چار نہ پڑھے۔ کیونکہ ان میں سے مؤکدہ سنتیں دو ہیں اور دو غیر مؤکد سنتیں ہیں۔

عصر سے پہلے چار رکعت کی ترغیب:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جس نے عصر سے پہلے چار رکعت سنت ادا کیں۔“ (ترمذی: ج ۱' ص ۹۸)

یہ حدیث عصر سے پہلے چار رکعت کے مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اور نبی ﷺ کی طرف سے رحمت کی دعا بہت بڑی رغبت ہے۔

مغرب کے بعد کثرتِ نوافل:

مغرب کے بعد دو رکعت تو سنت مؤکدہ ہیں جن کا ذکر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ احادیث میں آیا ہے۔ ان کے علاوہ بعض احادیث میں چار اور بعض میں اٹھارہ

رکعت کا ذکر ہے۔ سند کے لحاظ سے یہ احادیث ضعیف ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان رکعات کا نام "صلوٰۃ الاوابین" رکھا ہے۔

مغرب سے پہلے دو نفل:

مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت مستحب ہیں۔ ثبوت کے لحاظ سے ان میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ مؤکدہ سنتوں میں سے نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی بعض اوقات یہ سنتیں پڑھی ہیں۔ اور اکثر اوقات ان کو چھوڑ دیا ہے اور لوگوں کو ان کی ترغیب تو دلائی ہے لیکن ان کو واجب قرار نہیں دیا۔
(ابوداود: ج۱‘ ص۱۸۹)

عشاء کے بعد کی سنتیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

> "رسول اللہ ﷺ جب بھی نماز عشاء کے بعد میرے ہاں تشریف لاتے تو چار یا چھ رکعت نماز پڑھتے۔" (ابوداود: ج۱‘ ص۱۹۲)

عشاء کے بعد دو رکعت تو سنت مؤکدہ ہیں‘ باقی غیر مؤکدہ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کبھی دو کبھی چار اور کبھی چھ رکعت پڑھتے تھے۔ (عون المعبود: ج۱‘ ص۵۰۲)

نوٹ: یہ روایت سنداً کمزور ہے۔

جمعہ کے بعد کی سنتیں:

جمعہ کے بعد کی سنتوں کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں۔ تمام کو سامنے رکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ اگر گھر میں آ کر پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے اور اگر مسجد میں پڑھتے تو چار رکعت پڑھتے۔ (مشکوٰۃ: ج۱‘ ص۱۰۴)

سنت و نوافل گھر میں پڑھنا:

سنت اور نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو مسجد میں یہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: "اسے

اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔"

نماز کے فوت ہونے اور اس کی قضاء کا بیان:

اگر کوئی شخص کسی نماز کو اتفاقاً بھول جائے یا سو جائے اور اس طرح فرض نماز کا وقت گزر جائے، تو بعد میں اس کی قضا ضروری ہے۔ اس پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ اس کے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں۔

بھولنے اور سو جانے والوں کی نماز:

① حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"سو جانے میں کوئی گناہ نہیں۔ بیداری میں نماز ضائع کرنا گناہ ہے۔ جب تم میں سے کوئی بھول جائے یا سو جائے، جب یاد آئے پڑھ لے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو۔"

② حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص نماز بھول جائے یا سو جائے اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے اسی وقت ادا کرے۔" ایک روایت میں ہے کہ اس کے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ (مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۶۱)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ فوت ہو جانے والی نماز جب یاد آئے یا سویا ہوا جاگ اٹھے تو اسی وقت پڑھ لے۔ اس کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اس کو وقت پر پڑھنے کا ملنا تھا۔ کیونکہ ان چیزوں میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص قصداً نماز چھوڑ دے تو جمہور (جن میں ائمہ اربعہؒ شامل ہیں) کے نزدیک وہ گنہگار بھی ہوگا اور بعد میں اس پر قضا بھی ضروری ہے۔

(بدایۃ المجتہد: ج ۱، ص ۱۴۲)

کئی ایک نمازیں فوت ہو جائیں تو ان کے پڑھنے کا طریقہ:

جو نمازیں کسی معقول عذر کی وجہ سے رہ گئی ہیں، انہیں بالترتیب ادا کرنا چاہیے۔ مثلاً اول صبح کی، پھر ظہر کی قضا نماز ادا کرے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

> ”خندق کی لڑائی کے دن مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ کو چار نمازیں ادا کرنے کی فرصت نہیں دی۔ جب حسبِ مشیت ایزدی رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو حسب الحکم، بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی، پھر اقامت پڑھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز ادا کی، پھر بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی اور رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز ادا کی، پھر بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی اور رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز ادا کی، پھر بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی اور رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔“ (ترمذی: ج ۱، ص ۴۳)

نمازِ تہجد کا بیان

نبی اکرم ﷺ مختلف اوقات میں بہت سی نفل نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ اور احادیث میں ان نوافل کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ دراصل نوافل کی کثرت ہی سے بندہ اللہ کا قرب پاتا ہے۔ اور اس کے یہاں بلند مرتبوں پر فائز ہوتا ہے۔ مکروہ اوقات کے علاوہ جب بھی کوئی نفل نمازیں پڑھنی چاہے اور جتنی پڑھنی چاہے وہ خیر و برکت ہی کا ذریعہ ہے۔ البتہ کچھ مخصوص نوافل آپ ﷺ نے خاص خاص اوقات میں بھی پڑھے ہیں۔ اور ان کی الگ الگ فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ ذیل میں انہی مخصوص نوافل کا ذکر کیا جاتا ہے۔

نمازِ تہجد:

تہجد کی نماز سنت ہے۔ نبی ﷺ ہمیشہ اس کا اہتمام فرماتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کے التزام کی ترغیب دیتے تھے۔ قرآن پاک میں نبی ﷺ کو اس کی خصوصی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اور چونکہ امت کو نبی ﷺ کی پیروی کا حکم ہے۔ اس لیے تہجد کی یہ تاکید بالواسطہ ساری امت کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴿۷۹﴾﴾ (بنی اسرائیل)

”اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھ لیا کیجئے‘ یہ آپ کے لیے اللہ کا مزید فضل ہے‘ قریب ہے کہ اللہ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے۔“

تہجد کا اہتمام کرنے والوں کو قرآن نے محسن اور متقی قرار دیا ہے۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور آخرت کی ابدی نعمتوں اور بھلائیوں کا مستحق قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تہجد کی نماز نفس اور اخلاق کا تزکیہ کرنے اور راہِ حق میں صبر وثبات کی قوت فراہم کرنے کا لازمی اور مؤثر ترین ذریعہ ہے۔

﴿اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا﴿۶﴾﴾ (المزمل)

”بلاشبہ رات کا اٹھنا نفس کو خوب ہی روندنے والا ہے اور اس وقت کا ذکر نہایت ہی درست ہے۔“

دوسری جگہ قرآن میں ایسے بندوں کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا﴿۱۶﴾﴾ (السجدة)

”ان کے پہلو خوابگاہوں سے الگ رہتے ہیں۔ وہ اس وقت

اپنے پروردگار سے امید وبیم کے ساتھ دعائیں کرتے ہیں۔"

آگے فرمایا گیا ہے کہ ان بندوں کے اس عمل کا جو انعام وصلہ جنت میں ملنے والا ہے۔ جس میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا پورا سامان ہے جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

نمازِ تہجد کی ترغیب احادیث میں:

① حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو ان کی زبان مبارک سے جو پہلے کلمات میں نے سنے وہ یہ تھے:

> "لوگو! آپس میں میل جول کے وقت "السلام علیکم" کا کثرت سے استعمال کرو۔ لوگوں کو کھانا کھلاؤ' رشتوں کو جوڑے رکھو۔ اور جب لوگ سو رہے ہوں تو تم رات میں نمازیں پڑھو۔ تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔" (مشکوٰۃ: ج ۱' ص ۱۶۸)

② حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

> "تہجد کا التزام کرو۔ یہ نیک لوگوں کی خصلت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے تمہیں قریب کرنے' گناہوں کو مٹانے اور گناہوں سے بچانے اور جسم سے بیماریوں کو بھگانے والی ہے۔"

(الترغیب والترہیب: ج ۱' ص ۵۴۵)

③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز' رات میں پڑھی جانے والی تہجد کی نماز ہے۔" (مشکوٰۃ: ج ۱' ص ۱۱۰)

④ ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

> "شب کی آخری گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ آسمانوں کی طرف

نزول فرماتے ہیں اور کہتے ہیں: ہے کوئی پکارنے والا جو مجھے پکارے تو میں اس کی سنوں۔ مجھ سے مانگے تو میں اسے دوں۔ مجھ سے گناہوں کی بخشش چاہے تو میں اسے بخش دوں۔"

(بخاری: ج۱، ص۵۳)

میاں بیوی کا تہجد کے لیے اٹھنا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ کی رحمت اس بندے پر جو رات کو اٹھا، اور اس نے نماز تہجد پڑھی، اور اپنی بیوی کو بھی جگایا اور اس نے بھی نماز پڑھی۔ اور اگر (نیند کے غلبہ کی وجہ سے) وہ نہیں اٹھتی تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر بیدار کر لیا۔ اور اسی طرح اللہ کی رحمت اس بندی پر جو رات کو نمازِ تہجد کے لیے اٹھی اور اس نے نماز ادا کی اور اپنے شوہر کو بھی جگایا۔ پھر اس نے بھی اٹھ کر نماز پڑھی اور اگر وہ نہ اٹھا تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اٹھا دیا۔" (ابوداود: ج۱، ص۱۹۲)

نیند سے اٹھنے کے بعد یہ دعا پڑھیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ رات کو اٹھتے تو یہ پڑھتے:

"اَللّٰہُ اَکْبَرُ دس بار، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ دس بار، سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ. دس بار، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ دس بار، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دس بار۔"

(نسائی: ج۱، ص۱۹۳)

پھر فرماتے ہیں:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا وَضِیْقِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ".

(دس بار) پھر نماز شروع کرتے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نیند سے بیدار ہوتے تو ذکر اور دعاؤں میں مشغول ہو جایا کرتے۔ اس سلسلہ میں اور بھی کئی دعائیں آپ ﷺ سے منقول ہیں۔ جو یاد ہوں پڑھ لی جائیں۔

نمازِ تہجد کی رکعات:

رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سے زیادہ تیرہ رکعت اور اکثر گیارہ اور کم سے کم سات رکعت ثابت ہیں۔ (بخاری: ج۱، ص۱۵۳)

نمازِ تہجد پڑھنے کا طریقہ:

جب آدمی تہجد کے لیے اٹھے تو باوضو ہو کر دو دو رکعت پڑھے، پہلی دو رکعت ہلکی ہوں اور باقی لمبی۔ اگر چار چار پڑھیں تو بھی درست ہے۔ لیکن افضل دو دو ہی ہیں۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔

نمازِ تہجد کا وقت:

تہجد کے معنی ہیں، نیند توڑ کر اٹھنا، قرآن میں رات کے کچھ حصے میں سونے کی جو تاکید کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ حصے میں سونے کے بعد پھر اٹھ کر نماز پڑھی جائے۔ تہجد کا مسنون وقت یہی ہے کہ نماز عشاء کے بعد آدمی سو رہے اور پھر نصف شب کے بعد اٹھ کر نماز پڑھے۔ نبی ﷺ کبھی آدھی رات کو بھی اسی لیے کچھ پہلے یا بعد میں نیند سے بیدار ہوتے اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی چند آیات پڑھتے، وضو اور مسواک کر کے نماز شروع فرماتے۔

نمازِ وِتر کا بیان

وِتر، طاق کو کہتے ہیں، اس کی ضد شَفع، یعنی جوڑا ہے۔ تہجد کے بعد ایک وتر پڑھا جائے تو ساری نماز طاق ہو جائے گی۔ اس لیے اس کی تعداد ایک سے تیرہ تک ہے۔ ہر طاق عدد رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

نمازِ وتر کی تاکید:

نمازِ وتر سنت ہے۔ اس کی حدیث میں بہت تاکید آئی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

> ”اللہ وتر ہے اور وتر کو پسند کرتے ہیں۔ اے اہل قرآن وتر پڑھا کرو۔“ (ابوداود: ج۱، ص۲۰۷)

ایک دوسری حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ (کاشانۂ نبوت سے) باہر تشریف لائے اور ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

> ”اللہ تعالیٰ نے ایک اور نماز تمہیں عطا فرمائی ہے۔ وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔ وہ نمازِ وتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے نمازِ عشاء کے بعد سے طلوع صبح صادق تک مقرر کیا ہے۔“ (ترمذی: ج۱، ص۱۰۳)

نمازِ وتر کا وقت:

نمازِ وِتر کا اصلی وقت تو رات کا آخری حصہ ہے۔ لیکن اول رات عشاء کے ساتھ پڑھنے کی بھی رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی ہے۔ آپ ﷺ کے الفاظ یہ ہیں:

> ”من خاف أن لا يقوم من آخر الليل فليوتر أوله ومن

طمع أن يقوم آخره فليوتر آخر الليل فإن صلوٰة آخر الليل مشهودة وذلك أفضل". (مسلم: ج۱، ص ۲۵۸)

"جسے خطرہ ہو کہ وہ پچھلی رات نہیں جاگ سکے گا۔ وہ اول رات وتر پڑھ لے اور جسے امید ہو کہ وہ آخر رات جاگ اٹھے گا تو وہ آخر رات ہی میں وتر پڑھے۔ کیونکہ رات کے آخری حصہ میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ افضل وقت ہے۔"

رسول اللہ ﷺ سے مختلف احوال واوقات میں ایک، تین، پانچ، سات، نو تک وتر پڑھنے ثابت ہیں۔ (مشکوٰۃ: ج۱، ص ۱۱۲)

تہجد کی پوری نماز آخری رکعت کی وجہ سے بھی وتر کہلاتی ہے۔ اس لیے وتر کی تعداد سات، نو، گیارہ، اور تیرہ بھی بعض روایات میں آئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"توتر له ما قد صلى". (مشکوٰۃ: ج۱، ص ۱۱۱)

"یہ آخری رکعت ساری نماز کو وتر بنا دے گی۔"

وتر پڑھنے کا طریقہ:

تین اور پانچ وتر پڑھنے کے دو طریقے ہیں:

(۱) اکٹھے پڑھے، اور درمیان میں التحیات کے لیے نہ بیٹھے۔ بلکہ آخر میں التحیات پڑھ کر سلام پھیر دے۔ (مسلم: ج۱، ص ۲۵۳)

(۲) دو سلام سے پڑھے۔ یعنی دو رکعت الگ پڑھ کر سلام پھیر دے۔ اور ایک رکعت الگ پڑھے۔ افضل طریقہ یہ دوسرا ہی ہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ: "صلوٰة الليل مثنى مثنى". رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔

سات وتر پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ چھٹی رکعت پر التحیات کے لیے بیٹھنا چاہے تو بیٹھ سکتا ہے اور نو وتر پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ آٹھویں رکعت پر التحیات

کے لیے ضرور بیٹھے۔

مسئلہ نقض الوتر:

اگر کوئی شخص اخیر رات اٹھنے کا عادی ہو اور تہجد پڑھتا ہو' تو وہ اول رات وتر نہ پڑھے۔ بلکہ تہجد کے بعد اخیر رات پڑھے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وترا". (مشکوٰۃ: ج ۱' ص ۱۱۱)

"رات میں اپنی آخری نماز وتر بناؤ۔" (یعنی رات کی نمازوں میں تمہاری آخری نماز وتر ہو)

اور جو شخص آخری رات اٹھنے کا عادی نہ ہو تو وہ پہلی رات ہی پڑھ لے اگر پھر پچھلی رات بھی آنکھ کھل گئی تو اس کے متعلق دو صورتیں آئی ہیں:

① پہلے وتروں کو توڑے۔ یعنی آخری رات جب اٹھے تو پہلے ایک رکعت پڑھ کر (پہلی رات کے پڑھے ہوئے) وتروں کو شفع کرے۔ پھر جتنے نفل پڑھنے ہوں پڑھ لے۔ پھر آخر میں دوبارہ وتر پڑھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسی طرح کیا کرتے تھے۔

② پہلی رات کے وتر قائم رکھے اور آخر رات جتنے نفل پڑھنا چاہیے' دو دو رکعت کر کے پڑھ لے۔ اور آخر میں پھر دوبارہ وتر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے: "لا وتران فی لیلة". ایک ہی رات میں دو مرتبہ وتر نہیں پڑھے جا سکتے۔ یہ مسلک صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر جماعت کا ہے۔ انہی میں سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

وتروں کے بعد دو نفل:

مذکورہ حدیث (یعنی رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ) سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ وتروں کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔ یہ کوئی افضل

طریقہ نہیں ہے۔ کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا ہے کہ: ”رات کی نماز کا آخری وتر کرو۔“ پھر وتر کے بعد نفل پڑھنے افضل کس طرح ہوں گے؟ ہاں اگر پڑھ لے تو جائز ہے' منع نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بعض دفعہ پڑھے ہیں۔ مگر جب ایک طرف آپ ﷺ کا امر ہو اور دوسری طرف آپ ﷺ کا فعل' تو عموماً فعل سے جواز مراد ہوتا ہے اور امر سے بہتر۔ پس ہمیں بہتر صورت اختیار کرنی چاہیے۔

بیٹھ کر نماز پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے:

ایک بات یہاں یہ بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ہم بیٹھ کر نماز پڑھیں تو آدھا ثواب ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو پورا ثواب ملتا ہے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا کہ مجھے تو کسی نے آپ ﷺ کے حوالے سے یہ بتایا تھا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو آدھا ثواب ملتا ہے اور آپ بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ”ہاں مسئلہ وہی ہے لیکن میں اس معاملے میں تمہاری طرح نہیں ہوں' میرے ساتھ اللہ کا معاملہ استثنائی ہے۔ یعنی مجھے بیٹھ کر پڑھنے کا بھی پورا ثواب ملتا ہے۔“ (ابوداود: ج ۱' ص ۱۴۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتروں کے بعد اگر کوئی نفل پڑھنا چاہے تو کھڑا ہو کر پڑھے ورنہ آدھا ثواب ملے گا۔

وتروں کی قضا:

زید بن اسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”جو وتر سے پہلے سو گیا تو وہ جب صبح ہو جائے تو پڑھ لے۔“

(مشکوٰۃ: ج ۱' ص ۱۱۲)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وتر رہ جائیں تو ان کی قضا دینی چاہیے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔ اور اسی طرح ائمہ اربعہ بھی قضا دینے کے قائل ہیں، پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ وتروں کی قضا دینا واجب ہے یا مستحب۔ بعض کے نزدیک واجب ہے۔ اکثر کے نزدیک مستحب اور جمہور مستحب ہی کے قائل ہیں۔ اور پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ صبح ہو جانے کے بعد وتروں کی قضا کس وقت دے۔ زیادہ صحیح یہی ہے کہ پھر بھی ان کو صبح کی نماز سے پہلے ہی پڑھ لے اور بعد ازاں صبح کی نماز پڑھ لے۔

وتر میں قراءت:

عبدالعزیز بن جریج تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ وتر میں کون کونسی سورتیں پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ: ’’پہلی رکعت میں آپ ﷺ سورۂ الاعلیٰ پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں سورۂ کافرون اور تیسری رکعت میں سورۂ اخلاص اور معوذتین۔‘‘ (یعنی آخری دو سورتیں) (ترمذی: ج۱، ص۱۰۶)

دعائے قنوت:

① حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے وتروں میں پڑھنے کے لیے یہ دعا تعلیم فرمائی ہے:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِيْ

اے اللہ! تو مجھے ہدایت سے نواز کر ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل فرما اور مجھے عافیت بخش کر

فِيْمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ،

عافیت یافتہ لوگوں میں شامل کر اور میری سرپرستی فرما کر ان لوگوں میں شامل فرما جنکی تو نے سرپرستی کی،

وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ، وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ،

مجھے ان چیزوں میں برکت عطا فرما جو تو نے مجھے عنایت فرمائی ہیں، اور مجھے اس شر سے بچا جسکا تو نے فیصلہ کیا ہے،

إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ، إِنَّهُ لَا يَذِلُّ

کیونکہ تو ہی فیصلہ فرمانیوالا ہے، اور تجھ پر کسی کا فیصلہ نافذ نہیں ہوتا اور وہ ہرگز ذلیل نہیں ہوسکتا

مَنْ وَّالَيْتَ، وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ،

جسکی تو سرپرستی فرمائے اور وہ کبھی عزت نہیں پا سکتا جس کو تو اپنا دشمن قرار دیدے،

تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ ○ (مشکوٰۃ: ص ۱۱۲)

اے ہمارے رب! تو بڑی برکت والا اور بلند و برتر ہے۔

ملاحظہ:

① دعائے قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں کوئی مرفوع روایت نہیں ہے۔ البتہ مصنف ابن ابی شیبہ میں بعض آثار ملتے ہیں اس لیے ہاتھ اٹھا کر یا ہاتھ اٹھائے بغیر دونوں طریقوں سے قنوت وتر کی دعا پڑھنا صحیح ہے۔

② "تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ" کے بعد "نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ إِلَيْكَ" کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں موجود نہیں ہیں، بلکہ بعض علماء کی طرف سے اضافہ ہیں۔

③ "صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ" صحیح ابن خزیمہ میں اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں رمضان میں قیام اللیل کرتے اور قنوت میں نبی ﷺ پر درود بھیجتے تھے۔ اسی طرح حضرت معاذ انصاری رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے۔ لہٰذا دعائے قنوت کے آخر میں "صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ" پڑھنا جائز ہے۔

④ مقتدی اگر امام کے ساتھ آمین کہتا جائے تو بھی کافی ہے۔

وتروں کے بعد کی دعا:

رسول اللہ ﷺ جب وتر کا سلام پھیرتے تو تین دفعہ "سُبْحَانَ الْمَلِكِ

"الْقُدُّوْسِ" کہتے۔ تیسری دفعہ بلند آواز سے کہتے۔ (حصن حصین: ص ٤٧)

② نیز آپ ﷺ وتروں کے آخر میں یہ دعا بھی پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ
اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضا مندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا اور تیرے عذاب سے
عُقُوْبَتِكَ، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ، لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْكَ،
تیری عافیت، بخشش کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ لیتا ہوں، مجھ سے صفت وثناء کا حق
اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ ○ (مشکوٰۃ: ص ١١٢)
ادا نہیں ہو سکتا، تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی ثناء وصفت بیان کی ہے۔

رُکوع کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھنا:

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

> "رسول اللہ ﷺ نے مجھے وتر میں جبکہ میں رکوع سے سر اٹھاؤں اور صرف سجدہ باقی رہ جائے مندرجہ بالا دعائے قنوت سکھائی۔"

(سنن الکبریٰ: ج ٣، ص ٣٩)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ:

> "قنوت کا محل آخری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہے۔" (شرح مسلم)

آپ ﷺ کے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم بھی رکوع کے بعد ہاتھ اٹھا کر قنوت پڑھا کرتے تھے۔ اور صحیح احادیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

قنوتِ نازلہ

اسلام سے پیشتر لوگوں کے برادرانہ تعلقات کی وجوہات مختلف تھیں۔ جو اب تک بھی دنیا کی اکثر آبادی میں رائج ہیں۔ مثلاً نسب وقومیت، ہم وطن اور ہم

پیشہ وغیرہ ہونا۔ لیکن اسلام نے اپنی برادری کی بنا ان وجوہات میں سے کسی پر نہیں رکھی۔ بلکہ محض ایمان واسلام کی بنا پر دنیا میں وحدت قومی اور اتحاد برادری قائم کرنا چاہا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ⑩﴾ (الحجرات)

’’تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔‘‘

نیز فرمایا:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (71)﴾ (التوبۃ)

اسلامی محبت واُخوّت کا یہ تقاضا ہے کہ اہل اسلام جب کبھی سخت حالات میں گھرے ہوئے ہوں، شب وروز کے ہنگامی مصائب اور دشمن کے خوف ودہشت سے ان کی زندگی اجیرن بن گئی ہو۔ ہر طرف دشمنانِ اسلام کا زور ہو اور وہ ملتِ اسلامیہ کو تباہ کرنے اور اسلام کا نور بجھانے کے لیے اہلِ اسلام پر درد انگیز مظالم ڈھا رہے ہوں۔ ایسے یاس انگیز حالات سے نجات پانے، دشمن کا زور توڑنے اور اللہ تعالیٰ سے ان کی ہلاکت وبربادی کی درخواست کرنے کے لیے دعائے قنوت پڑھنا مسنون ہے۔ ①

قنوتِ نازلہ کے الفاظ متعین نہیں ہیں، نبی اکرم ﷺ حسب موقع مناسب الفاظ سے دعا فرماتے تھے۔ وتر میں وہی دعا فرماتے جو حضرت حسن

---

① قنوتِ نازلہ سے مراد وہ دعا ہے جو نبی ﷺ نے دشمن کی ہلاکت خیزیوں سے نجات پانے، دشمن کا زور توڑنے اور اس کے تباہ ہونے کے لیے پڑھی ہے۔ اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس کا اہتمام کیا، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مسلمان قیدیوں کی نجات اور اہلِ کفر کی ہلاکت کے لیے متواتر ایک مہینہ تک عشاء کی نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے یہ دعا نہ پڑھی تو میں نے آپ ﷺ سے نہ پڑھنے کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’کیا تم دیکھتے نہیں کہ مسلمان قیدی رہا ہو کر آ گئے ہیں۔‘‘ (ابوداود: ج۱، ص۲۱۱)

رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ ذیل میں چند ایک دعاؤں کا انتخاب لکھا جاتا ہے۔ خواہ یہ سب دعائیں پڑھی جائیں۔ خواہ ان میں سے بعض کا انتخاب کر لیا جائے۔ بہر حال ان مسنون دعاؤں سے دعا کریں اور مقتدی پیچھے آمین کہیں۔

قنوت، رکوع سے پہلے یا بعد دونوں طرح درست ہے، اکثر صحیح روایات رکوع کے بعد تائید کرتی ہیں۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

"رواۃ القنوت بعد الرکوع أکثر وأحفظ". (فتح الباری)

"وہ راوی جنہوں نے رکوع کے بعد کا ذکر کیا ہے وہ تعداد میں
بھی اور حفظ و اتقان میں بھی زیادہ ہیں۔"

اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡ لَنَا وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنَاتِ، وَالۡمُسۡلِمِیۡنَ
اے اللہ! ہم کو بخش دے اور تمام مومن مردوں کو اور مومن عورتوں کو مسلمان مردوں کو اور
وَالۡمُسۡلِمَاتِ، وَاَلِّفۡ بَیۡنَ قُلُوۡبِھِمۡ وَاَصۡلِحۡ ذَاتَ بَیۡنِھِمۡ
مسلمان عورتوں کو اور الفت ڈال درمیان انکے دلوں کے اور سنوار دے انکے آپس کے
وَانۡصُرۡھُمۡ عَلٰی عَدُوِّكَ وَعَدُوِّھِمۡ ○ اَللّٰھُمَّ الۡعَنِ الۡكَفَرَةَ
معاملے اور مدد کر انکی اوپر اپنے دشمنوں کے اور انکے دشمنوں کے۔ اے اللہ! اپنی درگاہ سے
الَّذِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِكَ وَیُكَذِّبُوۡنَ رُسُلَكَ
دور کر کافروں کو جو روکتے ہیں تیرے رستے سے اور جھٹلاتے ہیں تیرے رسولوں کو۔
وَیُقَاتِلُوۡنَ اَوۡلِیَآءَكَ ○ اَللّٰھُمَّ خَالِفۡ بَیۡنَ كَلِمَتِھِمۡ
اور لڑائی کرتے ہیں تیرے دوستوں سے۔ اے اللہ! مخالفت ڈال ان کی بات میں
وَزَلۡزِلۡ اَقۡدَامَھُمۡ وَاَنۡزِلۡ بِھِمۡ بَاۡسَكَ الَّذِیۡ لَا تَرُدُّهٗ
اور ہلا دے ان کے قدموں کو اور نازل کر ان پر عذاب اپنا جو کہ تو نہیں ہٹایا کرتا
عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ○ (بیہقی: ج ۲، ص ۲۱۰)

مجرم لوگوں سے۔

دوسری دعا:

اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا
اے اللہ! ہمیں زیادہ کر اور کم نہ کر، اور عزت دے ہم کو اور ہمیں ذلیل نہ کر اور ہم کو دے
وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا
اور محروم نہ رکھ ہم کو مقدم کر اور نہ مقدم کر اوپر ہمارے دوسروں کو
وَارْضِنَا وَارْضَ عَنَّا ○ (مشکوٰۃ: ص۲۱۹)
اور راضی کر ہم کو اور راضی ہو ہم سے۔

تیسری دعا:

اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ
اے اللہ! جو تو کتاب (قرآن مجید) کا نازل کرنیوالا ہے اور بادل کا چلانیوالا ہے اور جماعتوں کو
الْاَحْزَابِ اِهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ ○ (بخاری: ج۲، ص۱۰۶۲)
بھگانیوالا ہے شکست دے (قوم کفار کو) اور کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما۔

چوتھی دعا:

اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ
اے اللہ! ہمارا انجام سب کاموں میں نیک کر اور ہم کو پناہ دے دنیا کی خواری
الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ ○ (مسند احمد: ج۴، ص۱۸۱)
اور آخرت کے عذاب سے۔

* * *

نمازِ تراویح

نمازِ تراویح کوئی الگ نماز نہیں۔ یہ وہی نماز ہے جس کا حکم سورۂ مزمل ﴿قُمِ الَّیْلَ﴾ میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کی تعمیل رمضان اور غیر رمضان میں ہمیشہ کیا کرتے تھے۔ اختلافِ اضافت کے سبب اس کے مختلف نام ہیں، رات کو عشاء کے بعد پڑھی جانے کے سبب اس کا نام صلوٰۃ تراویح ہے۔ اور نیند سے بیدار ہو کر اٹھنے کے سبب اس کا نام قیام اللیل اور تہجد ہے۔ اور چونکہ اس کی مجموعی رکعات طاق، یعنی وِتر ہیں۔ اس لیے اسے نمازِ وتر بھی کہتے ہیں۔ اور رمضان شریف کی وجہ سے اس کا نام قیامِ رمضان بھی ہے۔ چونکہ اس کی ہر چار رکعات کے بعد تھوڑا سا آرام کر لیا جاتا ہے۔ اس لیے اس کا نام نمازِ تراویح پڑ گیا۔ اور یہی عرف عام میں بولا جانے لگا۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ نام معروف نہیں ہوا۔ بلکہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ نماز رات کے پہلے حصے میں بھی پڑھی ہے اور درمیان میں بھی پڑھی ہے۔ ہاں آپ ﷺ اکثر اوقات نیند توڑ کر رات کے پچھلے حصے میں پڑھا کرتے تھے۔ جیسا کہ سورۂ مزمل اور کتبِ احادیث میں مذکور ہے۔

نمازِ تراویح گیارہ رکعت ہی سنت ہے:

اس میں اختلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عام قیامِ لیل یا صلوٰۃِ لیل یا نمازِ تہجد یا نمازِ وتر کی تعداد گیارہ رکعات ہوا کرتی تھیں۔ اس میں رمضان اور غیر رمضان کی تفریق نہ تھی۔

① اسی معنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث:

"ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی إحدی عشرة رکعة". (بخاری، باب قیام رمضان: ج۱، ص۲۶۰)

”رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔“

پس ثابت ہوا کہ نمازِ تراویح یا قیامِ رمضان کی رکعات کی تعداد گیارہ تھی۔ اسی وجہ سے امام محمدؒ اپنی موطأ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو ”باب قیام شہر رمضان“ کے تحت لائے ہیں۔ (ص ۱۴۱)

② حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”صلى بنا رسول الله ﷺ في شهر رمضان ثمان ركعات ثم أوتر“. (قيام الليل: ص ۱۵۷)

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رمضان کے مہینے میں آٹھ رکعت جماعت کے ساتھ پڑھائیں، پھر وتر پڑھے۔“

③ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا:

”يا رسول الله إنه كان مني الليلة شيء يعني في رمضان. قال: وما ذاك يا أبي؟ قال: نسوة في داري قلن إنا لا نقرأ القرآن فنصلي بصلاتك؟ فصليت بهن ثماني ركعات وأوترت، فكانت سنة الرضا ولم يقل شيئا“.

(قیام اللیل: ص ۱۵۵، فقہ السنہ: ج ۱، ص ۲۰۶)

”یا رسولؐ اللہ! مجھ سے آج رات ایک بات ہوگئی۔ فرمایا کیا؟ کہا، یا رسولؐ اللہ! ہماری حویلی کی عورتیں جمع ہوکر کہنے لگیں کہ ہم قرآن مجید نہیں پڑھ سکتیں۔ پس ہم تیری نماز کے ساتھ نماز پڑھیں گی۔ پس میں نے ان کو آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے۔ بس آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ لہٰذا اس سے آپ ﷺ کی رضا ثابت ہوگئی۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم:

④ حضرت سائب بن یزید کہتے ہیں کہ:

"أمر عمر بن الخطاب أبي بن كعب وتميما الداري أن يقوما للناس بإحدى عشرة ركعة". (موطأ امام مالك: ص۹۸)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں نمازِ تراویح کی جماعت مقرر کی اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح اور وتر پڑھائیں۔''

یہ امر بالاتفاق مُسلَّم ہے کہ تعدادِ رکعات وغیرہ مقادیر شرعیہ کا تقرر بغیر نص کے جائز نہیں۔ (فتاوی مولانا عبدالحی: ج۱، ص۸)

لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم کی بنا کسی نص پر ہونی ضروری ہے۔ اور وہ سوائے رسول اللہ ﷺ کی عام عادت جس کی شہادت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ اور سوائے ان تین راتوں کے جن کی شہادت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آٹھ رکعات اور تین وتر پڑھائے، دیگر کوئی نہیں۔ پس اگر آپ، رسول اللہ ﷺ کی عام عادت کی دلیل گردانیں تو قیامِ لیل اور قیامِ رمضان اور نمازِ تہجد اور تراویح کو ایک ہی ماننا پڑے گا۔ کیونکہ جس طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے تین رات کے قیام میں حاضر تھے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس میں حاضر تھے۔ تب ہی وہ گیارہ رکعات کا حکم فرماتے تھے۔ وگرنہ ان کے سوا کوئی اور دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے امر کی بتانی پڑے گی، جو نہیں ہے۔

جماعت مقرر کرنے اور گیارہ رکعات کا حکم صادر کرنے کے بعد جب پھر ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دورہ کرتے ہوئے مسجد نبوی ﷺ کی طرف آئے تو لوگوں کو نمازِ تراویح میں مشغول دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ لیکن اتنا فرما گئے کہ

رات کے جس حصہ میں تم سو رہتے ہو' یعنی آخری رات' وہ بہتر ہے اس سے' جس میں تم قیام کرتے ہو۔ اور اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ لوگ رات کے پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔ (موطأ امام مالک: ص ۹۸)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر ؓ کی نظر میں یہ پہلے وقت کا قیام اور پچھلے وقت کا قیام ایک ہی نماز ہے۔ فرق صرف فضیلت اور وقت کا ہے۔ نمازیں دو نہیں ہیں۔

تراویح اور تہجد ایک ہی چیز ہیں:

ذیل میں علمائے احناف کی چند ایک تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

① مولانا انور شاہ فرماتے ہیں:

> "میرے نزدیک مختار بات یہ ہے کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔ اگر رات کے شروع حصہ میں پڑھی جائے تو تراویح کہلاتی ہے۔ اور اگر رات کے آخری حصہ میں پڑھی جائے تو اس کو تہجد کہتے ہیں۔" (فیض الباری: ج ۲' ص ۴۲)

② مولانا عبدالحی فرماتے ہیں:

> "قیامِ لیل' یعنی نماز تہجد اور قیام رمضان (نماز تراویح) کی نماز ایک ہی ہے۔ اور جن تین راتوں میں رسول اللہ ﷺ نے نمازِ تراویح باجماعت پڑھائی۔ ان میں نماز تہجد کا الگ پڑھنا حضرت عائشہ ؓ یا دیگر کسی صحابی ؓ سے ہرگز ہرگز منقول نہیں۔" (فتاوی مولانا عبدالحی: ج ۱' ص ۲۹۸)

گیارہ رکعت تراویح پر تمام صحابہ ؓ کا اجماع ہے:

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت عمر ؓ کے عہد میں ہزارہا صحابہ ؓ موجود تھے۔ حضرت عمر ؓ کے گیارہ رکعات کا حکم دینے پر کسی ایک نے

بھی انکار نہیں کیا۔ اور نہ بیس کی شہادت دی۔ پس جب اس امر فاروقی پر ان کا عمل شروع ہو گیا تو گیارہ کی تعداد پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ثابت ہو گیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مردوں کا امام مقرر کیا تھا۔ وہ خود زمانہ رسالت ﷺ میں رمضان شریف کی راتوں میں اپنے محلّہ کی عورتوں کو آٹھ رکعات اور وتر با جماعت پڑھا کر دربارِ رسالت میں اس کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ جس پر آپ ﷺ نے سکوت فرمایا اور اسی روایت میں ہے کہ ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کا سکوت رضامندی کی علامت ہے۔

(الفتح الربانی: ج۵، ص۱۵)

شیخ ابن ہمامؒ حنفی کا فیصلہ: ائمہ احناف میں شیخ ابن ہمامؒ بہت بڑے محقق امام گزرے ہیں، نماز تراویح کی پوری بحث لکھنے کے بعد بطور فیصلہ تحریر فرماتے ہیں:

> "قیام رمضان جو سنت ہے وہ تو وتر سمیت گیارہ ہی رکعت ہیں۔ جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے فعل سے با جماعت ادا کیا۔ لہٰذا بیس رکعت تو مستحب ہوں گی اور بیس میں سے وہ مقدار (آٹھ رکعت) ہی سنت ہے۔" (فتح القدیر: ص۱۹۸، نور الہدایہ: ج۱، ص۱۲۴)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

> "إن قام رمضان سنة إحدى عشرة بالوتر في جماعة فعله ﷺ". (مرقاۃ: ج۳، ص۱۹۴)

> "یعنی تراویح فعلِ رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعت ہی ہے۔"

حاشیہ ہدایہ میں ہے کہ:

> "سنت تو صرف وہی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ کیا ہو۔ اس تعریف پر مقدار مذکورہ آٹھ رکعت ہی سنت ہو گی۔"

(ہدایہ: ج۱، ص۱۲۴)

نمازِ چاشت یا اِشراق کا بیان

جس طرح عشاء کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک کے طویل وقفہ میں کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے۔ لیکن اس درمیان میں تہجد کی نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اسی طرح فجر سے لے کر ظہر کے طویل وقفہ میں بھی کوئی نماز فرض نہیں کی گئی۔ مگر اس درمیان میں صلوٰۃ الضحیٰ کے نام سے کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اگر یہ رکعات طلوع آفتاب کے تھوڑی ہی دیر کے بعد پڑھی جائیں تو ان کو اِشراق کہا جاتا ہے اور دن اچھی طرح چڑھنے کے بعد اگر پڑھی جائیں تو ان کو چاشت (ضحیٰ) کہا جاتا ہے۔

ان حضرات کے نزدیک اشراق اور چاشت دو الگ الگ نمازیں ہیں، اور کچھ دوسرے علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ دو نمازیں نہیں۔ بلکہ ایک ہی نماز ہے خواہ اچھی طرح دن چڑھنے کے بعد پڑھی جائے یا طلوع آفتاب کے تھوڑی دیر بعد۔ مگر یہ یاد رہے کہ اچھی طرح دن چڑھے کے بعد پڑھنا افضل ہے۔ (مرعاۃ المفاتیح: ج ۲، ص ۲۴۰)

بدن کی سلامتی کا صدقہ:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”تم میں سے ہر شخص کے جوڑ جوڑ پر صبح کو صدقہ ہے۔ (یعنی صبح کو جب آدمی اس حالت میں اٹھتا ہے کہ اس کے ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء ان کا ہر جوڑ صحیح سلامت ہے تو اللہ کی اس نعمت کے شکر میں ہر جوڑ کی طرف سے اس کو صدقہ، یعنی کوئی نیکی اور ثواب کا کام کرنا ہے۔ اور ایسے کاموں کی فہرست بہت وسیع ہے) پس

ایک دفعہ ‘‘سُبْحَانَ اللّٰہِ’’ کہنا بھی صدقہ ہے۔ اور ‘‘اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ’’ کہنا بھی صدقہ ہے اور ‘‘لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ’’ کہنا بھی صدقہ ہے اور ‘‘اَللّٰہُ اَکْبَرُ’’ کہنا بھی صدقہ ہے اور نیکی کا حکم دینا بھی صدقہ ہے اور برائی سے منع کرنا بھی صدقہ ہے اور اس شکر کی ادائیگی کے لیے دو رکعات کافی ہیں جو چاشت کے وقت پڑھی جائیں۔’’

(مسلم: ج۱، ص۲۵۰)

ایک دوسری حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں۔ ہر جوڑ پر اس کے ذمہ صدقہ لازم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اپنے ہر جوڑ کی طرف سے شکرانہ کا جو صدقہ ہر روز صبح کو ادا کرنا چاہیے، چاشت کی دو رکعات پڑھنے سے وہ پوری طرح ادا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس مختصر شکرانہ کو اس کے ہر جوڑ کی طرف سے قبول فرما لیتا ہے۔ اور غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ نماز ایسی عبادت ہے جس میں انسان کے سارے اعضاء اور اس کے تمام جوڑ اور اس کا ظاہر و باطن سب ہی شریک رہتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی خصوصی وصیت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے محبوب ﷺ نے مجھے تین باتوں کی خاص وصیت فرمائی ہے:

‘‘ہر مہینے میں تین دن کے روزے۔ اور چاشت کی دو رکعات۔ اور تیسرے یہ کہ میں سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لیا کروں۔’’

(مسلم: ج۱، ص۲۵۰)

اِشراق پڑھنے کا افضل طریقہ:

اگر کسی کو فراغت ہو تو اشراق پڑھنے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ فجر کی نماز پڑھ کر وہیں بیٹھا رہے۔ یہاں تک کہ چاشت کی نماز سے فارغ ہو کر گھر لوٹے۔

(مرعاۃ: ج۲، ص۲۴۰)

رکعات کی تعداد:

حضرت ابودرداء اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> ''اے فرزند آدم! تو دن کے ابتدائی حصہ میں چار رکعات میرے لیے پڑھا کر، میں دن کے آخری حصے تک تجھے کفایت کروں گا۔'' (ترمذی: ج ۱، ص ۱۰۸)

حضرت معاذہ عدویہؒ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز کتنی رکعت پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا:

> ''چار رکعات اور اس سے زیادہ جتنی اللہ چاہتا۔'' (مسلم: ج ۱، ص ۲۴۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب چاشت کی نماز پڑھتے تھے تو اکثر چار رکعت پڑھتے اور کبھی کبھی اس سے زیادہ بھی پڑھتے۔ لیکن خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معمول آٹھ رکعت پڑھنے کا تھا اور ان کو یہ رکعات اتنی محبوب تھیں کہ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں:

> ''لو نشر لی أبوای ما ترکتها''. (موطأ امام مالك: ص ۱۳۶)

> ''اگر میرے والدین پھر سے دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو ان کی زیارت وملاقات پر مسرت مشغولیت میں بھی میں ان رکعات کو نہیں چھوڑوں گی۔''

تحیۃ المسجد:

تحیۃ المسجد سے مراد وہ نماز جو مسجد میں داخل ہونے کے لیے پڑھنا مسنون ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

> ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں جائے تو جب تک دو رکعت نہ

پڑھ لے نہ بیٹھے۔" (بخاری: ج ۱، ص ۶۳)

مسجد چونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تعمیر کی جاتی ہے اس لیے اس کی تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں داخل ہوتے ہی آدمی اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جائے اور اگر کوئی داخل ہونے کے بعد فرض نماز پڑھ لے تو وہی تحیۃ المسجد کے قائم مقام بھی ہو جائے گی۔

تحیۃ الوضوء:

وضو سے فارغ ہو کر دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے۔ اور اس کو تحیۃ الوضوء کہتے ہیں، اور حدیث میں اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

> "جو شخص اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پورے خلوص سے پڑھے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔" (مسلم: ج ۱، ص ۱۲۲)

نوافلِ سفر:

سفر کے لیے روانہ ہوتے وقت بھی سنت ہے کہ آدمی گھر سے دو رکعت نماز پڑھ کر نکلے۔ اور سفر سے واپس آنے پر بھی سنت ہے کہ دو رکعت نماز مسجد میں ادا کرنے کے بعد آدمی گھر میں داخل ہو۔ نبی ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز ادا فرما لیتے تھے، نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> "کوئی شخص اپنے گھر میں ان دو رکعات سے بہتر کوئی چیز اپنے پیچھے نہیں چھوڑتا جو سفر کرتے وقت پڑھی جاتی ہیں۔"

(کتاب الاذکار: ص ۱۹۴)

نمازِ تسبیح:

اس نماز کو نمازِ تسبیح اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی ہر رکعت میں پچھتر مرتبہ یہ

تسبیح پڑھی جاتی ہے:

"سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر".

"پاک و برتر ہے اللہ اور ساری حمد و تعریف اسی کے لیے ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ نماز خاص طور پر اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سکھائی تھی، فرمایا:

"اس سے اگلے پچھلے، نئے پرانے، چھوٹے بڑے، پوشیدہ، ظاہر دانستہ اور غیر دانستہ کئے ہوئے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔"

(ابوداود: ج۱، ص۱۹۱)

کتب احادیث میں صلوٰۃ تسبیح کی تعلیم و تلقین رسول اللہ ﷺ سے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی گئی ہے۔ امام ترمذیؒ نے رسول اللہ ﷺ کے خادم اور آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی روایت اپنی سند سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور فضل ابن عباس رضی اللہ عنہم نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ (ترمذی: ج۱، ص۱۰۹)

حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب "الخصال المكفرة" میں ابن جوزیؒ کا رد کرتے ہوئے صلوٰۃ تسبیح کی روایات اور ان کی سندی حیثیت پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔ اور ان کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث کم از کم "حسن" یعنی صحت کے لحاظ سے درجہ دوم کی ضرور ہے۔

نمازِ تسبیح پڑھنے کا طریقہ:

چار رکعت کی نیت باندھے۔ اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورت پڑھے۔ جب سورت پڑھ کر فارغ ہو تو قیام میں پندرہ دفعہ "سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر" پڑھے۔ پھر رکوع میں

دس مرتبہ' پھر رکوع سے سر اٹھا کر دس دفعہ' پھر پہلے سجدہ میں دس مرتبہ' پھر سجدوں کے درمیان دس مرتبہ' پھر دوسرے سجدے میں دس دفعہ' پھر سجدے سے سر اٹھا کر جلسہ استراحت میں دس دفعہ۔ یہ کل ایک رکعت میں پچھتر ہوئے۔ اس کے بعد ہر رکعت میں اسی طرح پچھتر پورے کرے۔ (مشکوۃ: ج۱' ص۱۱۷)

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ چار رکعت ہے اور رات کو اگر پڑھے تو بہتر یہ ہے کہ دو دو کر کے پڑھے۔ اور اگر دن کو پڑھے تو اختیار ہے کہ اکٹھی پڑھے یا دو دو۔ پہلے ارکان کے وظائف پڑھے۔ بعد میں یہ تسبیح پڑھے۔ اگر اس نماز میں بھول جائے تو سہو کے سجدے عام سجدوں کی طرح کیے جائیں اور ان میں مذکورہ تسبیحات پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (جزء القراءۃ: ص۷۷)

تنبیہ: بعض مقامات پر نمازِ تسبیح با جماعت پڑھنے کا رواج ہے۔ حالانکہ با جماعت پڑھنے کا حدیث میں ثبوت نہیں ہے۔ اس لیے یہ نماز انفرادی طور پر پڑھنی چاہیے۔ با جماعت ادا کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ نماز ہر روز پڑھی جائے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو ہر جمعہ میں ایک مرتبہ' وگرنہ ہر سال میں ایک مرتبہ' ورنہ عمر میں ایک مرتبہ پڑھ لینی چاہیے۔

نمازِ توبہ:

انسان خطا کار ہے' جب کوئی گناہ ہو جائے تو نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑانے اور اپنے گناہ کی معافی مانگنے کے لیے دو رکعت نفل پڑھنا مسنون ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''کسی مسلمان سے کوئی گناہ ہو جائے' پھر وہ وضو کر کے دو رکعت نفل نماز ادا کر کے اللہ سے استغفار کرے' تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت

تلاوت فرمائی:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝١٣٥﴾ (آل عمران)

”اور ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ اگر کبھی ان سے کوئی فحش کام سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو فوراً اللہ انہیں یاد آ جاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہے اور وہ دیدہ ودانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔“ (ابن کثیر: ج ۲، ص ۳۹۰)

نمازِ حاجت:

انسان ہر طرح سے محتاج پیدا ہوا ہے، ہر طرح کی ضرورتیں اسے گھیرے ہوئے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے حاجت روائی کے لیے صلوٰۃ حاجت تعلیم فرمائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں پوری کرنے کا بہترین اور معتمد ترین طریقہ یہی ہے۔ اس نماز کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ خواہ دن یا رات میں کسی وقت پڑھے۔ صرف مکروہ اوقات سے بچنا چاہیے۔

نماز کا طریقہ:

اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف یا کسی بندے کی طرف کسی قسم کی حاجت ہو تو پہلے اچھی طرح وضو کرے۔ پھر دو رکعت نماز پڑھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے۔ مثلاً سورۂ فاتحہ پڑھے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے۔ پھر درود شریف پڑھے۔ پھر یہ دعا پڑھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بڑے حلم والا اور بڑا کریم ہے، پاک ومقدس ہے

رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

وہ اللہ جو عرش عظیم کا بھی رب اور مالک ہے، ساری حمد وستائش اللہ کے لیے

الْعَالَمِيْنَ، اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَآئِمَ

جو سارے جہان کا رب ہے، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان اعمال اور ان اخلاق واحوال کا جو تیری رحمت

مَغْفِرَتِكَ وَالْعِصْمَةَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ،

کا موجب اور وسیلہ اور تیری بخشش کا پکا ذریعہ بنیں، اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے

وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ، لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ

اور حصہ لینے کا اور ہر گناہ اور معصیت سے حفاظت اور سلامتی کا، خداوند میرے سارے ہی گناہ بخش دے

وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا

اور میری ہر فکر وپریشانی دور کر دے اور میری ہر حاجت جس سے تو راضی ہو اس کو پورا فرما دے،

يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ○ (مشکوٰۃ: ص ۱۱۷)

اے سب مہربانوں سے بڑے مہربان۔

اس دعا کے بعد جو ضرورت اور حاجت درپیش ہو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی جائے۔ یہ نماز حاجت روائی کے لیے مجرب ہے۔

نوٹ: یہ روایت سنداً کمزور ہے۔

نمازِ استخارہ:

استخارہ کے معنی ہیں خیر اور بھلائی چاہنا۔ جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہو، مثلاً کہیں نکاح کا پیغام بھیجنا، آئے ہوئے پیغام کو قبول یا رد کرنا، کسی سفر پر روانہ ہونا، کوئی نیا کاروبار شروع کرنا، کسی سے کوئی معاملہ یا معاہدہ کرنا، کسی مکان، دکان یا زمین کو خریدنا، یا فروخت کرنا، کسی ملازمت سے علیحدگی اختیار کرنا

یا ملازمت کے لیے درخواست دینا یا قبول کرنا وغیرہ۔ اور ذہن متردد ہو کہ معلوم نہیں کس پہلو کو اختیار کرنے میں میرے لیے بھلائی اور خیر ہے تو ایسی صورت میں قلب کو کسی پہلو پر مطمئن اور یکسو کرنے کے لیے استخارہ کرنا سنت ہے۔ استخارے کے بعد جس فیصلے کی طرف قلب کا میلان اور طبیعت کی رغبت محسوس ہو' ان شاء اللہ اس کو اختیار کرنے میں کبھی نامرادی نہ ہوگی۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

> ”استخارہ کرنے والا کبھی نامراد نہیں ہوتا اور مشورہ کرنے والا کبھی پشیمان نہیں ہوتا۔ اور کفایت سے کام لینے والا کبھی کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔“ (مجمع الزوائد: ج۲' ص۲۸۰)

استخارہ کا طریقہ:

استخارے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی اہم کام درپیش ہو اور ذہن کو کسی ایک رخ پر یکسوئی نہ ہو تو مکروہ اوقات کے علاوہ جب بھی موقع ہو دو رکعت نفل پڑھے۔ پھر یہ دعا پڑھے۔ خواہ التحیات میں یا سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر یا بغیر ہاتھ اٹھائے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ

اے اللہ! تجھ سے تیرے علم کے ذریعہ خیر مانگتا ہوں' تیری قدرت کے ذریعے تجھ سے

وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَآ اَقْدِرُ

تیرے زبردست فضل وکرم کا سوال کرتا ہوں' اسلئے کہ تو قدرت والا ہے اور مجھے قدرت نہیں

وَتَعْلَمُ وَلَآ اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ اَللّٰهُمَّ اِنْ

اور تو علم والا ہے اور مجھے علم نہیں اور تو غیب کی ساری باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اے اللہ!

كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ

اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے بہتر ہے' میرے دین اور دنیا کے لحاظ سے

وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ اَوْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِیْ
اور انجام کے لحاظ سے تو میرے لیے اسے مقدر فرما‘
وَيَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِيْهِ‘ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ
اور میرے لیے اسکو آسان کر‘ اور میرے لیے اسکو مبارک بنا دے۔ اور اگر تیرے علم میں
اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَدُنْيَایَ وَمَعَاشِیْ
یہ کام میرے لیے برا ہے‘ میرے دین اور دنیا کے لحاظ سے
وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ اَوْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ
اور انجام کے لحاظ سے‘ تو تو اس کو مجھ سے دور رکھ‘
عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ‘
اور مجھے اس سے بچائے رکھ‘ اور میرے لیے مقدر کر خیر جہاں کہیں بھی ہو۔
ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ ○ (مشکوٰۃ: ص١١٦)
اور پھر مجھے اس پر راضی اور مطمئن کر دے۔

یہ استخارہ کا مسنون طریقہ ہے‘ خواہ ایک دن کرے یا زیادہ‘ کوئی بڑا اہم معاملہ ہو تو تین دن بھی کر سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیت اللہ شریف کی نئے سرے سے تعمیر کے لیے تین دن تک استخارہ کیا تھا۔ حدیث میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ اللہ کی راہنمائی بندے کو کس طرح حاصل ہوگی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سو جانا چاہیے تا کہ نیند میں اس کو پتہ لگ جائے کہ یہ کام بہتر ہے یا نہیں۔ بیداری میں بھی دل کا میلان اور رجحان ایک طرف ہو سکتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود بخود اس کام کے کرنے کا جذبہ اور داعیہ دل میں بڑھ جاتا ہے۔ یا اس کے برعکس اس کی طرف سے دل بالکل ہٹ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ان دونوں کیفیتوں کو منجانب اللہ اور دعا کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ اور

اگر استخارہ کے بعد تذبذب کی کیفیت رہے تو استخارہ بار بار کیا جائے' اور جب تک کسی طرف رجحان نہ ہو جائے' اقدام نہ کیا جائے۔

نوٹ: دعائے استخارہ میں "ھذا الامر" کی جگہ اس کا نام صراحت سے لینا چاہئے جس کے لیے استخارہ کیا جا رہا ہے۔

نمازِ عیدین کا بیان

عید کے دن مسنون کام:

عید کے دن مندرجہ ذیل کام کرنے مسنون ہیں:

① عید کے دن غسل کرنا مستحب ہے'...... ② عمدہ لباس پہننا' (جو بھی میسر ہو' چاہے نیا ہو یا دھلا ہوا)'...... ③ خوشبو استعمال کرنا'...... ④ عید گاہ جانے سے پہلے ہی صدقۃ الفطر ادا کر دینا۔...... ⑤ عید الفطر میں عید گاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا۔...... ⑥ عید الاضحیٰ کے دن بھی وہ سارے کام مسنون ہیں جو عید الفطر کے دن مسنون ہیں۔ البتہ ایک بات میں فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ جانے سے پہلے کچھ نہ کھانا مسنون ہے۔ (تلخیص الحبیر: ج ۲' ص ۸۴)

عیدین کی نماز کا وقت:

رسول اللہ ﷺ کی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے وقت کے بارے میں سب سے زیادہ واضح حدیث وہ ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے "تلخیص الحبیر" میں احمد بن حسن البناء کی کتاب الاضاحی کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت جُندب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:

"رسول اللہ ﷺ عید الفطر کی نماز ہم لوگوں کو ایسے وقت

پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر دو نیزے کے بلند ہوتا تھا۔ اور عیدالاضحیٰ کی نماز ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر ایک نیزہ کے ہوتا تھا۔“

اس نماز کے لیے نہ اذان ہے اور نہ تکبیر۔ اور اس میں خطبہ، جمعہ کے خطبہ کی طرح ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے ہے اور عید کا خطبہ نماز کے بعد ہے۔

تکبیراتِ عید:

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دِنوں میں خصوصیت سے تکبیرات بہت پڑھنی چاہئیں۔ رمضان المبارک کے آخری تاریخ کو سورج غروب ہونے سے تکبیروں کا آغاز ہو جاتا ہے، پھر جب امام نماز کے لیے نکلے تو تکبریں ختم کر دینی چاہئیں۔ (کتاب الام: ج ۲، ص ۲۰۵)

عیدالاضحیٰ کے لیے نویں ذی الحجہ کی فجر کی نماز سے تیرہ ذی الحجہ کی عصر تک تکبیریں پڑھنی چاہئیں، خاص کر نمازوں کے بعد زیادہ خیال رہے۔

تکبیراتِ عید کے الفاظ:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ○

فتح الباری میں تکبیرات کے الفاظ اس طرح بھی آئی ہیں:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا، سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا○ (ج ۲، ص ۳۶۲)

نمازِ عیدین پڑھنے کا طریقہ:

اس نماز کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ باوضو ہو کر کھڑے ہو جائیں۔ اور

اللہ اکبر کہتے ہوئے کانوں تک یا کندھوں تک رفع الیدین کریں۔ (بخاری) پھر سینے پر ہاتھ باندھ کر دعائے افتتاح "اللھم باعد بینی......الخ". پڑھیں، پھر دعائے افتتاح ختم کر کے قراءت سے پہلے ٹھہر ٹھہر کر سات تکبیریں کہیں۔ (ترمذی: ج۱، ص۱۱۹) ہر تکبیر پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ (تلخیص: ج۲، ص۸۴) پھر امام اونچی آواز سے سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت پڑھے۔ پہلی رکعت پڑھ کر آپ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوں اور قیام کی تکبیر کہہ چکیں تو قراءت شروع کرنے سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔ (ترمذی: ج۱، ص۱۱۹)

عیدین کی نماز میں قراءت:

نمازِ عید میں ویسے تو جو سورت یاد ہو پڑھ سکتا ہے، مگر مندرجہ ذیل سورتیں پڑھنی مسنون ہیں۔

سورۂ اعلیٰ اور غاشیہ، یا سورۂ ق اور قمر، یا سورۂ نبأ اور شمس۔ (ترمذی: ج۱، ص۷۰)

نماز عیدین سے پہلے یا بعد کوئی نماز نہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

> ”رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر کے دن دو رکعت نماز پڑھی اور اس سے پہلے یا بعد آپ ﷺ نے کوئی نفلی نماز نہیں پڑھی۔“

(بخاری: ج۱، ص۱۳۵)

عیدگاہ کی طرف آمد و رفت میں راستہ کی تبدیلی:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ عید کے دن راستہ بدل دیتے تھے۔ (بخاری: ج۱، ص۱۳۴)

قربانی کا وقت:

عید الاضحیٰ کے دن عید کی نماز پڑھنے کے بعد قربانی کریں۔ (مشکوٰۃ: ج۱، ص۱۲۹)

نمازِ عید میں خواتین کی شرکت:

پانچ نمازوں اور جمعہ میں خواتین کی شمولیت کی صرف اجازت ہے اور افضل گھروں میں پڑھنا ہے۔ لیکن عیدین کی نماز میں شمولیت کی تاکید آئی ہے۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ:

> ”ہم کنواری اور جوان لڑکیوں، پردہ نشین خواتین اور ان خواتین کو بھی جو حالتِ حیض میں ہوں۔ عیدگاہ لے جایا کریں۔ البتہ وہ خواتین جو حالتِ حیض میں ہوں عیدگاہ میں نماز کی جگہ سے الگ بیٹھیں اور تکبیریں کہتی رہیں اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک رہیں۔ میں نے پوچھا، یا رسول اللہ! بعض خواتین کے پاس چادر وغیرہ میسر نہیں ہوتی؟ (وہ کیسے عیدگاہ جائیں؟) فرمایا: جس خاتون کے پاس چادر ہو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی بہن کو چادر میں لے چلے۔“ (بخاری: ص ۱۳۴)

بارش کی وجہ سے عید کی نماز مسجد میں:

عید کی نماز کھلے میدان میں پڑھنی مسنون ہے، ہاں اگر بارش وغیرہ کا عذر ہو تو مسجد میں بھی جائز ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> ”ایک دفعہ عید کے دن بارش ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عید کی نماز مسجد نبوی ﷺ ہی میں پڑھائی۔“ (ابوداود: ج ۱، ص ۱۷۱)

نوٹ: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

سورج اور چاند گرہن کی نماز کا بیان

سورج یا چاند کا گرہن میں آ جانا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ اور اس کے جلال وجبرُوت کی ان نشانیوں میں سے ہے جن کا کبھی کبھی ظہور ہوتا ہے، اور جن کا حق ہے کہ جب ان کا ظہور ہو تو اللہ کے بندے عاجزی کے ساتھ اس قادر وقہار کی عظمت وجلال کے سامنے جھک جائیں۔ اور اس سے رحم وکرم کی بھیک مانگیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ٹھیک اس دن جس دن آپ ﷺ کے شیر خوار صاحبزادے ابراہیم کا قریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں انتقال ہوا تھا، سورج کو گرہن لگا۔

عربوں میں زمانۂ جاہلیت کے توہمات میں سے ایک یہ خیال بھی تھا کہ بڑے آدمیوں کی موت پر سورج گرہن لگتا ہے اور گویا وہ اس کے ماتم میں سیاہ چادر اوڑھ لیتا ہے۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے دن سورج کے گرہن میں آ جانے سے اس توہم پرستی اور غلط عقیدہ کو تقویت پہنچ سکتی تھی۔ بلکہ بعض روایات میں ہے کہ کچھ لوگوں کی زبانوں پر یہ بات آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت غیر معمولی خشیت اور انتہائی فکر مندی کے ساتھ اللہ کے حضور میں جماعت سے دو رکعت نماز پڑھی۔ یہ نماز بھی غیر معمولی قسم کی تھی۔ آپ ﷺ نے اس میں بہت طویل قراءت کی۔ اور قراءت کے دوران آپ ﷺ نے کئی رکوع کیئے۔ اس طرح اس نماز میں آپ ﷺ نے رکوع اور سجدے بھی بہت طویل کیئے اور اثناء نماز میں دعا بھی بہت اہتمام اور ابتہال کے ساتھ کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور اس میں خاص طور سے اس غلط خیال کی تردید کی کہ سورج یا چاند کو گرہن کسی بڑے آدمی کی موت کی وجہ سے لگتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ محض جاہلانہ توہم پرستی ہے جس کی کوئی اصل وبنیاد نہیں۔ یہ تو

دراصل اللہ کی قدرت وسطوت اور اس کے جلال وجبروت کی نشانی ہے۔ جب ایسی کسی نشانی کا ظہور ہو تو عاجزی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اس کی عبادت اور اس سے دعا کرنی چاہیئے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”هذه الآيات التي يرسل الله عز وجل لا تكون لموت أحد ولا لحياته ولكن يخوف الله بها عباده فإذا رأيتم شيئا من ذلك فافزعوا إلى ذكره ودعائه واستغفاره“.

(بخاری: ج۱ ص۱۴۵)

”یہ نشانیاں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے، یہ کسی کی موت وحیات کی وجہ سے واقع نہیں ہوتیں۔ بلکہ بندوں کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کرنے کے لیے ظاہر ہوتی ہیں۔ جب تم ایسی کوئی چیز دیکھو تو خوف اور فکر کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اس کو یاد کرو اور اس سے دعاء استغفار کرو۔“

نماز کا طریقہ:

گرہن کی نماز کم سے کم دو رکعت ہے، اس کی قراءت بلند آواز سے کی جاتی ہے، اس میں رکوعات کی تعداد عام نمازوں سے زیادہ آئی ہے، ہر ایک رکعت میں چار چار رکوع تک آئے ہیں اور کم سے کم دو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک رکوع کر کے کھڑا ہو جائے۔ اور پھر نئے سرے سے فاتحہ پڑھ کر بدستور قراءت شروع کرے، پھر رکوع کر کے بدستور سابق قراءت پڑھے۔ اسی طرح ایک رکعت میں چار رکوع کرنے درست ہیں۔ (مسلم)

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں پانچ پانچ رکوع کا ذکر بھی آیا ہے، لیکن وہ سنداً ضعیف ہے۔ سورج یا چاند گرہن کے وقت صدقہ وخیرات کرنے کا بھی حکم حدیث میں آیا ہے۔ (بخاری: ج۱ ص۱۴۴)

نمازِ استسقاء کا بیان

بارش عام انسانوں کی بلکہ اکثر حیوانات کی بھی ان ضروریات میں سے ہے جن پر زندگی کا گویا انحصار ہے' اس لیے کسی علاقہ میں قحط پڑ جانا' وہاں کی مجموعی مصیبت' بلکہ یک گونہ عذابِ عام ہے' رسول اکرم ﷺ نے جس طرح شخصی اور انفرادی حاجتوں اور پریشانیوں کے لیے نماز حاجت کی تعلیم کی ہے۔ جس کا بیان پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔ اسی طرح اس عمومی مصیبت اور پریشانی کے دفعیہ کے لیے بھی آپ ﷺ نے ایک اجتماعی نماز اور دعا کی تعلیم فرمائی۔ جس کی منظم اور مکمل شکل "صلوٰۃ استسقاء" ہے۔ استسقاء کے لغوی معنی ہی پانی مانگنے اور سیرابی طلب کرنے کے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک دفعہ قحط پڑا۔ تو آپ ﷺ نے نمازِ استسقاء پڑھی اور اللہ کے حکم سے اسی وقت بارش ہوئی۔ (ابوداود: ج ۱' ص ۱۷۳)

نمازِ استسقاء پڑھنے کا طریقہ:

نمازِ استسقاء دو رکعت ہے۔ اور آبادی سے باہر نکل کر پڑھنی چاہیے۔ کسی نیک آدمی کو جس پر زیادہ حسنِ ظن ہو۔ اس کو نماز کے لیے آگے کرنا چاہیے۔ وہ دعا مانگے اور اس کے ساتھ سب لوگ دعا مانگیں۔ اور ایک دن تجویز کر کے سورج نکلتے ہی پھٹے پرانے میلے کپڑے پہن کر عاجزی اور زاری کرتے ہوئے باہر نکلیں۔ منبر بھی باہر لے جائیں۔ جب آفتاب کا کنارہ نکل آئے تو اس وقت امام منبر پر چڑھے اور بعد میں آنے والی دعائیں پڑھے۔

پھر امام (اور سب لوگ بھی) ہاتھ اٹھائیں' ہاتھوں کو دراز کریں' حتی کہ بغلیں دکھائی دیں' لیکن ہاتھ کو سر سے اونچا نہ لے جائیں اور ہاتھوں کو پھیلائیں

اور ہاتھوں کی پشت اوپر کو اور ہتھیلی زمین کی طرف کریں۔ پھر امام لوگوں کی طرف پیٹھ کر کے قبلہ رخ ہو جائے (اور ہاتھ اٹھائے رکھے) اور بعد میں آنے والی دعائیں پڑھے۔ عاجزی اور حضورِ قلب سے پڑھے۔ اور سب لوگ بھی بڑے خضوع سے ہاتھوں کو الٹا کر کے اٹھائیں اور دعائیں مانگیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بارش نہ ہونے کی شکایت کی۔ رسول اکرم ﷺ نے حکم فرمایا کہ عید گاہ میں منبر رکھا جائے اور پھر لوگوں سے وہاں جانے کے لیے ایک دن معین فرما دیا' چنانچہ اس دن آپ ﷺ سورج کی روشنی پھیل جانے کے بعد تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی۔ اور تکبیر و تقدیس کے بعد ارشاد فرمایا:

> "تم لوگوں کو شکایت ہے کہ ملک بنجر و ویران ہو رہا ہے۔ بارشیں اپنے وقت پر نہیں ہو رہیں۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم (مَصائب میں) اس کی بارگاہ میں دعا و گریہ زاری کرو اور اس کا تم سے وعدہ ہے کہ وہ دعاؤں کو قبول کرے گا۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جو کائنات کا رب ہے' بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے' روزِ جزا کا

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ○

مالک ہے' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَنْتَ الْغَنِيُّ

اے اللہ! تو ہی الٰہ ہے' تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں' تو غنی

وَنَحْنُ الْفُقَرَآءُ ○ اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَآ اَنْزَلْتَ

اور ہم بے کس محتاج ہیں، ہم پر بارش نازل فرما' اور جو تو نازل فرمائے

عَلَيْنَا قُوَّةً وَّبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ ○ (مشکوٰۃ: ص ۱۳۲)

اسے ہمارے لیے قوت کا باعث بنا اور (بقدر ضرورت) مدت تک اسے لمبا فرما۔

پھر آپ ﷺ نے ہاتھ اوپر اٹھا لیے اور متواتر اوپر اٹھائے رکھے حتی کہ آپ ﷺ کے بغل مبارک کی سفیدی دکھائی دے رہی تھی۔ پھر لوگوں کی طرف پشت کر کے چادر الٹائی۔ ہاتھ آپ ﷺ کے اوپر ہی اٹھے ہوئے تھے۔ دیر تک عجز وزاری کے ساتھ مذکورہ بالا دعا مانگتے رہے۔ دعا سے فارغ ہو کر لوگوں کی جانب رخ فرمایا اور منبر سے اتر کر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ یکا یک اللہ تعالیٰ نے بادل اٹھا دیئے۔ گرج چمک شروع ہو گئی اور اذنِ الٰہی سے موسلا دھار بارش نے زور باندھ دیا۔ آپ ﷺ ابھی مسجد میں نہ پہنچ پائے تھے کہ پانی کا سیلاب امڈ آیا۔ لوگ گھروں کو بھاگنے لگے۔ آپ ﷺ انہیں دیکھ کر خوب مسکرائے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی پچھلی ڈاڑھیں نظر آنے لگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور بیشک میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔'' ①

② حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ طلبِ بارش کے وقت یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

---

① صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے متعدد طریقوں سے استسقاء کیا ہے۔ ایک طریقہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں ہے اس میں دو رکعت نماز بغیر اذان واقامت کا ذکر ہے۔ ان میں آپ ﷺ نے بلند آواز سے قراءت کی۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں سورۂ غاشیہ پڑھی ہے۔ دوسری مرتبہ آپ ﷺ نے جمعہ کے دن منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ بارش کے لیے دعا کی' تیسری مرتبہ جمعہ کے علاوہ ایک دن منبر پر ہی استسقاء کیا۔ مگر نماز نہیں پڑھی۔ چوتھی مرتبہ مسجد میں بیٹھے بیٹھے استسقاء کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔ (ابوداود: ج ۱' ص ۱۷۲' زاد المعاد: ج ۱' ص ۱۳۰)

اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَآئِمَكَ وَانْشُرْ رَّحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ ○ (ابوداود: ج ۱، ص ۱۷۳)

اے اللہ! اپنے بندوں اور چوپائیوں کو سیراب کر اور اپنی رحمت کو ہر سو پھیلا دے اور اپنے مردہ شہر میں جان ڈال دے۔

③ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو ہاتھ اٹھا کر نہایت تضرع وزاری کے ساتھ یہ دعا مانگتے ہوئے دیکھا۔

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيْثًا مَّرِيْئًا مَّرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ ○ (ابوداود: ج ۱، ص ۱۷۲)

اے اللہ! ہمیں ایسی بارش سے سیراب کر جو ہماری یاوری کرے، خوشگوار بہار آفرین ہو، نافع و بے ضرر ہو، بلا تاخیر آنے والی ہو۔

آپ ﷺ کا یہ دعا مانگنا ہی تھا کہ لوگوں کے سر پر دھواں دھار بادل محیط ہو گیا۔

④ یہ دعا بھی حدیث میں آئی ہے:

اَللّٰهُمَّ جَلِّلْنَا سَحَابًا قَصِيْفًا دَلُوْقًا ضَحُوْكًا نُمْطِرُنَا مِنْهُ رَذَاذًا قِطْقِطًا سَجْلًا يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ○ (بلوغ المرام: ص ۸۹)

اے اللہ! تو ہمارے اوپر ایسا بادل لے آ جو گاڑھا ہو اور کڑکتا ہو، پانی بہاتا ہو، چمکتی بجلی والا، کہ بارش برسا تو اس سے ہم پر نرم بوندی کا چھوٹی بوندی کا بہت پانی والا، اے صاحبِ بزرگی اور عزت والے۔

نمازِ استسقاء کی خصوصیت:

اس نماز کی خصوصیت سے دو باتیں ہیں، ایک یہ کہ دعا الٹے ہاتھوں سے مانگی جاتی ہے۔ اور ہاتھوں کے اٹھانے میں مبالغہ کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ بغلیں نظر آنے لگیں۔

دوسری یہ کہ اس میں دعا کرتے کرتے چادر الٹائی جاتی ہے جس کی صورت یہ ہے کہ چادر کو کندھوں پر رکھ کر دائیں ہاتھ سے چادر کا بایاں کنارہ اور بائیں ہاتھ سے چادر کا دایاں کنارہ پکڑ کر کندھوں پر چادر کو پھیر دیں۔ اوپر کی طرف کے کنارے پکڑیں گے تو اندر باہر آ جائے گا اور دایاں بایاں ہو جائے گا۔ اگر نیچے کی طرف کے کنارے پکڑیں گے تو اوپر نیچے ہو جائے گا اور دایاں بایاں ہو جائے گا۔ اندر باہر نہیں ہو گا۔ اگر چاہیں تو نیچے کے دونوں کنارے دایاں دائیں ہاتھ سے بایاں بائیں ہاتھ سے پکڑ کر چادر کی اوپر والی طرف کو نیچے کر دیں اور اندر کو باہر۔ (تعلیم الصلوٰۃ' از محدث روپڑی: ج ۲' ص ۴۸)

نمازِ قصر کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مسافر کو یہ سہولت دی ہے کہ وہ سفر میں نمازِ مختصر کرے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ ﴿۱۰۱﴾﴾ (النساء)

"اور جب تم لوگ سفر کے لیے نکلو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر تم نماز میں اختصار کر دو۔"

زمانۂ امن کے سفر میں قصر یہ ہے کہ جن اوقات کی نماز میں چار رکعت فرض ہیں' ان میں دو رکعت پڑھی جائیں۔ اور حالتِ جنگ میں قصر کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ جنگی حالات جس طرح بھی اجازت دیں نماز پڑھی جائے' جماعت کا موقع ہو تو جماعت سے پڑھو ورنہ فرداً فرداً ہی سہی۔ قبلہ رخ نہ ہو سکے تو جدھر بھی رخ ہو سواری پر بیٹھے ہوئے اور چلتے ہوئے پڑھ سکتے ہیں۔ رکوع' سجدہ ممکن نہ ہو تو اشارہ ہی سے سہی۔ ضرورت پڑے تو نماز ہی کی حالت میں چل بھی

سکتے ہیں۔ کپڑوں کو خون لگا ہوا ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، سب آسانیوں کے باوجود اگر ایسی پرخطر حالت ہو کہ کسی طرح نماز نہ پڑھی جا سکے تو مجبوراً مؤخر کی جائے، جیسے جنگ خندق کے موقع پر ہوا۔

سنت اور نفل کا حکم:

اس امر میں اختلاف ہے کہ سفر میں صرف فرض پڑھے جائیں یا سنتیں بھی۔ نبی ﷺ کے عمل سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ سفر میں فجر کی سنتوں اور وتر کا تو التزام فرماتے تھے، مگر باقی اوقات میں صرف فرض پڑھتے تھے۔ سنتیں پڑھنے کا التزام آپ ﷺ سے ثابت نہیں۔ حفص بن عاصمؒ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ:

> ''رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ منیٰ میں مسافرانہ نماز پڑھتے تھے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما (بھی) دو رکعت (قصر) پڑھ کر اپنے بستر پر چلے آتے تھے۔ راویٔ حدیث حفص بن عاصمؒ کہتے ہیں: میں نے کہا، چچا! اگر اس کے بعد آپ دو رکعت (سنت) پڑھ لیا کریں تو کیا حرج ہے؟ فرمایا: اگر مجھے یہ کرنا ہوتا تو نماز (فرض) ہی پوری پڑھ لیتا۔'' (مسلم: ج۱، ص۲۴۳)

البتہ نفل نمازوں کا جب موقع ملتا تھا، تو رسول اللہ ﷺ سفر میں پڑھ لیا کرتے تھے، حتیٰ کہ سواری پر بیٹھے ہوئے بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو سفر میں فجر کے سوا دوسرے اوقات کی سنتیں پڑھنے سے منع کیا ہے۔ (مسلم: ج۱، ص۲۴۴)

مگر اکثر علماء ترک اور فعل دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں اور اسے بندے کے اختیار پر چھوڑ دیتے ہیں۔ (شرح نووی: ج۱، ص۲۴۲)

سفر کیسا ہونا چاہیے؟

جس سفر میں قصر کیا جا سکتا ہے اس کے متعلق بعض ائمہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ فی سبیل اللہ ہونا چاہیے۔ جیسے جہاد، حج، عمرہ، طلبِ علم وغیرہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر، ابن مسعود اور عطاء رضی اللہ عنہم کا یہی فتوی ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام محمدؒ کہتے ہیں کہ سفر کسی ایسے مقصد کے لیے ہونا چاہیے جو شرعاً جائز ہو۔ حرام و ناجائز اَغراض کے لیے جو سفر کیا جائے، اس میں قصر کی اجازت سے فائدہ اٹھانے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قصر ہر سفر میں کیا جا سکتا ہے۔ رہی سفر کی نوعیت تو وہ بجائے خود ثواب یا عتاب کی مستحق ہو سکتی ہے۔ مگر قصر کی اجازت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

سفر میں قصر افضل ہے یا اِتمام؟

بعض اہل علم قصر ضروری سمجھتے ہیں۔ اور سفر میں پوری نماز کو ناپسند کرتے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ کا یہی خیال ہے۔ اور یہی رائے ایک روایت میں حضرت امام مالکؒ سے منقول ہے۔ حدیث میں ہے کہ: ”حضر کی نماز چار رکعت مقرر فرمائی گئی اور سفر کی نماز دو رکعت مقرر کی گئی۔“ (مسلم: ج۱، ص۲۴۱)

اس حدیث سے بظاہر یہی مطلب معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی نماز مقرر ہی دو رکعت ہوئی ہے۔ نیز حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ نماز قصر کرنا یہ ایک صدقہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اس کا صدقہ قبول کرو۔ (بخاری) اس لیے قصر ضروری ہے اور پوری پڑھنا کوئی پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ ایک مسلک یہ ہے کہ قصر محض اس کی اجازت ہے کہ آدمی چاہے تو اس سے فائدہ اٹھائے، ورنہ پوری پڑھے۔ یہ مسلک امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے۔ اگرچہ وہ قصر کو افضل اور ترکِ قصر کو ترکِ اَولیٰ قرار دیتے ہیں۔ امام احمدؒ کے نزدیک قصر کرنا واجب تو نہیں

ہے، مگر نہ کرنا مکروہ ہے۔

قصر کی مسافت:

مِقدارِ سفر جس میں قصر کیا جا سکتا ہے، اہل ظواہر کے نزدیک کچھ نہیں۔ ہر سفر میں قصر کیا جا سکتا ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ۔ امام مالکؒ کے نزدیک ۴۸ میل یا ایک دن رات سے کم کے سفر میں قصر نہیں ہے، یہی رائے امام احمدؒ کی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی مسلک ہے اور امام شافعیؒ سے بھی ایک قول اس کی تائید میں مروی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ پندرہ میل کے سفر میں قصر کرنا جائز سمجھتے ہیں، امام اوزاعیؒ اور امام زُہریؒ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس رائے کو لیتے ہیں کہ ایک دن کا سفر قصر کے لیے کافی ہے۔ حسن بصریؒ دو دن اور امام ابو یوسفؒ دو دن سے زیادہ کی مسافت میں قصر جائز سمجھتے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جس سفر میں پیدل یا اونٹ کی سواری سے تین دن صرف ہوں۔ (یعنی تقریباً ۱۸ فرسنگ یا ۵۴ میل) اس میں قصر کیا جا سکتا ہے۔ یہی رائے حضرت ابن عمرؓ، ابن مسعودؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی ہے۔

اہل حدیث عموماً نو میل کے قائل ہیں۔ یہی بات زیادہ صحیح ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اکرم ﷺ کا سفر تو تین سو میل سے زیادہ تھا۔ لیکن اہل مکہ نے آپ ﷺ کے ساتھ منیٰ میں نماز قصر کی۔ اہل مکہ کے لیے یہ سفر ۵، ٦ کلومیٹر سے زیادہ نہیں۔ حارثہ بن وہب فرماتے ہیں: ''رسول اکرم ﷺ نے ہمیں بحالت امن منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھائی۔'' (بخاری: ج ۱، ص ۱۴۷) صحابہ رضی اللہ عنہم میں اہل مکہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سب شامل تھے۔

مدتِ سفر:

اثنائے سفر میں دورانِ قیام جس میں قصر کیا جا سکتا ہے مختلف ائمہ کے نزدیک مختلف ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک جہاں آدمی نے چار دن ٹھہرنے کا

ارادہ کرلیا ہو وہاں پوری نماز پڑھنی ہوگی۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جہاں چار دن سے زیادہ قیام کا ارادہ ہو وہاں قصر جائز نہیں۔ امام اوزاعیؒ ۱۳ دن اور امام ابوحنیفہؒ ۱۵ دن یا اس سے زیادہ کی نیتِ قیام پر پوری نماز ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انیس دن کے قائل ہیں۔ سعید بن مسیّب تین دن تک قصر کرنے کے قائل ہیں۔ عام اہل حدیث کا بھی یہی خیال ہے' لیکن اس تعین کے لیے کوئی قطعی دلیل نبی ﷺ سے اس بارے میں مروی نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے سفروں سے قصر کا اندازہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور علماء نے کیا ہے۔ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے دس دن قصر کیا۔ فتح مکہ میں آپ ﷺ نے انیس دن قصر کیا' تبوک میں آپ ﷺ نے بیس روز قیام کیا۔ اور نماز قصر کرتے رہے۔ حُنین میں آپ ﷺ نے چالیس روز قیام کیا اور نماز قصر کرکے پڑھتے رہے۔ (ابوداود: ج۱' ص۱۸۰)

اگر کسی جگہ آدمی مجبوراً رکا ہوا ہو اور ہر وقت یہ خیال ہو کہ مجبوری دور ہوتے ہی وطن واپس ہو جائے گا تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ایسی جگہ بلا تعینِ مدت قصر کیا جا سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بکثرت ایسی مثالیں منقول ہیں کہ انہوں نے ایسے حالات میں دو دو سال مسلسل قصر کیا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

> ''علماء کا اجماع ہے کہ اگر کئی سال تک مسافر اقامت کا قطعی طور پر فیصلہ نہ کر سکے تو نماز قصر کرتا رہے۔'' (ترمذی: ج۱' ص۷۲)

امام احمد بن حنبلؒ اسی پر قیاس کر کے قیدی کو بھی اس کے پورے زمانہ قید میں قصر کی اجازت دیتے ہیں۔

لمبے سفر کے لیے جب مسافر نکلے تو اپنی بستی کی حدود سے نکل کر اگر نماز کا وقت ہو جائے تو نماز قصر کرنا درست ہے۔ رسول اکرم ﷺ حج کے لیے مدینہ منورہ سے رخصت ہوئے۔ ظہر کی نماز مدینہ طیبہ میں پوری پڑھی۔ عصر کی نماز

ذوالحلیفہ میں قصر کر کے پڑھی۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے ۹، ۱۰ کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔ آج کل یہ مقام ''ابیار علی'' کے نام سے مشہور ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا سفر لمبا تھا۔ مدینہ منورہ کی حدود سے نکل کر عصر کا وقت ذوالحلیفہ میں آیا تو آپ ﷺ نے وہاں قصر فرمائی۔ (بخاری: ج۱، ص ۱۴۸)

سفر میں نمازِ تہجد:

تہجد کی نماز جس کا نام نمازِ وتر، قیامِ اللیل وغیرہ بھی ہے یہ سفر میں بھی پڑھ لینی چاہیے۔ بلکہ اس کا پڑھ لینا ہی افضل ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

> ''سن رسول اللہ ﷺ صلوٰۃ السفر رکعتین وھما تمام غیر قصر والوتر فی السفر سنة''. (مشکوٰۃ: ج۱، ص ۱۱۹)
>
> ''سفر میں نماز وتر، یعنی تہجد پڑھنا سنت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی تہجد نہیں چھوڑی خواہ سفر ہو یا حضر۔''

نوٹ: یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

سواری پر نفل پڑھنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> ''رسول اللہ ﷺ جب سفر فرماتے اور نفل پڑھنے کا خیال ہوتا تو اونٹنی کا رخ قبلہ کی طرف فرماتے۔ پھر جس طرف سواری کا رخ ہو جاتا نماز پڑھتے رہتے۔'' (مشکوٰۃ: ج۱، ص ۱۱۸)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مسافر کے لیے سواری پر نفل پڑھنا درست ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اکثر اونٹوں کی سواری ہوتی اور فرض نماز کے لیے آپ ﷺ قیام فرما لیا کرتے اور باجماعت فرض ادا کیا کرتے۔ اگر کوئی ایسی جگہ ہو کہ سواری سے اتر کر باجماعت فرض ادا نہ کئے جا سکتے ہوں،

جیسے ہوائی جہاز یا کشتی وغیرہ تو ویسے ہی ادا کیے جا سکتے ہیں۔ اور اگر گاڑی کا سفر ہو اور قیام ہو سکے تو بہتر ورنہ فرض بیٹھ کر بھی ادا ہو سکتے ہیں۔

سفر میں جمع بین الصلوٰتین:

سفر میں جہاں شریعت نے دوگانہ پڑھنے کی رعایت فرمائی ہے۔ وہاں دو نمازوں کو آپس میں جمع کر لینے کی سہولت بھی دی ہے‘ خواہ سفر جاری ہو یا مسافر کہیں جا کر ٹھہر چکا ہو۔ اور جمع کی صورت یہ ہے کہ ظہر اور عصر کو اکٹھا کرے اور اسی طرح مغرب اور عشاء کو۔

نمازِ جمعہ کا بیان

دن رات کی پانچوں نمازیں جن کے باجماعت پڑھنے کا حکم ہے۔ ان کے علاوہ چند نمازیں اور بھی ہیں جو صرف اجتماعی طور پر ہی ادا کی جاتی ہیں۔ اور وہ اپنی مخصوص نوعیت اور امتیازی شان کی وجہ سے اس امت کا گویا شعار ہیں۔ ان میں سے ایک نماز جمعہ ہے جو ہفتہ وار ہے۔ اس میں شرکت وحاضری کی سخت تاکید کی گئی ہے‘ نماز سے پہلے غسل کرنے‘ اچھے صاف ستھرے کپڑے پہننے اور میسر ہو تو خوشبو بھی لگانے کی ترغیب بلکہ ایک درجہ میں تاکید کی گئی ہے۔ تاکہ مسلمان کا یہ مقدس ہفتہ واری اجتماع توجہ الیٰ اللہ اور ذکر ودعا کی باطنی اور روحانی برکات کے علاوہ ظاہری حیثیت سے بھی پاکیزہ‘ خوش منظر‘ بارونق اور پر بہار ہو۔ اور مجمع کو ملائکہ کے پاک وصاف مجمع کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مشابہت اور مناسبت ہو۔ اس مختصر تمہید کے بعد ذیل میں جمعہ کے چند ایک فضائل ومسائل ملاحظہ فرمائیں۔

نمازِ جمعہ کی فرضیت:

نمازِ جمعہ ہر عقل مند‘ بالغ‘ مرد پر فرض ہے۔ شہر میں ہو یا دیہات میں‘

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْا۟ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ وَذَرُوا۟ ٱلْبَيْعَ ۚ﴾ (الجمعة)

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔''

کن لوگوں پر نمازِ جمعہ فرض نہیں:

طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہر مسلمان پر جمعہ کی نماز باجماعت ادا کرنا ضروری ہے۔ مگر چار قسم کے لوگ اس وجوب سے مستثنیٰ ہیں۔ ایک غلام جو بیچارہ کسی کا مملوک ہو، دوسرے عورت، تیسرے لڑکا جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو، چوتھے بیمار۔'' (مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۱۲۱)

نمازِ جمعہ سے قیام وصیام کا ثواب:

حضرت اَوس بن اَوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص جمعہ کے دن اچھی طرح غسل کرے اور سویرے سے ہی مسجد کی طرف چل دے۔ پیدل جائے اور سوار نہ ہو اور امام سے قریب ہو کر بیٹھے۔ خطبے کو کان لگا کر سنے، کوئی لغو کام نہ کرے، تو اسے ہر قدم کے بدلے سال بھر کے روزوں اور سال بھر کے قیام کا ثواب ہے۔'' (مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۱۲۲)

جمعہ کے دن قبولیت کی ایک خاص گھڑی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ اگر کسی مسلمان بندے کو حسن اتفاق سے خاص اس گھڑی میں خیر اور بھلائی کی

> کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی توفیق مل جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرما دیتا ہے۔'' (صحیح بخاری: ج ۱، ص ۱۲۸)

تارکِ جمعہ منافق ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''جو شخص بغیر کسی مجبوری کے جمعہ کی نماز چھوڑ دے گا وہ اللہ کے اس دفتر میں جس میں کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا، منافق لکھا جائے گا۔'' (مشکوۃ: ج ۱، ص ۱۲۱)

نوٹ: اس حدیث کی سند اگرچہ کمزور ہے مگر شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔

ترکِ جمعہ سے دل پر مہر:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ منبر پر فرما رہے تھے کہ:

> ''جمعہ چھوڑنے والے لوگ یا تو اپنی اس حرکت سے باز آ جائیں۔ یا یہ ہوگا کہ ان کے اس گناہ کی سزا میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ غافلوں ہی میں سے ہو جائیں گے۔ اور اصلاح کی توفیق سے محروم کر دیئے جائیں گے۔''

(صحیح مسلم: ج ۱، ص ۲۸۴)

ابو جعد ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''جو شخص تین جمعے تساہل و سہل انگاری کی وجہ سے چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ (پھر وہ نیک عمل کی توفیق سے محروم ہی رہے گا۔) (ترمذی: ج ۱، ص ۶۶)

جمعہ چھوڑنے پر گھر جلانے کا ارادہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ”جو لوگ جمعہ کے لیے حاضر نہیں ہوتے' میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں اور خود جا کر ان لوگوں کے گھروں کو جلا دوں۔“ (مشکوٰۃ: ج ۱' ص ۱۲۱)

نمازِ جمعہ کے لیے مخصوص لباس:

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”تم میں سے کسی کے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اگر اس کو وسعت ہو تو وہ روزمرہ کے کام کاج کے وقت پہنے جانے والے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن کے لیے کپڑوں کا ایک خاص جوڑا بنا کر رکھ لے۔“ (ابوداود: ج ۱' ص ۱۶۱)

حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ جمعہ جیسے دینی اجتماع کے لیے جو مسلمانوں کی ہفتہ وار عید ہے حسب استطاعت خاص جوڑا بنا کر رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

> ”رسول اللہ ﷺ کا ایک خاص جوڑا تھا۔ جو آپ ﷺ جمعہ کے دن پہنا کرتے تھے اور جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر گھر تشریف لاتے تو ہم اس کو تہہ کر کے رکھ دیتے اور پھر وہ اگلے جمعہ ہی کو نکلتا۔“ (جمع الفوائد: ج ۱' ص ۲۶۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> ”رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز کو جانے سے پہلے اپنے ناخن اور اپنی مونچھیں تراشا کرتے تھے۔“ (طبرانی اوسط)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن قُدامہ ہے' جس پر کچھ ائمۂ حدیث نے تنقید کی ہے اور اسے مجہول کہا ہے۔ لیکن امام ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔

دیہات میں جمعہ:

جمعہ ہجرت کے ایام میں فرض ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے کچھ دن پہلے حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی نماز پڑھائی تھی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے پہلا جمعہ بنو سالم میں پڑھایا۔ (ابوداود: ج ۱ ص ۱۶۰)

اس وقت کی آبادی کی حیثیت شہری آبادی کی نہ تھی۔ مختلف قبائل تھے جو اپنے باغوں اور زمینوں پر آباد تھے۔ رسول اکرم ﷺ قُباء سے نکل کر ان قبائلی آبادیوں سے ہوتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں آج مسجدِ نبوی ﷺ ہے' اس جگہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے علاوہ قبیلہ بنونجار کی آبادی تھی۔ رسول اکرم ﷺ نے بنونجار سے مسجد کے لیے زمین خرید فرمائی اور یہ آبادی آہستہ آہستہ بڑھتی گئی۔ چنانچہ پانچ یا چھ ہجری میں غزوہ بنی المصطلق کے بعد بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

> ''قضائے حاجت کے متعلق ہماری عادت عرب قدماء کی طرح تھی۔ ہم جنگل میں جاتے تھے' گھروں میں بیت الخلاء سے ہم ایذا محسوس کرتے تھے۔'' (بخاری: ج ۱ ص ۵۹۵)

الغرض غزوۂ بنی المصطلق تک مدینہ گاؤں ہی تھا' لوگوں کی عادات دیہات سے ملتی تھیں۔ مدینہ منورہ کی آبادی کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے خطبہ کے لیے منبر بنانے کا فیصلہ فرمایا۔ حافظ ابن حجرؒ ایک روایت کے ضمن میں فرماتے ہیں: ''مدینہ منورہ میں اس وقت ایک ہی بڑھئی تھا۔ جس کا نام میمون تھا۔'' (فتح الباری: ج ۱ ص ۴۹۴)

یعنی اس آبادی کی ضروریات ایک ہی بڑھئی سے پوری ہو جاتی تھیں۔ ظاہر ہے اس کی آبادی دیہات ہی کی سی تھی۔ اگر اسے بحث کے لیے شہر کہنے پر

اصرار کیا جائے تو ہمارے ملک میں معمولی قسم کے گاؤں بھی شہر کہے جا سکتے ہیں' اس لیے جمعہ کی شرائط میں گاؤں یا شہر کا تذکرہ بے فائدہ ہے۔ جہاں مناسب اجتماع ہو سکے' کام کا خطیب مل سکے' جمعہ ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ گاؤں یا شہر کی بجائے خطیب کی صلاحیت پر بحث ہوتی تو معقول بات سمجھی جاتی۔ مدینہ منورہ میں جمعہ کے بعد پہلا جمعہ مقام ''جواثاء'' میں پڑھا گیا' یہ بحرین میں ایک بستی ہے۔ (صحیح بخاری: ج۱' ص۱۲۳' ابوداود: ج۱' ص۱۶۰)

نمازِ جمعہ کا وقت:

نمازِ جمعہ کا وقت روزانہ کی طرح نمازِ ظہر کا وقت ہے' یعنی سورج ڈھلنے سے شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

> ''رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھا کرتے' جب سورج ڈھل جاتا۔'' (صحیح بخاری: ج۱' ص۱۸۳)

ایک روایت میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ''جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کرتے' پھر واپسی پر سایہ تلاش کرتے۔'' (مسلم: ج۱' ص۲۸۳)

جمعہ کے لیے حاضرین کی تعداد:

جمعہ میں حاضرین کی تعداد کے متعلق بزرگانِ دین کے اقوال مختلف ہیں۔ کسی نے ایک ہی کو کافی سمجھا ہے' کسی نے دو' کسی نے تین' کسی نے سات' کسی نے نو' اور کسی نے چالیس۔ لیکن ان اقوال میں سے مرفوع حدیث صرف ان لوگوں کے پاس ہے جو کم از کم دو کے قائل ہیں' جیسا کہ امام بخاریؒ نے ''اثنان وما فوقهما جماعة''. کے الفاظ ایک ترجمۃ الباب میں ذکر کئے ہیں۔ یہ الفاظ ایک روایت کے ہیں جو سنداً ضعیف ہے۔ لیکن مفہوم کے لحاظ سے یہ بات اپنی جگہ درست ہے۔

جمعہ کی اذان:

نبی اکرم ﷺ‘ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک جمعہ کی ایک ہی اذان ہوتی تھی اور وہ اس وقت جب امام خطبہ دینے کے لیے منبر پر آ کر بیٹھ جاتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب مدینہ منورہ کی آبادی بڑھ گئی تو انہوں نے ایک اور اذان کا اضافہ کیا۔ اس کے بعد آج تک سب کا عمل اسی کے مطابق ہے۔ (بخاری: ج ۱‘ ص ۱۲۵)

نمازِ جمعہ کے لیے اول وقت جانے سے قربانی کا ثواب:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں۔ اور اول وقت دوپہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہوتی ہے۔ جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی‘ اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی‘ اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی۔ اس کے بعد جب امام خطبہ کے لیے منبر کی طرف آتا ہے تو فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ کر خطبہ سننے میں شریک ہو جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری: ج ۱‘ ص ۱۲۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ مضمون بیان فرمایا تو ان کے ایک شاگرد نے پوچھا کہ: کیا امام کے خطبہ کے لیے نکل آنے کے بعد پہنچنے والوں کا جمعہ نہیں ہوتا؟ فرمایا: جمعہ تو ہو جائے گا‘ لیکن یہ شخص رجسٹر میں درج ہونے والوں

میں نہ آ سکے گا۔ اس لیے ہر مسلمان کو یہ شوق ہونا چاہئے کہ وہ جلد سے جلد جمعہ کے لیے مسجد میں پہنچ جائے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جب نمازیوں کی فہرست پیش ہو تو اس کا نام شروع والے رجسٹر ہی میں آ جائے۔

مسجد میں پہنچ کر کسی کو تکلیف نہ دینا:

حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

> ایک شخص جمعہ کے روز لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا (مسجد میں) آیا۔ نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے' آپ ﷺ نے فرمایا: "بیٹھ جاؤ تم نے دیر بھی کی اور (نمازیوں کو بھی) ستایا۔" (نسائی: ج۱ ص۱۶۵)

یہ بات رسول اکرم ﷺ نے اس لیے ارشاد فرمائی کہ جمعہ کے دن مسجدوں میں دوسرے دنوں کی نسبت زیادہ مجمع ہوتا ہے۔ اور بعد میں پہنچنے والے بسا اوقات کاندھوں پر سے پھلانگتے' پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کے کاندھوں کا سہارا لیتے اور بوجھ دیتے' کپڑوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ جس سے لوگوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح صف اول کے "نادان شوقین" پہلے سے تو آتے نہیں اور عین وقت پر پہنچ کر پچھلی صفوں کو چیرتے پھاڑتے صف میں پہنچتے ہیں۔ اور ذرا سی جگہ پا کر اسی میں گھس کر دوسروں کے لیے بھی اور خود اپنے لیے بھی مصیبت بنتے ہیں' چنانچہ متعدد احادیث میں کاندھوں پر سے پھلانگ کر جانے پر صراحۃً نکیر وارد ہوئی ہے۔ اس لیے کہ بعض حساس طبیعتوں پر ان حرکتوں کا اتنا اثر ہوتا ہے کہ پوری نماز میں اس کی وجہ سے بے لطفی سی رہتی ہے۔

دورانِ خطبہ بولنا منع ہے:

دورانِ خطبہ ہر وہ کام ممنوع ہے جس میں خطبہ سننے میں خلل واقع ہو۔ اور مجمع میں اس کی وجہ سے انتشار ہو۔ ایسے موقع پر خدانخواستہ اگر کوئی ناواقف

مسجد میں آ کر زور سے بولنے لگے اور دوسرے لوگ بھی اسے خاموش کرنے کے لیے ہر طرف سے بولنے لگیں تو سخت انتشار ہو جائے گا۔ اور خطیب کی آواز ان سب آوازوں میں دب کر رہ جائے گی۔ اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ دوسرے کو خاموش کرنے کے لیے بھی کوئی نہ بولے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خطبہ کے دوران یا عام نمازوں کے وقت مسجد میں بچے یا کچھ ناسمجھ لوگ باتیں کرنے لگتے ہیں تو اچھے خاصے سمجھدار لوگ ان کو اتنی تیز آواز سے روکتے ہیں کہ خود یہ آواز ان بچوں کی آواز سے بڑھ جاتی ہے اور اس طرح ان بچوں سے زیادہ یہ لوگ نماز میں خلل ڈالنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جمعہ کے دن امام کے خطبہ دینے کے دوران اگر تم نے اپنے ساتھی سے یہ بھی کہا کہ ”چپ رہو۔“ تو تب بھی تم نے غلطی کی۔“ (بخاری: ج۱، ص۱۲۷)

جمعہ میں گوٹھ مار کر بیٹھنا منع ہے:

حضرت مُعاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جمعہ کے دن خطبہ میں گوٹھ لگا کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ (ترمذی: ج۱، ص۶۸)

گوٹھ مارنا یہ ہے کہ آدمی اپنے چوتڑ زمین پر ٹکا دے اور گھٹنے کھڑے کر دے اور رانوں کو پیٹ سے لگا لے۔ اور ہاتھوں سے یا کپڑے سے ان کو باندھ لے۔ اس طرح بیٹھنے سے اس لیے منع فرمایا کہ اس طرح نیند بڑی جلدی آتی ہے۔ اور وضو ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

دوران خطبہ دو رکعت کا ثبوت:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سُلَیک غطفانی رضی اللہ عنہ ایک دفعہ جمعہ کے دن ایسے وقت مسجد میں آئے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، تو سُلَیک رضی اللہ عنہ اسی حالت میں آ کر بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان

سے فرمایا: ”کیا تم نے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھی ہیں؟“ انہوں نے عرض کیا‘ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اٹھو اور پہلے دو رکعت پڑھو۔“ (بخاری: ج ۱‘ ص ۱۲۷)

نوٹ: احناف کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے۔ جس کی تردید پر میں نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ”خطبۂ جمعہ میں دو رکعت پڑھنے کا حکم“ ہے۔ اور یہ رسالہ مطبوع ہے۔

جمعہ پڑھنے کا طریقہ:

رسول اکرم ﷺ پہلے مختصر خطبہ ارشاد فرماتے۔ (متفق) پھر دو رکعت نماز پڑھتے۔ (مشکوٰۃ) قراءت بلند آواز سے کرتے‘ سورۂ فاتحہ کے بعد کبھی سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ پڑھتے‘ کبھی سورۂ جمعہ اور منافقون پڑھتے۔ (ترمذی) جمعہ کے بعد مسجد میں چار رکعت ادا فرماتے۔ ہاں گھر میں دو رکعت پڑھتے۔

خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہیے:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> رسول اکرم ﷺ خطبہ کھڑے ہو کر دیتے۔ پھر بیٹھ جاتے‘ پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے۔ جو تمہیں یہ بتائے کہ آپ ﷺ نے بیٹھ کر خطبہ دیا اس نے جھوٹ بولا۔ میں نے آپ ﷺ کے پیچھے دو ہزار نمازوں سے زیادہ پڑھی ہیں۔“ (مسلم: ج ۱‘ ص ۲۸۳)

خطبہ جمعہ مختصر اور جامع ہونا چاہیے:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> رسول اللہ ﷺ دو خطبے دیا کرتے تھے‘ اور دونوں کے درمیان (تھوڑی دیر کے لیے) بیٹھتے تھے‘ آپ ﷺ خطبوں میں قرآن مجید کی آیات بھی پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت بھی فرماتے تھے‘ آپ ﷺ کی نماز بھی درمیانی ہوتی تھی اور اسی طرح آپ ﷺ

کا خطبہ بھی۔ (صحیح مسلم: ج۱ ص ۲۸۴)

مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے خطبہ اور نماز میں نہ بہت طول ہوتا تھا، نہ بہت زیادہ اختصار، بلکہ دونوں کی مقدار معتدل اور متوسط ہوتی تھی۔

جمعہ اور عیدین کا اجتماع:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عید کی نماز پڑھی اور جمعہ کی رخصت دیدی اور فرمایا: ”جو شخص جمعہ پڑھنا چاہے وہ پڑھ لے۔“ (ابوداود: ص ۱۶۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ اور عیدین کے اجتماع کی صورت میں جمعہ نہ پڑھنے کی رخصت ہے، لیکن ظہر کی نماز ضروری ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ رخصت جمعہ دور دراز سے آنے والوں کے لیے ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ایسے ہی لوگوں کو رخصت دی تھی۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ”ہم تو جمعہ ضرور پڑھیں گے۔“

بارش کے دن نمازِ جمعہ:

سخت بارش ہو رہی ہو اور جامع مسجد تک پہنچنا مشکل ہو تو ایسی صورت میں خاص جمعہ کے متعلق اقوال ملتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دن بارش کے روز اپنے مؤذن سے فرمایا: جب تم ”اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ“ کہہ لو تو اس کے بعد ”حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ“ نہ کہنا بلکہ ”صَلُّوْا فِیْ بُیُوْتِکُمْ“ کہنا۔ لوگوں نے اسے کچھ اچھا نہ سمجھا۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اسی طرح اس نے کیا تھا جو مجھ سے بہتر ہے۔ بے شک جمعہ کا حکم تاکیدی ہے۔ لیکن میں نے تمہیں تنگی دینا اچھا نہیں سمجھا کہ تم کیچڑ میں چل کر آؤ۔“ (بخاری: ج۱ ص ۱۲۳)

کتنی رکعات سے جمعہ مل جاتا ہے:

جو شخص نمازِ جمعہ کی دوسری رکعت سجدہ یا تشہد کی حالت میں پالیتا ہے۔ وہ دو رکعت ہی پڑھے گا۔ صحیح مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جتنی نماز پالو وہ پڑھو اور جو رہ جائے اسے پورا کرو۔“

اس حدیث کی رو سے نمازِ جمعہ کی دوسری رکعت کے سجدہ یا تشہد کو پانے والا دو رکعت ہی پڑھے گا۔ کیونکہ اس کی فوت شدہ نماز دو رکعت ہے۔ چار رکعت نہیں، امام ابوحنیفہ، ابن حزم اور دیگر علماء رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ مولانا مبارکپوریؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں محلی ابن حزم (ج ۵، ص ۷۴) اور تحفۃ الاحوذی (ج ۱، ص ۳۷۱)۔

بیماری، موت اور نمازِ جنازہ کا بیان

موت چونکہ یقیناً آنے والی ہے اور اس کا کوئی وقت معلوم نہیں ہے۔ اس لیے مسلمان کو چاہئے کہ کسی وقت بھی اس سے غافل نہ ہو۔ ہمیشہ اس کو یاد رکھے اور آخرت کے اس سفر کی تیاری کرتا رہے۔ خصوصاً جب بیمار ہو تو اپنی دینی وایمانی حالت کو درست کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح کرنے کی زیادہ فکر کرنی چاہئے۔ دوسرے بھائی اس کی خدمت وہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے اور جی بہلانے کی کوشش کریں۔ اللہ کا نام اور کلام پڑھ کر اس پر دم اور اس کی صحت وشفا کے لیے دعا کریں۔ اور اس کے سامنے اجر وثواب کی باتیں اور اللہ کی شانِ رحمت کے خوش آئند تذکرے کریں۔ خصوصاً جب محسوس ہو کہ مریض بظاہر اچھا ہونے والا نہیں ہے۔ اور سفرِ آخرت قریب ہے۔ تو اس کے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کی اور کلمۂ ایمانی کی یاددہانی کی مناسب

طریقے پر کوشش کریں۔ پھر جب موت وارد ہو جائے تو اس کے اقارب صبر سے کام لیں، طبعی اور فطری رنج و غم کے باوجود موت کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر وفادار بندے کی طرح اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ اور اس کے کرم سے اس صدمہ پر اجر و ثواب کی امید رکھیں اور اس کے لیے دعائیں کریں۔ پھر میت کو غسل دیا جائے۔ اس کو اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں کفنایا جائے اور خوشبو کا استعمال کیا جائے۔ پھر اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے جس میں سورۂ فاتحہ پڑھی جائے اور اللہ تعالیٰ کے نبی و رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود بھیجا جائے، اس کے بعد مرنے والے بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش اور رحم و کرم کی دعا اور التجا ہو۔ پھر پورے اعزاز و احترام کے ساتھ اس کو اس زمین کے سپرد کر دیا جائے اور اس کی گود میں دے دیا جائے جس کے اجزاء سے اس کا جسم بنا اور پلا تھا، اور جو ایک طرح سے گویا اس کی ماں تھی۔ پھر لوگ زبانی اور عملی طور پر میت کے اقارب اور گھر والوں کی غم خواری اور ہمدردی کریں اور ان کی تسلی تشفی اور غم ہلکا کرنے کی کوشش کریں۔

لمبی عمر کی فضیلت:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

> لوگوں میں بہتر شخص کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کی عمر لمبی اور اعمال اچھے ہوں۔'' پھر اس نے پوچھا، برا آدمی کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کی عمر لمبی اور اعمال برے ہوں۔'' (مشکوٰۃ: ج۱، ص۴۵۰)

لمبی عمر، تندرستی اور روزی کی کشادگی، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ نعمتیں جس کو حاصل ہوں اس کو زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنا

چاہئے۔ اور قولاً و عملاً ہر طرح سے شکر گزار بندہ بننا چاہئے۔

بیماری مومن کے لیے رحمت اور گناہوں کا کفّارہ ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”ما من مسلم يصيبه أذى من مرض فما سواه إلا حط الله تعالى به سيئاته كما تحط الشجرة ورقها“. (صحیح بخاری: ص ۸۴۵)
>
> ”کسی مرد مومن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے، مرض سے اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیماری اور دوسری تکلیفوں سے گناہوں کی صفائی ہو جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سعادت مند بندوں کو چاہئے کہ اسے خدائی تنبیہ سمجھتے ہوئے اپنی اصلاح کی فکر اور کوشش کریں۔

بیماری سے درجات بلند ہوتے ہیں:

محمد بن خالد سلمی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ ان کے دادا سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”کسی بندہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا بلند مقام طے ہو جاتا ہے جس کو وہ اپنے عمل سے نہیں پا سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا اولاد کی طرف سے صدمہ اور پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے، پھر اس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے۔ یہاں تک کہ (ان مصائب و تکالیف اور ان پر صبر کرنے کی وجہ سے) وہ ایسا مقام حاصل کر لیتا ہے جو اس کے لیے طے ہو چکا تھا۔“

(مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۱۳۷)

نوٹ: یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے۔ لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت

سے جو ابو یعلی اور ابن حبان میں آئی ہے اس کی تائید ہو جاتی ہے۔

اللہ احکم الحاکمین اور مالک الملک ہے' وہ اگر چاہے تو بغیر کسی عمل اور استحقاق کے بھی اپنے کسی بندے کو بلند سے بلند درجہ عطا فرما سکتا ہے۔ لیکن اس کی حکمت اور صفتِ عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ جو بندے اپنے اعمال واحوال کی وجہ سے جس درجہ کے مستحق ہوں' ان کو اسی درجہ پر رکھا جائے' اسی لیے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور معاملہ ہے کہ جب وہ کسی بندے کے لیے اس کی کوئی ادا پسند کر کے خود اس کی یا اس کے حق میں کسی دوسرے بندے کی دعا قبول کر کے اس کو ایسا بلند درجہ عطا فرمانے کا فیصلہ کرتا ہے' جس کا وہ اپنے اعمال کی وجہ سے مستحق نہیں ہوتا تو اعمال کی اس کمی کو مصائب وحوادث اور صبر کی توفیق سے پورا کر دیتا ہے۔

روزِ قیامت تندرست لوگوں کی خواہش:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے' ان مصائب کے عوض اجر وثواب دیا جائے گا' تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام وچین سے رہے' حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں۔'' (ترمذی: ج۲' ص۶۶)

بیماری میں زمانہ تندرستی کے اعمال کا پورا ثواب:

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص لطف وکرم اور فضل واحسان ہے کہ اگر آدمی بیماری یا سفر جیسی کسی مجبوری سے اپنے ذکر وعبادت وغیرہ کے معمولات پورے نہ کر سکے' تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں اپنے حکم سے وہ معمولات لکھواتا ہے جو یہ بندہ تندرستی اور اقامت کی حالت میں کیا کرتا تھا' چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''إذا مرض العبد أو سافر كتب له بمثل ما كان يعمل

مقیما". (مشکوٰۃ: ج۱، ص۱۳۵)

"جب کوئی بندہ بیمار ہو یا سفر میں جائے (اور اس بیماری یا سفر کی وجہ سے اپنی عبادت وغیرہ کے معمولات پورا کرنے سے مجبور ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اعمال اسی طرح لکھے جاتے ہیں جس طرح وہ صحت وتندرستی کی حالت اور زمانہ اقامت میں کیا کرتا تھا۔"

مریض کی عیادت اور تسلی و ہمدردی کا بیان:

مریض کی عیادت، خدمت، تسلی اور ہمدردی کو رسول اللہ ﷺ نے اعلیٰ درجہ کی عبادت اور مقبول ترین عمل بتایا ہے۔ آپ ﷺ خود بھی مریضوں کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے، انہیں تسلی وتشفی دیتے اور ایسی باتیں کرتے جن سے ان کا غم ہلکا ہو جاتا۔ مختلف طریقوں سے آپ ﷺ نے اپنی امت کو اس کی ترغیب دی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اطعموا الجائع وعودوا المريض وفكوا العاني". (صحیح بخاری: ج۲، ص۸۴۳)

"بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو۔"

باغِ بہشت کی سیر:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إن المسلم إذا عاد أخاه المسلم لم يزل في خرفة الجنة حتى يرجع". (مشکوٰۃ: ج۱، ص۱۳۴)

"بندہ مومن جب اپنے صاحبِ ایمان بندے کی عیادت کرتا ہے، تو واپس آنے تک وہ گویا جنت کے باغ میں ہوتا ہے۔"

جنت میں گھر:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''جس بندے نے کسی مریض کی عیادت کی تو اللہ کا منادی آسمان سے پکارتا ہے کہ تو مبارک اور عیادت کے لیے تیرا چلنا مبارک، اور تو نے یہ عمل کر کے جنت میں اپنا گھر بنالیا ہے۔''

(ابن ماجہ: ج ۱، ص ۱۰۵)

مریض کو تسلی دینی چاہئے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی عمر کے بارے میں اس کے دل کو خوش کرو۔ (یعنی اس کی عمر اور زندگی کے بارے میں خوش کن اور اطمینان بخش باتیں کرو۔ مثلاً یہ کہ تمہاری حالت بہتر ہے۔ ان شاء اللہ تم جلد ہی تندرست ہو جاؤ گے، اور تمہاری لمبی عمر ہے۔) اس طرح کی باتیں کسی ہونے والی چیز کو روک تو نہ سکیں گے۔ (جو ہونے والا ہے وہی ہو گا۔) لیکن اس سے اس کا دل خوش ہو گا۔ (اور یہی عیادت کا مقصد ہے۔)'' (ابن ماجہ: ج ۱، ص ۱۰۵)

نوٹ: اس روایت کی سند کمزور ہے۔

عیادت کی دعاؤں کا بیان:

جب آدمی مریض کے پاس جائے تو اسے رسول اکرم ﷺ کی بیان کردہ دعاؤں میں سے مندرجہ ذیل دعائیں پڑھنی چاہئیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم سے کوئی آدمی بیمار ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنا دایاں ہاتھ اس کے جسم پر پھیرتے اور یہ دعا پڑھتے:

① اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ

اے سب آدمیوں کے پروردگار! اس بندے کی تکلیف دور فرما اور شفاء عطا فرما

لَا شِفَآءَ اِلَّا شِفَآءُكَ شِفَآءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا ○ (بخاری: ج ۵' ص ۲۱۴۸)

تو ہی شفا دینے والا ہے' بس تیری ہی شفا' شفا ہے۔ ایسی کامل شفا عطا فرما جو بیماری بالکل نہ چھوڑے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص بیمار کی عیادت کے لیے آئے تو اس طرح کہے:

(۲) اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ يَنْكَأُ لَكَ عَدُوًّا

اے اللہ! اپنے بندے کو شفا دے جو تیرے دشمن کو زخمی کرے۔

اَوْ يَمْشِيْ لَكَ اِلٰى جَنَازَةٍ ○ (ابوداود: ج ۲' ص ۸۶)

اور تیری خوشنودی کے لیے نمازِ جنازہ کی طرف جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک بدو کی بیمار پرسی کو آئے اور آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب بیمار کو پوچھنے کے لیے جاتے تو فرماتے:

(۳) لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى ○ (بخاری: ص ۸۴۴)

کچھ ڈر نہیں' ان شاءاللہ بیماری گناہوں کو پاک کر دے گی۔

اس کو بھی یہی کہا' وہ کہنے لگا' بالکل نہیں' ایک بڈھے کھوسٹ پر بخار جوش مار رہا ہے اور یہ بخار اس کو قبر کی زیارت کرائے گا۔ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اچھا' یونہی سہی۔'' (مشکوۃ: ج ۱' ص ۱۳۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب کسی آدمی کا کوئی عضو درد کرتا یا کوئی پھوڑا ہوتا' یا کوئی زخم ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس پر انگلی سے اشارہ کرتے اور فرماتے:

(۴) بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا لِيَشْفِيْ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں' یہ ہماری زمین کی مٹی ہے اور ہمارے بعض کا تھوک ہے'

سَقِيْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا ○ (مشکوٰۃ: ج۱' ص۱۳۴)

تا کہ اللہ کے حکم سے ہمارا بیمار اچھا ہو جائے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام' نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا' اے محمد (ﷺ)! کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں' تو جبرائیل علیہ السلام نے یہ کلمات پڑھ کر دم کیا:

⑤ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ

اللہ کے نام کے ساتھ تیرے اوپر دم کرتا ہوں۔ ہر اس چیز کی برائی سے جو تجھے ایذا پہنچائے'

وَمِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْس اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ

اور ہر نفس کے شر اور آنکھ کے حسد سے۔ اللہ تجھ کو شفا دے۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ ○ (مشکوٰۃ: ج۱' ص۱۳۴)

اللہ کے نام کے ساتھ میں یہ دم کر رہا ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص کسی مریض کی بیمار پرسی کرے اور یہ دعا سات دفعہ اس کے پاس پڑھے' اگر اس کی موت کا وقت نہ آ پہنچا ہو تو مریض اس بیماری سے صحت یاب ہو جائے گا۔''

⑥ اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ، رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ،

میں بزرگ وبرتر اللہ سے مانگتا ہوں' جو عرشِ عظیم کا رب ہے

اَنْ يَّشْفِيَكَ ○ (ابوداود: ج۲' ص۸۶)

کہ وہ تجھ کو تندرست کر دے۔

بیمار اپنی بیماری کی حالت میں کیا دعا پڑھے:

مریض اپنی بیماری کی حالت میں سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر دم کر کے تمام بدن پر ان کو پھیر لیا کرے۔ نبی اکرم ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ (بخاری: ص۸۵۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”جو شخص ان کلمات کو اپنی بیماری کی حالت میں پڑھے، پھر اس کی وفات ہو جائے تو آگ اس کو نہیں کھا سکتی۔“

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے

لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ،

جسکا کوئی شریک نہیں، اللہ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، اسی کیلئے ملک اور اسی کیلئے تعریف ہے،

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ○ (ترمذی: ج۴، ص۴۹۲)

اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، گناہ سے رکنے اور نیکی کرنے کی طاقت اللہ کی توفیق ہی سے ہے۔

موت کی دعا و تمنا منع ہے:

بہت سے لوگ دنیا کی تکلیفوں اور پریشانیوں سے گھبرا کر موت کی آرزو اور دعا کرنے لگتے ہیں، یہ بڑی بے عقلی، کم ہمتی اور بے صبری کی بات اور ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ:

> ”تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے۔ اگر وہ نیکوکار ہے تو امید ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے گا، نیکیوں کے اس ذخیرے میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ اور اگر اس کے اعمال خراب ہیں۔ تو ہو

سکتا ہے کہ آئندہ زندگی میں وہ توبہ وغیرہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو راضی کرے۔" (صحیح بخاری: ص ۸۴۷)

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی کسی دکھ اور تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا (اور دعا) نہ کرے، اگر بالکل ہی لاچار ہو جائے تو یہ دعا کرے کہ:

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ

اے اللہ! میرے لیے جب تک زندگی بہتر ہے اس وقت تک مجھے زندہ رکھ

اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ ○ (ابوداود: ج ۲، ص ۸۷)

اور جب میرے لیے موت بہتر ہو اس وقت تو مجھے دنیا سے اٹھا لے۔

ان کاموں کا بیان جو جان کنی کے وقت کرنے چاہئیں

کلمۂ توحید کی تلقین:

جب کوئی شخص مرنے کے قریب ہو، تو اسے کلمۂ توحید پڑھنے کی تلقین کریں، یعنی اس کے پاس بیٹھ کر یہ کلمہ با آواز بلند کہیں کہ وہ سنے اور یہ کلمہ اس کو یاد آ جائے اور اس کو کہے، مگر ٹھہر ٹھہر کر اطمینان کے ساتھ کہیں، لگاتار دیر تک نہ کہتے رہیں اور نہ چلا کر شور وغل کے ساتھ کہیں۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اپنے مُردوں کو (یعنی جو جان کنی کی حالت میں ہوں۔) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کی تلقین کرو۔" (مسلم: ج ۱، ص ۳۰۰)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، مرنے والے کو اس طرح کلمہ توحید کی تلقین کرنا تمام ائمہ کے نزدیک مستحب ہے۔ لیکن انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ

مرنے والے پر کلمہ توحید پڑھنے کے لیے زور دیا جائے' تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی تکلیف اور گھبراہٹ کی وجہ سے دل میں اسے ناپسند کرنے لگے یا اس کی زبان سے کوئی نازیبا قسم کی بات نکل جائے۔ اگر وہ ایک مرتبہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھنا شروع کر دے تو اسے اس وقت تک دوبارہ یاددہانی نہ کرانی چاہیے جب تک اس کے بعد کوئی دوسری بات نہ کرے۔ اگر وہ کوئی دوسری بات کرنے لگے تو پھر اسے یاددہانی کرائی جا سکتی ہے تاکہ اس کا خاتمہ' کلمہ توحید پر ہو۔ (نیل الاوطار: ج ۳' ص ۲۲)

سورۂ یٰسین کی تلاوت:

جانکنی کے وقت مریض کے پاس سورۂ یٰسین پڑھنے کا بھی حکم ہے' چنانچہ مَعْقِل بن یَسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "سورۂ یٰسین قرآن مجید کا دل ہے۔ کوئی شخص اسے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور آخرت (کی نجات) حاصل کرنے کی نیت سے تلاوت نہیں کرتا' مگر اسے بخش دیا جاتا ہے۔ اپنے مُردوں پر اس کی تلاوت کرو۔" (بلوغ الامانی: ج ۷' ص ۶۳)

یہاں مُردوں سے مراد وہی لوگ ہیں جن پر موت کے آثار ظاہر ہو گئے ہوں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس حکم کی خاص حکمت اور مصلحت کیا ہے؟ البتہ اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ سورت دین وایمان سے متعلق بڑے اہم مضامین پر مشتمل ہے۔ اور موت کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اس کا بڑا مؤثر اور تفصیلی بیان ہے۔ اور خاص کر اس کی آخری آیت موت کے وقت کے لیے بہت ہی موزوں اور مناسب ہے۔

نوٹ: اس حدیث کے بارے میں اختلاف ہے' ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔ مگر ابن قطان نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور ضعف کی اس میں تین علامتیں بیان کی ہیں:

① اس میں اضطراب ہے۔ ② یہ موقوف بھی مروی ہے۔

③ ابوعثمان اور اس کا باپ دونوں مجہول ہیں۔

ابن العربی نے دارقطنی سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اور اس کا متن مجہول ہے۔ اور اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ (تلخیص: ج ۲، ص ۱۰۴، مسند احمد: ج ۴، ص ۱۰۸)

البتہ بعض تابعین سے یہ مروی ہے کہ سورۂ یٰسین کے پڑھنے سے تخفیف ہوتی ہے۔ شیخ البانی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

جان کنی کے وقت دعا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو جب آپ ﷺ کی روح بدن سے جدا ہو رہی تھی، دیکھا کہ آپ ﷺ کے پاس پانی کا ایک پیالہ پڑا ہوا تھا، آپ ﷺ اس میں ہاتھ ڈالتے، پھر چہرے پر مسح کرتے اور یہ دعا فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ ○ (ترمذی: ج ۱، ص ۱۹۲)

اے اللہ! موت کی سختیوں (کے جھیلنے) پر میری مدد فرما۔

موت کے بعد آنکھوں کا بند کرنا اور دعا:

جب روح قبض ہو جائے تو میت کی آنکھیں بند کر دی جائیں اور ہاتھ پاؤں سیدھے کر دیئے جائیں۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ پر داخل ہوئے، اور ان کی آنکھیں کھلی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کو بند کر دیا۔ تو ان کے گھر کے بعض لوگ رونے چلانے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا:

> ”اپنی جانوں کے واسطے بجز نیک دعا کے بددعا نہ کرو۔ اس لیے کہ جو تم لوگ کہتے ہو اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔“ پھر آپ

ﷺ نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے لیے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلِمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِی الْمَهْدِیِّیْنَ

اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما اور اپنے ہدایت یافتہ بندوں میں ان کا درجہ بلند فرما

وَاخْلُفْهُ فِیْ عَقِبِهٖ فِی الْغَابِرِیْنَ وَاغْفِرْ لَنَا یَا رَبَّ

اور اس کے بجائے تو ہی سرپرستی اور نگرانی فرما۔ اور ہمارے گناہ بخش دے

الْعٰلَمِیْنَ وَافْسَحْ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِیْهِ ○ (مشکوٰۃ: ص ۱۴۱)

یارب العلمین! اس کی قبر کو وسیع اور منور فرما۔

الغرض روح قبض ہو جانے کے بعد اہل میت کو یہ دعا پڑھنی چاہیے اور بجائے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے اپنی میت کا نام لینا چاہیے۔ مثلاً میت کا نام عبداللہ ہے تو یوں کہنا چاہیے: ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِاللّٰهِ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ ...... الخ''۔

میت کو قبلہ رخ لٹانا:

جب کوئی شخص مرنے کے قریب ہو تو سنت ہے کہ اس کو قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں، یعنی داہنی کروٹ پر اس طرح لٹائیں کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو۔ اور اگر کسی وجہ سے اس طرح نہ لٹا سکیں تو چت لٹائیں، اس طرح کہ اس کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں۔ اور سر کے نیچے تکیہ یا کوئی اور چیز رکھ کر اونچا کر دیں۔ کہ منہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اس طرح لٹانے میں بھی سنت ادا ہو جائے گی، اگر قبلہ کی طرف متوجہ کرنے میں مریض کو تکلیف ہو تو جس حالت پر ہو اسی حالت پر اس کو چھوڑ دیں۔ (کتاب الجنائز، از مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری)

حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ جب ان کا آخری وقت ہو تو انہیں قبلہ رخ کر کے لٹا دیا جائے، نبی اکرم ﷺ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''انہوں نے فطرت کے مطابق کام کیا۔'' (حاکم: ج۱، ص ۳۵۳)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی وفات کے وقت قبلہ رخ ہوئیں۔ پھر انہوں نے اپنے سر کو اپنے بازوؤں پر رکھ لیا۔ (بلوغ الامانی: ج ۲۲، ص ۹۶)

میت کو چادر سے ڈھانپ دینا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کی وفات ہو گئی تو آپ ﷺ کو ایک یمنی چادر سے ڈھانپ دیا گیا۔ (مشکوۃ: ج ۱، ص ۱۴۱)

میت کو چادر سے ڈھانپ دینے کے مستحب ہونے پر اجماع ہے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ میت کی ستر پوشی بھی ہو جاتی ہے اور اس کی بدلی ہوئی حالت بھی چھپ جاتی ہے۔ (نیل الاوطار: ج ۴، ص ۲۷)

میت کا بوسہ لینا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ (جن پر چادر پڑی ہوئی تھی) کی طرف دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک کھولا اور جھک کر آپ ﷺ کے چہرے کا بوسہ لے لیا۔ (بخاری: ج ۱، ص ۱۶۶)

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ”حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اعتراض نہیں کیا۔ گویا میت کا بوسہ لینے کے جواز پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔“ (نیل الاوطار: ج ۴، ص ۲۸)

میت کے لیے مغفرت کی دعا اور انا للہ کا تکرار:

موت کے صدمہ کے وقت صبر کرنا چاہئے اور مندرجہ ذیل دعا پڑھنی چاہئے:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○ اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ

ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہم سب لوٹ کر جانیوالے ہیں، اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت

وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا ○ (مشکوٰۃ: ص۱۴۰)

میں اجر عطا فرما اور (جو چیز مجھ سے لے لی گئی ہے) اس کے بجائے اس سے بہتر مجھے عطا فرما۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ''جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یہ دعا پڑھے تو اللہ اس کو اس سے بہتر بدلہ دیتا ہے۔''

چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ:

> ''جب (میرے شوہر اول) ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کون مسلمان ہو گا۔ [illegible] یہ اس خاندان کے پہلے شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف پہلے ہجرت کی تھی، پھر میں نے اس دعا کو پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے میں ان سے بہتر شخص (یعنی رسول اللہ ﷺ) مجھ کو عطا فرمایا۔'' (مسلم: ج ۱، ص ۳۰۰)

میت کے رشتہ دار اور جاننے والوں کو اِطلاع:

جب کوئی شخص مر جائے تو اس کے رشتہ داروں، دوستوں اور جاننے والوں کو اس کی اِطلاع دی جائے تاکہ وہ اس کی تجہیز و تکفین اور جنازہ میں شریک ہو سکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے باہم ایک دوسرے کو موت کی خبر دی۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> ایک آدمی یا عورت جو مسجد کی صفائی کیا کرتے تھے۔ ان کا انتقال رات کو ہو گیا۔ اور رات کو ہی دفنا دیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ کے پوچھنے پر انہوں نے جواب دیا کہ وہ فوت ہو گیا تھا۔ رات کا وقت تھا تو ہم نے آپ کو زحمت دینا مناسب تصور نہ کیا۔ گویا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے ایک معمولی آدمی خیال کیا۔ پھر آپ ﷺ

اس کی قبر پر تشریف لائے اور نماز جنازہ پڑھی۔ (بخاری: ج۱، ص۱۷۸)

اس حدیث سے رسول اکرم ﷺ کی تواضع اور ملنساری کا پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کس طرح غریبوں اور ناداروں کا خیال رکھا کرتے تھے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوست واحباب کو جنازہ کی اطلاع کر دینا چاہئے تا کہ وہ بھی جنازہ میں شامل ہو جائیں۔

میت کے قرض کی ادائیگی:

میت کے ذمہ اگر قرض ہو تو اس کی موت سے پہلے یا اس کے فوراً بعد اس کی ادائیگی میں جلدی کرنی چاہئے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ”مومن کی جان اس کے قرض کے ساتھ لٹکتی رہتی ہے، یہاں تک کہ وہ اس کی طرف سے ادا کر دیا جائے۔“ (ابن حبان: ج۷، ص۳۳۱)

اگر کوئی شخص مر جائے اور اس نے اپنی بیوی کا حق مہر ادا نہیں کیا، اور کچھ مال بھی نہیں چھوڑا تو اس صورت میں اس کی بیوی اگر اپنا مہر بخوشی معاف کر دے تو بڑے ثواب کی بات ہے اور اپنے فوت شدہ شوہر پر بہت بڑا احسان ہے۔ اور اگر مال چھوڑ گیا ہے تو اس صورت میں اس کی بیوی سے خواہ مخواہ مہر معاف کرانا جائز نہیں۔ بلکہ اس صورت میں وُرَثاء کو لازم ہے کہ اس کی بیوی کا مہر اور دوسرے قرض خواہوں کا قرض فوراً ادا کر دیں۔ (کتاب الجنائز، از مولانا مبارکپوریؒ)

میت پر رونا پیٹنا منع ہے:

کسی کی موت پر اس کے اقارب اور اعزہ و متعلقین کا رنجیدہ و غمگین ہونا اور اس کے نتیجہ میں آنکھوں سے آنسو بہنا اور اسی طرح بے اختیار گریہ کے دوسرے آثار کا ظاہر ہو جانا بالکل فطری بات ہے۔ اور اس بات کی علامت ہے کہ اس آدمی کے دل میں محبت اور دردمندی کا جذبہ موجود ہے۔ جو انسانیت کا

ایک قیمتی اور پسندیدہ عُنصُر ہے۔ اس لیے شریعت نے اس پر پابندی عائد نہیں کی، ایک ایک درجہ میں اس کی تحسین اور قدر افزائی کی ہے۔ لیکن ماتم کرنا، بین کرنا، رخساروں کو پیٹنا، گریبان کا پھاڑنا، چہرے کا نوچنا، بالوں کا بکھیرنا، اس کی سخت ممانعت فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ''وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے (جو میت پر روتے ہوئے) گریبان پھاڑتا ہے، یا گالوں پر تھپڑ مارتا ہے اور جاہلیت کے بین کرتا ہے۔'' (بخاری: ج ۱، ص ۱۷۲)

عورت کا اپنے خاوند اور دوسرے رشتہ داروں کی موت پر سوگ:

عورت کے لیے اپنے خاوند کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں (باپ، بیٹا، بھائی وغیرہ) کی موت پر تین دن تک سوگ منانے (یعنی زینت اور بناؤ سنگھار سے رکے رہنے) کی اجازت ہے۔ تین دن سے زیادہ سوگ منانے کی اجازت نہیں۔ خاوند کی موت پر اس کے لیے چار ماہ دس دن تک، یعنی جب تک اس کی عدت باقی رہے، سوگ منانا واجب ہے۔ چنانچہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے وقت یہ فرماتے سنا ہے کہ:

> ''کسی ایسی عورت کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو، یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کے مرنے پر تین دن رات سے زیادہ سوگ منائے۔ ہاں وہ اپنے خاوند کی موت پر چار ماہ دس راتیں سوگ منائے گی۔'' (بخاری: ج ۱، ص ۱۷۱)

میت کو اچھے الفاظ سے یاد کرنا اور برائیوں کے ذکر سے اجتناب:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جس مسلمان کی اچھائی پر چار مسلمان گواہی دیں تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔'' ہم نے کہا' تین مسلمان گواہی دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تین ہی سہی۔'' ہم نے عرض کیا' اور اگر دو مومن گواہی دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دو ہی سہی۔'' (پھر ہم نے آپ ﷺ سے ایک کی گواہی کے متعلق نہیں پوچھا۔'' (بخاری: ج۱' ص۱۸۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مُردوں کی اچھی باتیں بیان کرو اور ان کی بری باتوں سے رک جایا کرو۔'' (مشکوۃ: ج۱' ص۱۴۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرنے والے کی اچھی باتیں کرنی چاہئیں۔ تا کہ تمہاری دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اس کی اچھی باتیں کرنے لگیں۔ اور اس کے حق میں نیک شہادت مہیا ہو جائے اور اس کی بخشش کا سامان بن جائے۔ اور اگر کوئی آدمی کسی کے حق میں کلمہ خیر نہ کہہ سکے تو کم از کم خاموش ہی رہے۔

نوٹ: یہ حدیث اگرچہ سنداً ضعیف ہے تاہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ''لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ'' جو بخاری میں ہے اور نسائی کی روایت کردہ حدیث ''لَا تَذْکُرُوْا مَنْ هَلَکَکُمْ اِلَّا بِخَیْرٍ'' سے اس کی تائید ہو جاتی ہے۔

میت کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرنی چاہیے:

جب روح قبض ہو جائے تو فوراً تجہیز و تکفین' نماز جنازہ اور دفنانے میں جلدی کرنی چاہیے۔ اس میں بلاوجہ تاخیر کرنا صحیح نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص رات کو فوت ہو جائے اور رات ہی کو تجہیز و تکفین اور نمازِ جنازہ ہو سکے تو رات ہی کو دفن کر دیں۔ دن کا انتظار نہ کریں۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

”جب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اسے زیادہ دیر اپنے پاس نہ روکے رکھو اور اس کو دفن کے لیے جلدی لے آؤ۔“

(طبرانی، بحوالہ مرعاۃ: ج ۲، ص ۴۶۹)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جنازہ جلدی لے جایا کرو، کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو جلدی اپنے اچھے مقام پر پہنچ جائے گا۔ اور اگر وہ بد ہے تو تم جلدی اس بلا کو اپنے کندھوں سے اتار پھینکو گے۔“

غسلِ میت کا بیان

اللہ کا جو بندہ اس دنیا سے رخصت ہو کر موت کے راستے سے دار آخرت کی طرف جاتا ہے، اسلامی شریعت نے اسے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کرنے کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے۔ جو نہایت ہی پاکیزہ، نہایت ہمدردانہ اور شریفانہ ہے۔ حکم ہے کہ پہلے میت کو ٹھیک اس طرح غسل دیا جائے جس طرح زندہ آدمی پاکی یا پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے غسل کرتا ہے۔ اس غسل میں پاکی اور صفائی کے علاوہ غسل کے آداب کا بھی پورا لحاظ رکھا جائے۔ ذیل میں غسل کا مسنون طریقہ اور آداب ملاحظہ فرمائیں۔

میت کے غسل کا مسنون طریقہ:

میت کو غسل دینے کا ارادہ کریں تو اسے تختے پر لٹا کر اس کے کپڑے اتار کر ناف سے گھٹنوں تک کوئی صاف کپڑا ڈال دیا جائے۔ بدن کا جتنا حصہ زندگی کی حالت میں چھپانا ضروری تھا، اس کو بے ستر نہ کریں۔ پھر میت کو ذرا سر کی جانب سے اٹھا کر نرم نرم پیٹ کو دبایا جائے، تاکہ اندر کوئی چیز رکی ہوئی ہو تو باہر آ جائے۔ پھر اپنے ہاتھ پر کپڑے کا ٹکڑا لپیٹ کر استنجاء کی جگہ اچھی طرح صاف

کی جائے۔ اور اگر بدن پر کہیں نجاست ہو تو اس کو بھی اچھی طرح صاف کریں‘ اس کے بعد غسل دائیں جانب اور اعضاء وضو سے شروع کیا جائے‘ پہلے روئی سے منہ‘ ناک اندر سے صاف کیا جائے۔ پھر اور روئی لے کر منہ‘ ناک بند کر دیئے جائیں تاکہ پانی اندر نہ جائے۔ غسل کے بعد روئی نکال دی جائے۔ منہ‘ ناک صاف کر کے وضو کے باقی اعضاء دھوئے جائیں۔ اگر میت عورت ہو تو اس کے سر کی چوٹیوں کو کھول کر اس کا سر دھوئیں۔ پھر میت کی دائیں جانب دھوئی جائے۔ پھر بائیں جانب‘ یہ ایک غسل ہو گیا۔ اسی طرح جتنی دفعہ مناسب ہو غسل دیا جائے لیکن طاق ہو‘ یعنی تین‘ پانچ‘ سات یا زیادہ دفعہ اور اخیر دفعہ پانی میں کافور ملایا جائے۔ پھر کسی کپڑے سے میت کا بدن خشک کر کے کفنا دیا جائے۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

> ”ہم رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کو غسل دے رہی تھیں‘ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے اور فرمایا کہ ان کو پانی اور بیری کے پتوں سے تین یا پانچ بار یا اس سے زیادہ اگر ضرورت محسوس ہو تو غسل دو۔ اور اخیر غسل میں کافور ڈالو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کی دائیں طرف سے اور وضو کی جگہوں سے شروع کرو۔“ (بخاری: ج ۱‘ ص ۱۶۷)

میت کو نرمی اور آہستگی سے غسل دیں اور اگر میت سے کوئی مکروہ اور معیوب بات معلوم ہو تو اس کو چھپائیں اور کسی سے ظاہر نہ کریں‘ اور جس مقام میں غسل دیں وہاں پردہ کر لیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

> ”جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا‘ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔“ (ابوداود: ج ۲‘ ص ۳۲۲)

علماء لکھتے ہیں کہ غسل دینے والا غسل دیتے وقت جب میت کی کوئی اچھی

بات دیکھے، مثلاً اس کے چہرے کا چمکنا اور روشن ہونا یا اس سے خوشبو کا معلوم ہونا تو بہتر ہے کہ اس کو لوگوں سے بیان کرے۔ اور اگر کوئی مکروہ بات دیکھے، مثلاً اس کے چہرے یا بدن کا سیاہ ہو جانا، یا اس کی صورت کا بدل جانا یا اس سے بدبو معلوم ہونا تو اس کو لوگوں سے ظاہر کرنا جائز نہیں۔ (کتاب الجنائز، از مولانا مبارکپوریؒ: ص ۲۶)

مَردوں کے کفن مسنون کا بیان:

مَردوں کے لیے کفنِ مسنون صرف تین کپڑے ہیں اور وہ تین چادر ہیں، جو اس قدر لمبی اور چوڑی ہوں جن میں میت کو خوب اچھی طرح لپیٹا جا سکے اور سر سے قدم تک بخوبی چھپ جائے۔ قمیص اور پگڑی کی ضرورت نہیں۔ رسول اکرم ﷺ بھی چادروں میں ہی کفن دیئے گئے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

> ”رسول اکرم ﷺ مقام ”سُحول“ کی بنی ہوئی تین سفید سوتی چادروں میں کفنائے گئے تھے۔ جن میں نہ قمیص (کرتا) تھی نہ عمامہ۔“ (بخاری: ج۱، ص۱۶۹)

مَردوں کو کفنانے کا طریقہ:

کفنانے سے پہلے مَردوں کے سر، ڈاڑھی اور کفن پر عِطر یا کوئی اور خوشبو استعمال کرنی چاہیے۔ اگر، یا لوبان جلا کر کفن کو دھونی دینا بھی حدیث میں آیا ہے۔ کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ مَرد کی تینوں چادریں اوپر نیچے چار پائی پر بچھا دی جائیں اور میت کو اوپر لٹا دیا جائے۔ پھر اوپر والی چادر کی دائیں طرف کو پہلے لپیٹیں تا کہ کفن کا لپٹنا دائیں طرف سے شروع ہو۔ پھر بائیں طرف کو لپیٹیں۔ پھر اسی طرح نیچے کی باقی دو چادروں کو بھی لپیٹیں۔ پھر کپڑے کی دھجی سے تین جگہ بند باندھا جائے۔ یعنی سر، پاؤں اور کمر کے پاس۔ جب میت کو قبر میں رکھیں تو دو بند (سر اور پاؤں کے) کھول دیئے جائیں اور کمر کا باقی رہے۔

عورتوں کے کفن مسنون کا بیان:

عورتوں کے لیے کفن مسنون پانچ کپڑے ہیں، یعنی تہہ بند، کرتا، دوپٹہ اور دو چادریں، چنانچہ حضرت لیلیٰ ثقفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

> ''میں ان عورتوں میں شامل تھی، جنھوں نے رسول اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو ان کی وفات کے وقت غسل دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہمیں تہبند دیا، پھر کرتا، پھر دوپٹہ، پھر چادر پھر ایک دوسرے کپڑے میں لپیٹی گئیں۔ اور رسول اللہ ﷺ دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پاس کفن تھا اور وہ ہمیں ایک ایک کپڑا دے رہے تھے۔'' (ابوداود: ج ۲، ص ۹۴)

نوٹ: یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

عورتوں کے کفنانے کا طریقہ:

کفنانے سے پہلے مرد کی طرح عورت کے سجدہ کی جگہوں پر بھی عِطر وغیرہ لگانا چاہئے۔ اور عورت کے سر کے بالوں کی تین چوٹیاں بنا کر پیچھے ڈال دینا چاہئے۔ سر کے آگے کے بالوں کی ایک چوٹی بنائی جائے اور سر کے دونوں جانب کے بالوں کی دو چوٹیاں بنائی جائیں اور عورت کے کفن کو بھی کسی خوشبودار چیز، اگر یا لوبان سے دھونی دی جائے۔

عورت کو پہلے تہبند میں لپیٹیں اور تہبند کو زندہ کی طرح کمر سے نہ باندھیں۔ بلکہ بغل سے لے کر سینہ اور کمر اور ران وغیرہ بدن کے جس قدر حصہ پر لپیٹ سکیں لپیٹیں، پھر کرتا پہنائیں، پھر دوپٹہ سے اس کے سر اور بالوں کو چھپائیں، پھر سر، کمر اور پاؤں کی طرف کو گرہ لگائیں۔ (کتاب الجنائز: ص ۳۸)

نمازِ جنازہ کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص ایمان کی صفت کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ جائے اور اس وقت تک جنازے کے ساتھ رہے، جب تک کہ اس پر نماز نہ پڑھی جائے اور اس کے دفن سے فراغت حاصل نہ ہو، تو وہ ثواب کے دو قیراط لے کر واپس ہوگا۔ جس میں سے ہر قیراط گویا اُحد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ اور جو آدمی صرف نمازِ جنازہ پڑھ کر واپس آ جائے۔ (دفن ہونے تک ساتھ نہ رہے) تو وہ ثواب کا (ایسا ہی) ایک قیراط لے کر واپس ہوگا۔'' (بخاری: ج ۱، ص ۱۷۷)

نمازِ جنازہ میں خلوص کے ساتھ دعا کرنے کا حکم:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم کسی میت کی نمازِ جنازہ پڑھو تو پورے خلوص سے اس کے لیے دعا کرو۔'' (ابن ماجہ: ج ۱، ص ۱۰۹)

نمازِ جنازہ میں کثرتِ تعداد سے بخشش کی امید:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس مسلمان آدمی کا انتقال ہو جائے اور اس کے جنازے کی نماز چالیس ایسے آدمی پڑھیں جن کی زندگی شرک سے بالکل پاک ہو۔ (اور وہ نماز میں اس میت کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا اور سفارش کریں۔) تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش اس میت کے حق میں ضرور قبول فرما لیتے ہیں۔'' (صحیح مسلم: ج ۱، ص ۳۰۸)

اس حدیث اور دیگر احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ میں کثرت مطلوب اور باعثِ برکت ورحمت ہے۔ اس لیے مناسب حد تک اس کا اہتمام اور اس کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔

نمازِ جنازہ پڑھنے کا مسنون طریقہ:

نمازِ جنازہ پڑھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ میت اگر مرد ہو تو امام اس کے سر کے پاس کھڑا ہو۔ اور اگر عورت ہو تو امام اس کی کمر کے پاس کھڑا ہو' اور مقتدی لوگ اس کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہوں' بہتر یہ ہے کہ تین صفیں کر لیں۔ پھر امام دوسری نمازوں کی طرح دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں یا کانوں تک اٹھائے اور با آواز بلند “اللہ اکبر” کہے۔ پھر ہاتھوں کو باندھ لے اور دعا' وثناء پڑھے جو دیگر نمازوں میں پڑھی جاتی ہے۔ پھر سورۂ فاتحہ پڑھے' پھر با آواز بلند “اللہ اکبر” کہے۔ پھر درود پڑھے جو اور نمازوں میں پڑھا جاتا ہے۔ پھر با آواز بلند “اللہ اکبر” کہے۔ اور ان دعاؤں میں سے کوئی دعا پڑھے جو آگے لکھی جائیں گی۔ پھر با آواز بلند “اللہ اکبر” کہے اور پھر دائیں اور بائیں جانب سلام پھیر دے۔ مقتدی لوگ بھی ٹھیک اسی طرح کریں۔ مگر تکبیر اور سلام با آواز بلند نہ کہیں۔

نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ:

نمازِ جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ کیونکہ جنازہ بھی نماز ہے۔ اور نماز کے متعلق نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: “لا صلوٰۃ إلا بفاتحۃ الکتاب”. یعنی سورۂ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں۔ پھر خاص طور پر نمازِ جنازہ میں بھی سورۂ فاتحہ کا پڑھنا نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ احادیث ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک جنازہ کی نماز

پڑھائی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس میں سورۂ فاتحہ پڑھی اور پھر فرمایا: ”لتعلموا أنها سنة“. ”میں نے یہ اس لیے پڑھی ہے کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔“ (بخاری: ج ١‘ ص ١٧٨)

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”نمازِ جنازہ میں سنت یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھی جائے۔ پھر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا جائے اور پھر میت کے لیے خلوصِ دل سے دعا کی جائے۔ قراءت صرف ایک بار کی جائے اور پھر سلام پھیر دیا جائے۔“ (نیل الاوطار: ج ٤‘ ص ٦٦)

فضالہ بن ابی امیہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

”جس شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی اس نے سورۂ فاتحہ پڑھی۔“

(بخاری‘ فی تاریخہ: ج ٧‘ ص ١٢٥)

نمازِ جنازہ کی دعائیں

نمازِ جنازہ سے اصل مقصود میت کے لیے دعا کرنا ہے۔ اور اسی لیے نبی اکرم ﷺ سے بکثرت دعائیں مروی ہیں۔ چند ایک ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت کے جنازہ کی نماز پڑھی (اس میں آپ ﷺ نے میت کے لیے جو دعا کی) اس دعا کے یہ الفاظ مجھے یاد ہیں‘ آپ ﷺ اللہ کے حضور عرض کر رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ

اے اللہ! تو اس بندہ کی مغفرت فرما اور اس پر رحمت فرما‘ اسکو عافیت دے‘ اسکو معاف فرما دے‘

وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَآءِ

اسکی باعزت مہمانی فرما‘ اسکی قبر کو اس کیلئے وسیع فرما دے‘ (جہنم کی آگ اور اسکی سوزش وجلن کی بجائے)

وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ ○ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ

پانی سے‘ برف سے اور اولوں سے اسکو نہلا دے‘ (ٹھنڈا اور پاک فرما دے) اور گناہوں کی گندگی سے اسکو صاف فرما

الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ ○ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا

جس طرح اجلے سفید کپڑے کو تو نے میل سے صاف فرما دیا ہے۔ اور اسکو دنیا کے گھر کے بدلے میں

مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا

آخرت کا اچھا گھر اور گھر والوں کے بدلہ میں اچھے گھر والے اور رفیق حیات کے بدلہ میں

مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

اچھا رفیق حیات عطا فرما دے۔ اور اس کو جنت میں پہنچا دے اور عذابِ قبر

وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ ○ (مشکوٰۃ: ص ۱۴۵)

اور عذابِ دوزخ سے اس کو پناہ دے۔

حدیث کے راوی عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی یہ دعا سن کر میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش یہ میت میں ہوتا۔ (مشکوٰۃ: ص ۱۴۵)

نمازِ جنازہ کی دوسری دعا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز جنازہ پڑھتے تو یوں دعا فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَآئِبِنَا

اے اللہ! بخش دے ہمارے زندوں‘ مردوں‘ حاضر اور غائب‘

وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا ○ اَللّٰهُمَّ مَنْ

چھوٹوں‘ بڑوں‘ مردوں عورتوں کو‘ اے اللہ! جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھے

اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا

اس کو اسلام پر قائم رکھتے ہوئے زندہ رکھ اور جس کو تو اس عالم سے اٹھائے

فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ ○ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ

اسکو ایمان کی حالت میں اٹھا۔ اے اللہ! اس میت کی موت کے اجر سے ہمیں آخرت میں محروم نہ رکھ'

وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ ○ (مشکوٰۃ: ص۱۴۶)

اور اس دنیا میں اس کے بعد تو ہمیں کسی فتنہ اور آزمائش میں نہ ڈال۔

نمازِ جنازہ کی تیسری دعا: حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھائی۔ میں نے سنا اس میں آپ ﷺ یہ دعا کر رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِيْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ

اے اللہ! تیرا یہ بندہ فلاں بن فلاں تیری امان اور تیری پناہ میں ہے

فَقِهٖ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ

تو اس کو عذابِ قبر اور عذابِ نار سے بچا' تو وعدوں کا

الْوَفَآءِ وَالْحَقِّ ○ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ

وفا کرنے والا اور خداوند حق ہے۔ اے اللہ! تو اس بندے کی مغفرت فرما دے' اس پر رحمت فرما'

اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (مشکوٰۃ: ص۱۴۶)

تو بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

نوٹ: فلاں بن فلاں کی جگہ میت اور اس کے باپ کا نام لینا چاہئے۔

نمازِ جنازہ کی چوتھی دعا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نمازِ جنازہ میں یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبُّھَا وَاَنْتَ خَلَقْتَھَا وَاَنْتَ ھَدَیْتَھَا اِلَی
اے اللہ! تو اس کا رب ہے، تو نے ہی اس کو پیدا کیا ہے اور تو نے ہی اس کو
الْاِسْلَامِ وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَھَا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّھَا
اسلام کی ہدایت کی، اور تو نے ہی اس کی روح کو قبض کیا اور تو ہی اس کے پوشیدہ
وَعَلَانِیَتِھَا جِئْنَا شُفَعَآءَ فَاغْفِرْ لَہٗ ○ (مشکوٰۃ: ص ۱۵۷)
اور ظاہر کو خوب جانتا ہے، ہم لوگ سفارشی ہو کر آئے ہیں، پس تو اس کو بخش دے۔

نمازِ جنازہ کی پانچویں دعا: حضرت یزید بن رُکانہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ رسول اللہ ﷺ جب جنازہ پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ عَبْدُكَ وَابْنُ اَمَتِكَ یَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ.
اے اللہ! یہ تیرا بندہ اور تیری بندی کا بیٹا ہے، یہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں
وَحْدَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ. وَیَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ
اور تو اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔ اور گواہی دیتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ تیرے بندے
وَرَسُوْلُكَ. اَصْبَحَ فَقِیْرًا اِلٰی رَحْمَتِكَ وَاَصْبَحْتَ غَنِیًّا
اور رسول ہیں۔ یہ تیری رحمت کا محتاج ہے اور تو اس کے عذاب سے
عَنْ عَذَابِہٖ، تَخَلّٰی مِنَ الدُّنْیَا وَاَھْلِھَا، اِنْ کَانَ زَاكِیًا
بے نیاز ہے۔ یہ شخص دنیا اور دنیا والوں سے الگ ہو گیا، اگر یہ پاک ہے،
فَزَكِّہٖ وَاِنْ کَانَ مُخْطِئًا فَاغْفِرْ لَہٗ، اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا
تو تو اس کو پاک کر، اور اگر گنہگار ہے تو اس کی مغفرت فرما دے، اے اللہ! اس کے ثواب سے ہم کو
اَجْرَہٗ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَہٗ ○ (حاکم: ج ۱، ص ۳۰۹)
محروم نہ رکھ اور اس کے بعد ہم کو گمراہ نہ کر۔

نابالغ بچے کی دعائے جنازہ:

اگر نابالغ بچے کا جنازہ ہو تو اس کے لیے یہ دعا پڑھنی چاہیے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَّفَرَطًا وَّذُخْرًا وَّاَجْرًا ○ (مشکوٰۃ: ص ۱۴۷)

اے اللہ! اس لڑکو کو ہمارے لیے پیش رو اور پہلے سے سامان کرنے والا اور ثواب کا ذخیرہ اور ثواب کا ذریعہ کر دے۔

فائدہ: نمازِ جنازہ کی دعائیں جن الفاظ کے ساتھ حدیث میں آئی ہیں، ان ہی الفاظ کے ساتھ پڑھنی چاہئیں۔ ان میں کچھ تغیر وتبدل نہیں کرنا چاہیے۔ مرد کا جنازہ ہو، خواہ عورت کا، لڑکے کا ہو یا لڑکی کا، مثلاً "**اللھم اجعله**" لڑکے کے جنازہ پر پڑھنی چاہیے اور لڑکی کے جنازے پر بھی۔ اور لڑکی کا جناز ہو تو "**اللھم اجعلها**" پڑھنے کی ضرورت نہیں، اسی طرح جس دعا میں مذکر کی ضمیر ہے تو اس کو مذکر ہی کی ضمیر پڑھنا چاہیے، مرد کا جنازہ ہو خواہ عورت کا اور جس دعا میں مؤنث کی ضمیر ہو تو اس کو مؤنث ہی کی ضمیر پڑھنا چاہیے، عورت کا جنازہ ہو خواہ مرد کا۔ (نیل الاوطار از امام شوکانی، وکتاب الجنائز: ص ۵۸)

نمازِ جنازہ کے بعد دعا:

کسی مسلمان کی وفات کے بعد اس کے اعزہ واقارب اور دوسرے دوست واحباب کو جو اس کو بہترین تحفہ بھیج سکتے ہیں اور اس کے ساتھ جو حسن سلوک کر سکتے ہیں وہ اس کے حق میں دعا کرنا ہے۔ انفرادی طور پر جس وقت بھی کوئی چاہے اس کی وفات کے بعد تا زیست اس کے لیے دعا کرے اس میں کوئی قباحت اور خرابی نہیں ہے۔ اور نُصوص شرعیہ سے اس کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ لیکن بصورت اجتماع میت کے لیے دعا کرنے کا ثبوت صرف نمازِ جنازہ کی صورت میں ہے۔ اس کے علاوہ جہاں شریعت نے اجتماعی صورت میں دعا کا طریقہ نہیں بتلایا وہ درست نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینؒ اور اتباع

تابعینؒ نے ایک دو نہیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں جنازے پڑھے' پڑھائے۔ مگر کسی سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے نمازِ جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد فوراً اجتماعی طور پر دعا مانگی ہو۔ باقی میت کے لیے نمازِ جنازہ مطلق دعا ہے۔ مل کر اجتماعی طور پر نمازِ جنازہ کے متصل بعد دعا کرنا بلاشبہ بدعت ہے۔ مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ (مزید تفصیل کے لیے ہمارا رسالہ دعا وتوسل ملاحظہ فرمائیں)

میت کو دفن کرنے کا بیان

قبر میں میت کے رکھنے کی جگہ کشادہ ہونی چاہیئے۔ تا کہ اس میں مردہ بلا تنگی وتکلیف رکھا جا سکے۔ قبر کھودنے میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔ اگر مردے کی کوئی ہڈی نکلے تو ٹوٹنے نہ پائے۔ جو ہڈی نکلے اس کو بحفاظت تمام پھر اسی قبر میں دفن کر دینا چاہیئے۔

مردے کو قبر میں کتنے آدمی داخل کریں:

مردے کو لحد میں رکھنے کے لیے بقدر ضرورت دو یا تین یا چار آدمی داخل ہوں' رسول اللہ ﷺ کی قبر میں چار آدمی داخل ہوئے تھے۔ (ابوداود: ج۲' ص۱۰۲)

عورت کی قبر میں کوئی بھی نیک آدمی داخل ہوسکتا ہے۔ اور عورت کی قبر میں اس کا خاوند بھی داخل ہوسکتا ہے۔

میت کو دفن کرنے کا وقت:

میت کو دفن کرنے کا کوئی وقت معین نہیں ہے۔ لیکن تین اوقات میں دفن کرنا منع ہے۔ ① جبکہ سورج نکل رہا ہو' یہاں تک کہ وہ نکل جائے۔ ...... ② جب وہ نصف النہار پر ہو یہاں تک زوال ہو جائے' ...... ③ جب وہ غروب ہونے کے قریب ہو' یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔ (مشکوۃ: ج۱' ص۹۴)

میت کو قبر میں کس طرف سے اتارا جائے:

میت کو قبر میں پائنتی کی طرف سے داخل کرنا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہما نے ایک میت کو قبر کی پائنتی کی طرف سے داخل کیا اور فرمایا کہ یہ سنت ہے۔ (ابوداود: ج۱، ص۱۰۲)

میت کو قبر میں رکھنے کا طریقہ:

میت کو قبر میں رکھ کر اس کا چہرہ قبلہ کی طرف کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک بھی اسی طرح قبلہ کی طرف رکھا گیا تھا۔

(الفتح الربانی: ج۸، ص۶۵)

میت کو قبر میں اتارنے اور رکھنے کے وقت دعا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم مُردوں کو قبر میں رکھو تو یوں کہو:

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ○

اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ کے رسول (ﷺ) کی ملت پر۔

ایک روایت میں ”بسم الله وعلى سنة رسول الله“ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ (ابوداود: ج۲، ص۱۰۲)

میت کے کفن کی گرہیں کھولنا:

قبر میں رکھنے کے بعد سر اور پاؤں کی طرف سے میت کے کفن کی گرہیں کھول دینی چاہئیں۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے جب نُعَیم بن مسعود اشجعی کو قبر میں اتارا، تو آپ ﷺ نے اپنے دہن مبارک سے ان کے کفن کی گرہیں کھولیں۔

(المغنی: ج۳، ص۳۸۳)

لحد کو بند کرنے کے لیے کچی اینٹوں کا استعمال:

لحد کو بند کرنے کے لیے کچی اینٹیں استعمال کرنی چاہئیں۔ آگ کی پکی ہوئی چیز سے پرہیز کرنا چاہئے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کی قبر میں بھی کچی اینٹیں استعمال کی گئی تھیں جن کی تعداد نو تھی۔ (نووی، شرح مسلم: ج۱، ص۳۱۱)

قبر میں مٹی ڈالنا:

لحد بند ہو جانے کے بعد تمام لوگوں کو دونوں ہاتھوں سے قبر میں تین بار مٹی ڈالنی چاہئے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی نماز پڑھی پھر ان کی قبر پر آئے اور کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں سے تین بار مٹی ڈالی۔ (بیہقی: ج۳، ص۴۱۰)

قبر کی بلندی اور شکل:

قبر کو زیادہ اونچا نہیں بنانا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کی قبر زمین سے ایک بالشت اونچی بنائی گئی ہے۔ (بیہقی: ج۳، ص۴۱۰)

قبر کا مُسَطَّح اور مُسَنَّم دونوں طرح بنانا صحیح ہے، یعنی چھت کی شکل چار کونوں والی بنائی جائے یا اونٹ کی کوہان کی شکل بنائی جائے۔ قبر پر زائد مٹی نہیں ڈالنی چاہئے۔ بلکہ اسی مٹی پر کفایت کرنا چاہئے جو قبر سے نکلی ہے۔ (بیہقی: ج۳، ص۴۱۰)

قبر پر پانی چھڑکاؤ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر ایک مشک پانی چھڑکا گیا تھا، اور جس نے پانی چھڑکا تھا، وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے، سر کی طرف سے شروع کر کے پاؤں تک پہنچایا۔ (مشکوٰۃ: ج۱، ۱۴۹، بیہقی: ج۳، ص۴۱۱)

نوٹ: اس روایت کی سند میں ایک راوی واقدی ضعیف ہے۔

قبر پر نشان رکھنا:

قبر کے پہچاننے اور معلوم کرنے کے لیے اس کے سرہانے کوئی بھاری

پتھر رکھنا درست ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پر بطور علامت ایک بڑا پتھر رکھا۔

(ابن ماجہ: ج ۱، ص ۱۱۳)

دفن کے بعد میت کے لیے دعا:

میت کی تدفین سے فارغ ہونے کے بعد سب لوگوں کو قبر کے پاس کھڑے ہو کر میت کے لیے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے اور اس کو منکر و نکیر کے سوال کے جواب میں ثابت قدم رکھے، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس ٹھہرتے اور لوگوں سے فرماتے کہ اپنے بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرو۔ اس لیے کہ اس وقت اسے سوال ہو گا۔

(ابوداود: ج ۲، ص ۱۰۳)

قبر کو پختہ بنانے کی ممانعت:

قبر کو پکا کرنا، اس پر عمارت بنانا، اس پر چراغ جلانا، اس پر بیٹھنا، اس پر ٹیک لگانا، اس پر چلنا، اس پر لکھنا، اس کی طرف نماز پڑھنا، یہ سب باتیں ممنوع و ناجائز ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

> ”میں نے نبی اکرم ﷺ کو قبر پر بیٹھنے، اسے پختہ بنانے اور اس پر کوئی عمارت بنانے سے منع فرماتے سنا ہے۔“ (مسلم: ج ۱، ص ۳۱۲)

زیارتِ قبور کا بیان:

قبروں کی زیارت مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے بعض احادیث سے جائز معلوم ہوتا ہے اور بعض سے ناجائز۔ ہمارے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت عام طور پر ممنوع ہی ہے۔ ہاں اگر کوئی عورت بہت زیادہ صابرہ، شاکرہ ہے اور خلافِ شرع کسی امر کے ارتکاب

کرنے کا اس سے اندیشہ بھی نہیں ہے تو وہ عورت کبھی کبھار قبروں کی زیارت کر لے تو جواز کی گنجائش موجود ہے۔ اسی طرح وہ عورت جو اتفاقاً کسی قبرستان یا اس کے قریب سے گزر رہی ہو اور عورت بھی وہ صالحہ' صابرہ ہو تو اس کے لیے بھی قبروں کی زیارت کر لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ شریعتِ مطہرہ کے اصول وضوابط کے دائرہ میں رہتے ہوئے زیارت کرے۔ اس کے علاوہ عام عورتوں کے لیے زیارت قبور کی کھلی چھٹی نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ ہمارے قبرستانوں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ کسی صاحبِ شعور سے مخفی نہیں۔ قبروں کی زیارت اس لیے مشروع ہوئی ہے کہ مُردوں کے لیے استغفار کی دعا کی جائے' قبروں کو دیکھ کر عبرت حاصل ہو اور اپنی موت اور آخرت یاد آئے' دنیا کی محبت دل سے نکل جائے اور آخرت کے سامان کا خیال وفکر پیدا ہو۔ اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے قبروں کی زیارت کرنی چاہیے اور مندرجہ ذیل دعائیں پڑھنی چاہئیں۔

زیارتِ قبور کی پہلی دعا: حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم دیا کرتے تھے کہ جب ان میں سے کوئی شخص قبرستان جائے تو یوں دعا کرے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اے اس بستی کے رہنے والے' مومنو اور مسلمانو! تم پر سلامتی ہو'

وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ ○

ان شاء اللہ ہم عنقریب تم سے ملنے والے ہیں'

نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ ○ (مشکوٰۃ: ص ۱۵۴)

ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے لیے عافیت چاہتے ہیں۔

دوسری دعا: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر مدینہ ہی میں چند قبروں پر ہوا۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف

رخ کیا اور فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَآ اَهْلَ الْقُبُوْرِ ○ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ

اے قبروں والو! تم پر سلام ہو اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے'

اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ ○ (مشکوۃ: ص ۱۵۴)

تم ہم سے آگے جانیوالے ہو اور ہم پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔

نوٹ: امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن' غریب ہے۔

تیسری دعا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ (زیارتِ قبر کے وقت) میں کیا کہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دعا پڑھو:

اَلسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ

اے (اس) گھر کے رہنے والے مومنو! اور مسلمانو! تم پر سلام ہو

وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ وَاِنَّا

اور اللہ ہمارے اگلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے اور ہم بھی

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ ○ (مشکوۃ: ص ۱۵۴)

ان شاء اللہ تم سے ضرور ملنے والے ہیں۔

چوتھی دعا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میری ہر باری پر رات کے آخری حصہ میں جنت البقیع میں تشریف لے جاتے اور یہ دعا پڑھتے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَاَتَاكُمْ مَّا تُوْعَدُوْنَ

اے (اس) گھر میں رہنے والے مومنو! تمہیں سلام ہو تم پر وہ چیز آ گئی جس کا کل تم سے دیر سویر

غَدًا مُّؤَجَّلُوْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ ○

کیساتھ (ثواب وعذاب) کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اور ہم بھی ان شاء اللہ (عنقریب) تم سے ملنے والے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ ○ (مشکوۃ: ص ۱۵۴)

اے اللہ! بقیع الغرقد والوں کو بخش دے۔

شہید کی نمازِ جنازہ:

جو شخص میدان میں کفار سے لڑتا ہوا شہید ہو جائے اس کو بغیر غسل اور نمازِ جنازہ کے دفن کیا جائے۔ (بخاری: ج ۱، ص ۱۷۹)

حد میں مارے جانے والے کی نمازِ جنازہ:

اگر کوئی شخص کسی جرم کا ارتکاب کرے اور اس پر حد جاری کی جائے تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔ (مشکوۃ: ص ۳۱۰)

دعا کی فضیلت واہمیت

دعا کے معنی پکارنے اور بلانے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی حاجت کے لیے اللہ تعالیٰ کو پکارا جائے تا کہ وہ اس کی ضرورت کو پورا کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ﴿١٨٦﴾ (البقرة)

"جب پکارنے والا مجھے پکارے، تو میں اس کی دعا قبول کر لیتا ہوں۔"

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"تمہارا رب بڑا ہی حیا وکرم والا ہے۔ جب کوئی بندہ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے اور مانگتا ہے تو اس کو خالی ہاتھ واپس کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔" (مشکوۃ: ج ۱، ص ۱۹۵)

دعا کی شرائط:

جب تک دعا کے آداب وشرائط کی پوری پوری پابندی نہ کی جائے، دعا کی

قبولیت کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ دعا کرنے والا بیمار کی طرح ہوتا ہے۔ بیمار اگر تندرستی چاہتا ہے تو اس کے لیے دوا کے ساتھ پرہیز کرنا اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچنا ضروری ہے۔ اگر دوا کرتا رہا پرہیز نہ کی تو صحت یابی مشکل ہو جائے گی۔ اسی طرح دعا کرنے والا اگر چاہتا ہے کہ میری دعا قبول ہو تو اس کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کی پابندی ضروری ہے:

① پہلی شرط یہ ہے کہ ایمان کامل کے ساتھ ساتھ اخلاص بھی ہو' یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خیال دل و دماغ اور زبان پر ہو' غیر کا خیال بالکل نہ ہو۔ کیونکہ بلا اخلاص کے کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔

② دوسری شرط یہ ہے کہ کھانا' پینا' پہننا حلال و پاکیزہ کمائی کا ہو۔ اگر حرام کی آمیزش ہوئی تو دعا قبول نہیں ہوگی۔

③ تیسری شرط یہ ہے کہ دعا کرنے والا جھوٹ' مکر وفریب' قمار بازی' شراب نوشی اور دیگر کبیرہ گناہوں سے بچنے والا ہو۔

آدابِ دعا:

① دعا نہایت خشوع وخضوع اور تضرع وانکساری کے ساتھ کرنی چاہیے۔

② دعا سے پہلے وضو کر کے دو رکعت نفلی نماز پڑھ لینی بہتر ہے۔

③ دعا کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کیجیے۔

④ دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف کیجیے۔ پھر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجیے' پھر دعا کر کے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور نبی ﷺ پر درود بھیج کر ختم کیجیے۔ یعنی دعا سے پہلے اور دعا کے بعد حمد وصلوٰۃ ہونی چاہیے۔

⑤ دونوں ہاتھ کشادہ کر کے چہرے اور دونوں کندھوں کے برابر اٹھائیے۔ رسول اللہ ﷺ اسی طرح اٹھاتے تھے۔

⑥ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ دعا کرنی چاہیے۔

⑦ دعائیہ کلمات کو بار بار پڑھو۔ رسول اللہ ﷺ تین تین بار پڑھتے تھے۔

⑧ دعا میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے' جب تک قبول نہ ہو دعا کرتے رہنا چاہیئے۔ اور یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ اتنے دنوں سے دعا کر رہا ہوں قبول نہیں ہوئی۔

⑨ دعا میں شرط استعمال نہ کی جائے' یعنی یہ نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو یہ کام کر دے۔

⑩ گناہ اور قطع رحمی کی دعا نہیں کرنی چاہیئے۔

⑪ امر محال نہ مانگے' کیونکہ یہ تعدّی وزیادتی ہے۔

⑫ دعا میں بے جا تکلف سے بچنا چاہیئے۔

⑬ دعا کو آمین پر ختم کرنا چاہیئے۔

خاص اوقات کی دعاؤں کا بیان:

کتبِ احادیث میں رسول اللہ ﷺ سے جو دعائیں ماثور اور منقول ہیں وہ تین قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق نماز سے ہے۔ دوسری وہ جن کا تعلق خاص اوقات یا مواقع اور حالات سے ہے۔ تیسری وہ جن کا تعلق نہ نماز سے ہے نہ خاص اوقات یا مواقع سے' بلکہ وہ عمومی قسم کی ہیں' پہلی قسم کی دعائیں کتاب میں درج کی جا چکی ہیں۔ دوسری قسم کی چند ایک دعائیں ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں۔

کھانا شروع کرنے کی دعا:

کھانا' پینا انسانی زندگی کے لوازمات میں سے ہے۔ انسان کو جب کھانا' پینا میسر آئے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص عطیہ یقین کرتے ہوئے اس کی حمد اور شکر ادا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کھانا شروع کرتے وقت سب سے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھا کرتے۔

ایک دن رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: جس وقت تم کھانے پر ہاتھ ڈالو تو یہ پڑھو:

② بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ ○ (حاکم: ج۴، ص۱۰۷)

اللہ کا نام لیکر اور اس کی برکت سے کھانا کھاتا ہوں۔

جب کوئی شخص کھانا کھائے اور بسم اللہ کہنا بھول جائے تو دورانِ اکل وشرب جب یاد آئے یہ کلمات پڑھ لے:

③ بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ ○ (مشکوٰۃ: ص۳۶۵)

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، کھانے کے اول بھی اور آخر بھی۔

کھانے سے فارغ ہونے کی دعا:

جب آدمی کھانے یا پینے سے فارغ ہو تو یہ کلمات پڑھنے چاہئیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا

حمد وشکر اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں کھانے اور پینے کو دیا اور ہمیں

مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (مشکوٰۃ: ص۳۶۵)

اپنے مسلم بندوں میں سے بنایا۔

نیا چاند دیکھنے کی دعا:

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نیا چاند دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ

الٰہی! یہ چاند ہمارے لیے امن وایمان اور سلامتی واسلام کا چاند ہو۔

رَبِّیْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ ○ (مشکوٰۃ: ص۲۱۴)

اے چاند! تیرا رب اور میرا رب اللہ ہے۔

صحبت کے وقت کی دعا:

میاں بیوی کو ہم بستری کے وقت مندرجہ ذیل دعا پڑھنی چاہیۓ:

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ

اللہ کے نام سے، اے اللہ! تو شیطان کے شر سے ہم کو بچا

مَا رَزَقْتَنَا ○ (مشکوٰۃ: ص۲۱۲)

اور ہم کو جو تو اولاد دے اس کو بھی بچا۔

شب زفاف کی دعا:

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: جب کسی عورت سے نکاح کیا جائے تو اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر یہ دعا پڑھی جائے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ

اے اللہ! اس میں اور اسکی فطرت میں جو خیر اور بھلائی ہو میں تجھ سے اسکی استدعا کرتا ہوں

وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ ○ (مشکوٰۃ: ص۲۱۵)

اور اس میں اور اسکی فطرت میں جو شر اور برائی ہو اس سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔

سجدۂ تلاوت کی دعا:

نبی اکرم ﷺ سجدۂ تلاوت میں تین بار یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ

میرے چہرے نے سجدہ کیا اس ہستی کے لیے جس نے پیدا کیۓ اس کے کان اور آنکھیں

بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ ○ (مشکوٰۃ: ص۹۴)

خاص حفاظت ومدد کے ساتھ کھولے۔

روزہ افطار کرنے کی دعا:

رسول اکرم ﷺ روزہ افطار کرتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ ○ (مشکوٰۃ: ص۱۷۵)

اے اللہ! میں نے تیرے ہی واسطے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا۔

نوٹ: یہ روایت اگرچہ کمزور ہے۔ تاہم حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی روایات اس کی شاہد ہیں۔ (مرعاۃ: ج۳، ص۲۲۶)

② حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب روزہ افطار کرتے تو یہ دعا پڑھتے:

ذَھَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ

پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہو گئیں اور اللہ نے چاہا تو

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ○ (مشکوٰۃ: ص۱۷۵)

اجر وثواب قائم ہو گیا۔

چھینک آنے کی دعا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کو چاہیے کہ کہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ...... اللہ کی حمد اور شکر ہے۔

اور جو بھائی اس کے پاس ہو انہیں جواب میں کہنا چاہیے:

یَرْحَمُكَ اللّٰهُ ...... اللہ تم پر رحمت کرے۔

اور جب وہ یہ کہیں تو چھینکنے والے کو چاہیے کہ وہ جواب الجواب کے طور پر کہے:

یَھْدِیْکُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ ○ (مشکوٰۃ: ص۴۰۵)

اللہ تم کو صحیح راہ پر چلائے اور تمہارا حال درست فرمائے۔

بادل اور بجلی چمکنے کی دعا:

رسول اللہ ﷺ جب بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک سنتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے:

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ

اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے ختم نہ کر اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر

وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ ○ (مشکوٰۃ: ص ۱۳۲)

اور ہمیں اس سے پہلے عافیت دے۔

آندھی کی دعا:

جب کبھی تیز ہوا چلتی تو رسول اللہ ﷺ اپنی رانوں کے بل اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جاتے اور یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَّلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا ○ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا

اے اللہ! یہ ہوا ہمارے حق میں رحمت بنا عذاب نہ بنا۔ اے اللہ! اس ہوا کو

رِيَاحًا وَّلَا تَجْعَلْهَا رِيْحًا ○ (مشکوٰۃ: ص ۱۳۲)

رِیاح بنا، رِیح نہ بنا۔

نوٹ: قرآن مجید میں جہاں "رِیاح" آیا ہے وہاں رحمت کی ہوا مراد ہے اور جہاں "ریح" ہے وہاں عذاب مراد ہے۔

آئینہ دیکھنے کی دعا:

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ ﷺ آئینہ دیکھتے تو کہتے:

اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ ○ (مشکوٰۃ: ص ۴۳۲)

اے اللہ! جیسے تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے میری سیرت بھی اچھی بنا دے۔

نیا کپڑا پہننے کی دعا:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اولاً اس کا نام لیتے۔ مثلاً عمامہ، قمیص، چادر وغیرہ پھر فرماتے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ اَسْئَلُكَ خَيْرَهٗ
اے اللہ! ہر قسم کی تعرف تیرے ہی لیے ہے۔ تو نے ہی مجھے کپڑا پہنایا ہے میں تجھ سے اسکی
وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا
بھلائی اور اس شے کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں جس کیلئے یہ تیار کیا گیا ہے اور تجھ سے اسکی برائی
صُنِعَ لَهٗ ۝ (مشکوٰۃ: ص ۳۷۵)
اور اس چیز کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے۔

سونے کے وقت کی دعا:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب رات کو آرام فرمانے کے لیے بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ لیتے۔ (یعنی داہنا ہاتھ داہنے رخسار کے نیچے رکھ کر داہنی کروٹ پر قبلہ رو لیٹ جاتے۔) اور پھر اللہ کے حضور میں عرض کرتے:

اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰ ۝ (مشکوٰۃ: ص ۲۰۸)
اے اللہ! تیرے ہی نام پر مجھے مرنا اور تیرے ہی نام پہ مجھے جینا ہے۔

سو کر اٹھنے کی دعا:

جب آدمی سو کر اٹھے تو یہ دعا پڑھنی چاہئے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا
حمد و شکر اس اللہ کے لیے جس نے موت طاری کرنے کے بعد ہمیں زندہ کیا
وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۝ (مشکوٰۃ: ص ۲۰۸)

اور بالآخر ہمیں اسی کے پاس جانا ہے۔

نیند نہ آنے کی شکایت کی دعا:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے بے خوابی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے مجھے یہ دعا سکھائی:

اَللّٰهُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمُ وَهَدَاَتِ الْعُيُوْنُ وَاَنْتَ حَيٌّ

اے اللہ! ستارے چھپ گئے۔ آنکھوں نے نیند بھر لی۔ تو ہی زندہ

قَيُّوْمٌ لَا تَاْخُذُكَ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ

اور سنبھالنے والا ہے۔ تجھے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند۔ اے زندہ سنبھالنے والے

اَهْدِئْ لَيْلِي وَاَنِمْ عَيْنِي ○ (ابن سنی: ص ۲۰۱)

میری رات میں چین اور میری آنکھوں میں نیند دے۔

نیند میں ڈر جانے کی دعا:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی سوتے میں ڈر جائے تو یوں دعا کرے:

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعَذَابِهٖ

میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کلمات تامات کے ذریعہ' خود اس کے غضب اور عذاب سے

وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ

اور اس کے شر سے اور شیطانی وساوس واثرات سے

وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ ○ (ابن سنی: ص ۲۰۱)

اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں اور مجھے ستائیں۔

بازار میں داخل ہونے کی دعا:

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ

جب آپ ﷺ بازار جاتے تو کہتے:

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ السُّوْقِ
میں اللہ کا نام لیکر بازار جاتا ہوں' اے اللہ! میں تجھ سے اس بازار میں جو بھلائی ہے اس کا
وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ
اور جو کچھ اس کی چیزوں میں بھلائی ہے کا سوال کرتا ہوں اور اس میں اور اس کی چیزوں میں
مَا فِيْهَا ○ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اُصِيْبَ فِيْهَا
جو شر ہو میں اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اس بات سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں
صَفْقَةً خَاسِرَةً ○ (مشکوٰۃ: ص۲۱۶)
اس بازار میں کوئی گھاٹے کا سودا کروں۔

دنیا و آخرت کی بہتری کے لیے دعا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اکثر اوقات یہ دعا ہوا کرتی تھی:

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً
اے اللہ! ہمیں دنیا و آخرت میں بھلائی عطا فرما
وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (مشکوٰۃ: ص۲۱۸)
اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچاؤ رکھ۔

ادائیگی قرض کی دعا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک غلام نے عرض کیا' میں اپنے آقا کو رقم ادا کر کے جلدی آزادی چاہتا ہوں' آپ میری امداد فرمائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تجھے وہ کلمہ نہ بتادوں جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا؟ اگر تم کسی بڑے پہاڑ کے برابر قرضہ ہوگا اللہ ادا کردے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ

اے اللہ! مجھے حلال طریقے سے اتنی روزی دے جو میرے لیے کافی ہو اور حرام کی ضرورت نہ ہو

عَمَّنْ سِوَاكَ ○ (مشکوٰۃ: ص۲۱۴)

اور اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنے ماسوا سے بے نیاز کر دے۔

کشائش رزق کی دعا:

مندرجہ ذیل کلمات پڑھنے کی برکت سے ستر تکلیفیں اللہ دور کر دیتا ہے جن میں سب سے کم درجے کی تکلیف فقر و فاقہ ہے:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَاَ مِنَ اللّٰهِ

اللہ کی مدد کے بغیر گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اور اللہ کے سوا نہ کوئی

اِلَّا اِلَيْهِ ○ (حاکم: ج۱، ص۲۱)

جائے پناہ ہے اور نہ کوئی جائے نجات۔

کشائش رزق کی دوسری دعا:

فقر و فاقہ کی تکلیف دور کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مندرجہ ذیل کلمات بھی مروی ہیں۔ ان کو ہر روز سو بار پڑھنا چاہیے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ○ (کنز العمال: ج۱، ص۱۱۶)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو سچا اور ظاہر بادشاہ ہے۔

بے چینی اور بے قراری کی دعا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی وجہ سے بیقرار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ ○ (ترمذی: ج۵، ص۵۳۹)

اے حی و قیوم! بس تیری رحمت سے مدد چاہتا ہوں۔

مصائب ومشکلات کے وقت کی پہلی دعا:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو مسلمان بندہ اپنے کسی معاملہ اور مشکل میں حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اللہ اس کو قبول ہی فرمائے گا۔“

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

میرے مولا، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک اور مقدس ہے میں ہی ظالم اور پاپی ہوں۔ (ترمذی)

مصائب ومشکلات کی دوسری دعا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی بھاری اور بہت مشکل معاملہ پیش آ جائے تو کہو:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ○ (ابن مردویہ)

ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لیے اچھا ہے۔

تھکاوٹ دور کرنے کی دعا:

جب کوئی شخص کام کرنے سے تھکاوٹ کی وجہ سے عاجز آ جائے یا زیادہ طاقت وقوت چاہے تو اسے سوتے وقت مندرجہ ذیل کلمات پڑھ لینے چاہئیں:

”سُبْحَانَ اللّٰهِ“ (۳۳ بار)...... ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ“ (۳۳ بار)......

”اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ (۳۴ بار)۔ (تحفۃ الذاکرین: ص ۱۹۹)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ○

العبد الضعیف

محمد علی جانباز

المکتبۃ الرحمانیۃ
۹۹-جے ماڈل ٹاؤن- لاہور
نمبر.....16065.....

مولانا محمد علی جانباز

کی دیگر علمی اور تحقیقی تصانیف

- اِنجاز الحاجۃ شرح سنن ابن ماجہ (عربی)
- نفحاتُ العطرِ فی تحقیق مسائلِ عید الفطر
- دورانِ خطبہ جمعہ دو رکعت پڑھنے کا حکم
- اَحکامِ دعاء اور توسّل
- معراجِ مصطفیٰ
- آلِ مصطفیٰ
- اَحکامِ سفر
- ارکانِ اسلام
- اَحکامِ نکاح
- اہمیتِ نماز
- تحفۃُ الوریٰ فی تحقیق مسائلِ عید الاضحیٰ
- حُرمتِ متعہ بجواب حلتِ متعہ
- اِسلام میں صِلہ رحمی کی اہمیت
- توہین رسالتؐ کی شرعی سزا
- رزق حلال اور رشوت
- صفاتُ المؤمنین
- اَحکامِ وقف وہبہ
- احکامِ قسم ونذر
- اَحکامِ طلاق
- اَحکامِ عدت

مکتبہ جامعہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)
Ph: 052-4591911 Mob: 0300-6161913

Printers